a common love story, still untold…

جو چاہو تم… | jo chaho tum…

ali

Jo Chaho Tum

Ali

Dedicating this book
To a very romantic voice and my personal favorite
Mr. Nusrat Hussain

Nusrat Hussain is a Pakistani musician, airline pilot, guitarist, and keyboardist. He played guitar for the Vital Signs and keyboard for Junoon in the mid-1990s. He soon left both bands opting for a career in PIA as an airline pilot in airline industry. After his departure from Junoon, Nusrat released a solo album Amrit, which featured popular tracks such as Jo Chaho Tum and Teri Awaz, which are real soul of this Novel. I dedicate this novel to Mr. Nusrat Hussain

Ali

کچھ باتیں

اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ میرے لکھے ہوئے ناولوں میں میرا پسندیدہ ناول کون سا ہے تو میں بلا جھجک آپ کو کہوں گا ''میرے خیالوں.....'' سچ پوچھیے ''میرے خیالوں.....'' کا کوئی متبادل میں لکھ بھی نہیں سکا۔ لیکن جب میں نے ''جو چاہو تم'' لکھا، مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ناول مجھے اُتنا ہی پسند ہے جتنا ''میرے خیالوں.....''

اگر میں آپ کو کہانی کا خلاصہ بتانا شروع کروں تو یقیناً آپ اس خلاصے کو پڑھ کر ناول بند کر دیں گے اور شاید کسی دوسری کتاب کا انتخاب کر لیں۔ وجہ یہ ہے کہ خلاصے میں آپ اس کہانی کے درد کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ کہانی میں تنہائی اور درد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ آپ دنگ رہ جائیں گے۔ آپ اپنے آپ سے سوال کرنے لگیں گے کہ ایسی کون سی اُلجھن ہے جس نے اس کہانی کے کرداروں کو اپنے اردگرد گھیر لیا۔ کہنے کو بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں، لیکن سچ پوچھیے تو میری دلی خواہش یہ ہے کہ آپ اس ناول کو پڑھیں اور احساس کے رشتے میں ڈوبتے چلے جائیں۔

زندگی میں کبھی ایسا وقت آ پڑتا ہے جب آپ کئی پریشانیوں میں گھر جاتے ہیں۔ ہر طرف، ہر شخص، ایسا لگتا ہے جیسے آپ کی طرف انگلی اُٹھا رہا ہو۔ لوگوں سے بھری محفل میں ہوتے ہوئے

بھی آپ اپنے آپ کو سب سے الگ اور تنہا محسوس کرنے لگتے ہیں۔اس تنہائی کے دشت میں اگر آپ کو کوئی ساتھی مل جائے، جو آپ کے دُکھ کو سمجھ لے، زخموں پر مرہم رکھ دے..... تو زرا سوچیے.....وہ ساتھی..... آپ کے لیے کیا معنی رکھتا ہوگا؟ انساں محبت کی وہ منزلیں طے کرنے لگتا ہے جس کا اُس نے تصوّر بھی نہ کیا ہو۔کچھ ایسا ہی اس کہانی میں ہوا ہے۔

یہ ناول دو کیٹیگری پر مشتمل ہے۔اس میں ڈاکٹری اور شاعری کا مزاج آپ کو ملے گا۔جب میں نے یہ ناول لکھنا شروع کیا تو میں جانتا تھا کہ مجھے ایک ڈاکٹر خاندان اور شاعرانہ خاندان کے بارے میں لکھنا ہے، لیکن یقین جانیے میرا ڈاکٹری سے بس اتنا ہی تعلق ہے کہ جب کبھی بیمار پڑ جاتا ہوں تو اسپتال جا کر چیک اپ کرا لیتا ہوں۔شاعری سے اتنا لگاؤ ہے کہ جب کوی شاعر میرے سامنے شعر کہتے ہیں تو میں واہ واہیں ہاتھ بلند کر دیتا ہوں مگر کبھی کبھار شعر سر سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔

ڈاکٹری اور شاعری کے اوپر ایک ناول لکھنا چیلنج سے کم نہیں تھا۔اس ناول کو لکھنے میں کئی بار Research کرنی پڑی۔اگر ناول میں کسی بیماری کا ذکر ہو رہا ہے تو اُس بیماری کے لیے کون سی دوا ضروری ہوتی ہے یا علاج کا کیا طریقہ ہوتا ہے، یہ سب گُوگل کر کے پڑھنا پڑا۔میں اپنی کزن ڈاکٹر نہضت سمانہ کا بھی شکریا ادا کرنا چاہوں گا جسے میں نے اپنے سوالوں سے تنگ کر کے رکھا مگر سمانہ نے ہر بار میرے سوالوں کا جواب دیا اور مجھے صحیح معلومات فراہم کیں۔اس قدر ریسرچ کے پیچھے وجہ یہی ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرا مذاق بھی بولی ووڈ کی مشہور فلم 'امر، اکبر، انتھونی' کی طرح بنے جہاں تینوں ہیروز کی ماں جو کہ پچیس سال سے ٹی بی کے مرض میں مبتلا تھیں، انہیں خون کے عطیے کی ضرورت پڑی۔تینوں ہیروز نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ماں کو خون دیں گے (یہ بتا تا چلوں کہ تینوں یہ بات نہیں جانتے کہ جس عورت کو وہ خون دے رہے ہیں دراصل وہ اُن کی سگی ماں ہے، کیونکہ ایک فلمی حادثے میں وہ اپنے والدین سے بچھڑ گئے تھے)

تو ہوا کچھ یوں کہ امیتابھ بچّن، ونود کھنّا اور رشّی کپور اسپتال کے بستروں پر لیٹ گئے۔ پلاسٹک کا ایک ایک پائپ اُن کے بازو پر لگا اور وہی پائپ جا کر ایک اور پائپ سے ملا اور براہ راست جا کر ماں کے بازُو میں جا لگا۔یوں تینوں بیٹوں نے براہ راست اپنی ماں کو خون دیا۔ Medical procedure کی دھجیاں اُڑا دی گئیں اور یہ سین دیکھ کر ڈاکٹرز اپنا سر پیٹنے لگے۔

ایسی بھیانک غلطیاں میں اس ناول میں نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے بڑی باریک بینی سے ہر چیز کو پڑھ کر اس ناول میں لکھا ہے تاکہ غلطی کی کوئی گنجائش نہ رہے۔

یہ تو معاملہ تھا ڈاکٹری کا، اب بات کرتے ہیں شاعری کی۔ سمانہ اور گوگل کی مدد سے ایک کام تو ہوا، مگر شاعری کے لیے مجھے اپنے بھائی سجاد شاہ جی کا سہارا لینا پڑا۔ ناول میں شاعر گھرانا دکھایا جا رہا ہے تو شاعری لازمی ہے، شاعروں کا صحیح حوالہ لازمی ہے، کوئی بھی چیز غلط ہو گئی تو مذاق بن کر رہ جائے گی۔ سوچنے لگا کہ کیا کروں۔ ایک بار پھر اپنے بھائی علی سجاد شاہ جی کی لائبریری میں قدم رکھا اور نکالنے لگا شاعری کی کتابیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب یہ کتابیں لیکر میں اپنے بھائی کی لائبریری سے لیکر نکل رہا تھا تو وہ دروازے پر کھڑے مجھے گھورنے لگے اور نظروں ہی نظروں میں پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟۔ اِدھر اُدھر کے جواب دیکر میں نے اُن کی کتابیں اپنے پاس رکھیں اور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس محنت کا فائدہ یہ ہوا کہ جب آپ ناول پڑھیں گے تو آپ اس ناول کی روح میں اُترتے چلے جائیں گے۔

چلیں بات کرتے ہیں میرے ناولوں کی ہیروینز کی۔ میری پسندیدہ ہیروین ہمیشہ سے ''میرے خیالوں.....'' کی سمیرا رہی ہے۔ لیکن مجھے ماننا پڑے گا کہ ''گُل ناز'' کا کردار لکھتے ہوے میں اُتنا ہی محظوظ ہوا جتنا سمیرا کا کردار لکھتے ہوئے ہوا تھا۔

''گُل ناز''..... اس کہانی کا وہ کردار ہے جس نے اس کہانی کو بدل کر رکھ دیا۔ گُل ناز کا کردار میری کہانیوں کی سب ہیروئن سے مختلف ہے، وجہ یہ ہے کہ اس بار ہیروئن کا کردار شاعرانہ اور اُردو مزاج سے جُڑا ہے۔ گُل ناز کا لہجہ، اُس کی اُردو زبان، اُس کی نزاکت اور خوبصورتی کو آپ اپنے دل میں اُترتا ہوا محسوس کر سکیں گے۔ اسی وجہ سے گُل ناز میری پسندیدہ ہیروئن ہے۔

سچ پوچھیے تو میری نظر میں اُردو محض ایک زبان نہیں بلکہ ایک حسین کیفیت کا نام ہے جس کا انداز اور ماحول سب زبانوں سے نرالا ہے۔ کچھ یہی انداز آپ اس ناول میں محسوس کریں گے۔ کہیں آپ کو جون ایلیا کا حوالہ ملے گا تو کہیں احمد فراز کا۔

میرے خیالوں..... کی طرح..... جو چاہو تم..... ایک دُنیا ہے جس کا ہر کردار بہت مضبوط ہے اور اپنے آپ میں ایک رعب رکھتا ہے۔ کہانی کا ہر کردار کہانی کے ساتھ اس قدر جُڑا ہے کہ کسی ایک فرد کو بھی مائنس کیا تو کہانی ادھوری رہ جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے کسی ناول کی

اتنی تعریف نہیں کی ہوگی جس قدر اس ناول کی کر گیا ہوں، چلیے یہ باتیں کر کے میں آپ لوگوں کو زیادہ بور نہیں کرتا۔ ناول پڑھنا شروع کیجیے، آپ اپنے آپ اس ناول کی دُنیا میں کھوتے چلے جائیں گے جو ڈاکٹری، شاعری اور غزلوں کی ایک الگ اور منفرد دُنیا ہے۔

آپ کا

علی

New York City - New York -
United States Of America

کبھی نہ سونے والا شہر......آج کی رات......تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا......ٹائمز اسکوائر پر بھی ......اِکا دُکا لوگ...... چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے...... ہمیشہ لوگوں کے ہجوم سے بھرا شہر......رات دو بجے......سُنسان...... پر اپنی حسین عمارتوں کی وجہ سے......کافی خوبصورت لگ رہا تھا......دُور کہیں ......کسی پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دیتی......تو احساس ہوتا کہ شہر میں ......ابھی بھی قانون موجود ہے......کھچا کھچ لوگوں سے بھرا ہوا یہ شہر......اس وقت خاموش تھا......ویسے بھی...... دن بھر کے کاموں میں اُلجھا ہوا...... یہ شہر......کبھی تو کچھ پل کے لیے...... اپنی آنکھیں بند کرتا......کبھی تو چین کا سانس لیتا......کبھی تو اپنے آپ کو...... بانہوں میں سمیٹ کر......کچھ پل ہی سہی...... پر آرام تو کرتا......مگر نیو یارک کے نصیب میں آرام کہاں...... یہاں تو لوگ بس کام ہی کرنا جانتے ہیں......کام کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔

ان ہی کاموں سے تھک کر...... میں بے حال ہو کر اپنے بستر پر سویا ہوا تھا......عمارت کی بارہویں منزل پر موجود میرا اپارٹمنٹ...... نیو یارک کی برفیلی ہواؤں سے سرد ہوا جا رہا تھا...... دُور عمارتوں پر لگے ہوئے بل بورڈز کی روشنی......کھڑکی سے ہوتی ہوئی میرے کمرے میں پڑ رہی تھی......اس روشنی میں ......میری بے ہنگم زندگی دیکھی جا سکتی تھی......کپڑے زمیں پر پڑے ہوئے......سگریٹ کے ٹکڑے ہر طرف...... ایک طرف چپس کے کھلے پیکٹ......اور کچھ خالی

بوتلیں......ان ہی کے برابر میرے جوتے......موزے......اوران ہی کے ساتھ زمیں پر پڑی کتابیں...... کچھ کتابیں میڈیکل سائنس پر لکھی ہوئی تھیں......تو کچھ کتابیں شاعری پر......جون ایلیا صاحب کے کچھ دیوان موجود تھے......تو اُن ہی کے ساتھ ساتھ نوشی گیلانی کی لکھی ہوئی کتاب بھی موجود تھی......صوفے پر چائنیز کھانوں کی پلیٹس......نجانے کب سے وہاں اپنا قبضہ کیے ہوئے تھیں...... یہاں تک کے ٹی وی بھی چل رہا تھا......مگر میں...... تھکن سے چُور اس وقت ......اُلٹا لیٹا ہوا سو رہا تھا......

میرے بستر کے سرہانے میرے خاندان کی تصویر رکھی ہوئی تھی......میرے گھر والے مسکرا کر......میری طرف دیکھ رہے تھے......تصویر میں ہر کوئی خوش تھا......مسکرا رہا تھا......اگر اس تصویر میں کچھ نہیں تھا......تو وہ بس میں......

ایسے میں میرا موبائل Vibrate ہونا شروع ہوا...... کچھ ہی پل گزرے ہوں گے کہ موبائل کی تھرتھراہٹ سے......میری آنکھ کھلی......میں نے پلٹ کر اپنا موبائل فون دیکھا......تو چونک گیا......فون میرے اسپتال سے آ رہا تھا۔ میں نے فون اُٹھایا:

"Yeah?"

"Doctor, you need to come!"

دوسری طرف سے میری اسسٹنٹ نادیہ کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

"What happened?" میں نے سوئی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"Its an emergency" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"I'm on my way..."

میں نے جواب دیا اور فون بند کر کے اُٹھ کے بیٹھا۔ ٹی وی پر نظر پڑی تو کچھ امریکن نیوز ڈیسک پر بیٹھے امریکا کی سیاست پر بحث کرتے نظر آئے۔ Fox News پر چوبیس گھنٹے اس کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا تھا:

"Let's face it President need to understand the circumstances of every american in this country, otherwise we are on the verge of disaster!, who will take blame on this?"

سفید فام چلّا چلّا کر امریکی صدر پر الزام رکھ رہا تھا۔ میں نے منہ بنا کر ٹی وی کا ریموٹ اُٹھایا اور چینل بدل کر VH1 لگا دیا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت چینل پر Freddie Mercury کے گانے آ رہے تھے۔ موسیقی کی آواز سن کر میں نے اپنے اندر تھوڑی سی تازگی محسوس کی۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک نظر کھڑکی سے نیو یارک کی اُونچی عمارتوں کو دیکھنے لگا۔ دُلھن جیسا شہر اس وقت دمک رہا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ نیو یارک کا حُسن با کمال تھا، اور یہاں کام کرتے ہوئے مزہ آتا تھا۔ میں نے ایک نظر شہر پر ڈالی اور پلٹ کر جانے کے لیے تیار ہوا۔

☆......☆

رات ڈھائی بجے...... اپنی کالی رنگ کی سوناٹا دوڑاتا ہوا...... اپنے ہی اسپتال کی طرف جا رہا تھا...... میرے بال بکھرے ہوئے تھے...... کپڑے بدلنے کا وقت نہ ملا...... اس لیے اپنی کالی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر ہی میں جانا بہتر سمجھا...... میں نے اپنا کوٹ تک نہیں پہنا...... مجھے لگا کہ اس سے محض وقت ضائع ہوگا...... وجہ بھی کچھ خاص تھی...... جب اسپتال سے ایمرجنسی کال آئی...... تو پھر جانا تو پڑتا ہی ہے...... مینہیٹن سے گزرتا ہوا...... جلد ہی میں Queen's Hospital کے سامنے موجود تھا......

اپنی گاڑی پارک کر کے...... میں فوراً گاڑی سے اُترا...... اور اسپتال کے مرکزی دروازے کی طرف قدم اُٹھاتا چلا گیا...... دروازے پر اونگھتے ہوئے محافظوں نے مجھے سلام کیا............ اور میرے لیے دروازہ کھولا...... میں کچھ کہے بنا اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا......

میں اندر جا ہی رہا تھا کہ میری نظر اسپتال کی استقبالیہ پر کام کرنے والی سیاہ فام سینڈرا پر پڑی۔ اُس کا جسم قدرے بھاری تھا جیسا اکثر امریکن لوگوں کا ہوتا ہے۔

سینڈرا نے ایک نظر مجھے دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگی:

"You should'nt go back to your place doc! if you are coming back that early"

"Duty Calls..."

میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا اور دیوار پر لگی اسکیننگ مشین پر اپنا کارڈ لگا کر حفاظتی بند سے نکلتا ہوا اندر کی طرف بڑھا۔ آج کی رات اسپتال بھی خالی تھا، بس دو چار لوگ ہی کوریڈور میں

نظر آ رہے تھے۔ میں سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے گزرتا چلا گیا۔ میرے قدم آئی سی یو کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جلد ہی میری اسسٹنٹ ڈاکٹر نادیہ شفیق نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ وہ قریب قریب دوڑتی ہوئی میرے پاس پہنچی۔ اس وقت اُس نے اسپتال کا یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ کاٹن کا سادہ سا نیلا ٹراوزر اور نیلی قمیض پہننے کے باوجود وہ حسین لگ رہی تھی۔

"Jesus!... Dr.Rohail, thank god you're here" اس کے منھ سے نکلا۔

"What is it Nadia? Why you called me in so much rush?"

میں نے آئی سی یو میں جاتے ہوئے پوچھا۔

"Doctor, Its about Mrs. Diana Peterson, she is having severe contractions and already lost so much blood in pain"

نادیہ نے مجھے مسز ڈاینا کی فائل دیتے ہوئے بتایا، اب وہ میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"She's pregnant right?" میں نے فائل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"Yes Doctor!" نادیہ نے ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا۔

"Delivery time?" میں نے فائل پڑھتے پوچھا۔

"Now..."

نادیہ نے مجھے دیکھتے ہوئے بتایا اور میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"She is in deep pain Doc!" نادیہ نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ مجھے سمجھایا۔

"Why the hell Dr.Hudson did'nt admit her couple of days ago?" میں نے فائل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"Well she advised them, but Mr.Peterson did'nt agree" نادیہ نے جلدی سے بتایا۔

"That's Ridiculous. Where is Dr.Hudson?" میں نے فائل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"She's off" نادیہ نے جلدی سے بتایا۔

"Why?" میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

"Shes also delevering a baby" نادیہ نے مسکرا کر بتایا اور میں نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"It's november and a baby season!"

یہ کہہ کر نادیہ مسکرانے لگی اور میں اپنا سرنفی میں ہلا کر رہ گیا:

"To be hell with Valentine's Day"

میری بات سن کر نادیہ ہنس پڑی اور ہم اندر چلتے چلے گئے۔

میں ایک تیس سال کا پانچ فٹ دس انچ لمبا، خوش شکل نوجوان، نیو یارک کا مانا ہوا ڈاکٹر اور کوئینز اسپتال کا ہیڈ ڈاکٹر تھا۔ Gynacological میرا پیشہ تو نہیں تھا مگر ڈاکٹر ہڈسن خود ماں بننے والی تھیں اس لیے اسپتال والوں نے مجھے فون کر کے بلوایا۔ اب مجھے یہ کام کرنا ہی تھا۔

آخر کار میں آپریشن تھیٹر میں داخل ہوا تو میں نے ایک سیاہ فام جوڑے کو کچھ نرسز کے ساتھ پایا۔ لمبے قد کی سیاہ فام عورت تکلیف میں بُری طرح چلّا رہی تھی جب کہ اس کا شوہر جس کی عمر لگ بھگ پچاس کے قریب تھی، اس کا ہاتھ تھامے ہوئے پریشان صورت لیے کھڑا تھا۔

"Oh thank God!.. thank God Doctor you're here" سیاہ فام نے مجھ کو دیکھ کر کہا۔

"Don't worry, everything will be fine"

میں نے دستانے پہنتے ہوئے اطمینان سے یہ جملے کہے اور پھر شائستگی کے ساتھ عورت سے مخاطب ہوا:

"How you doin' Mrs. Peterson?"

"Like I'm about to deliver a child!!" مسز پیٹرسن تکلیف میں چلّائیں۔

"Okay calm down, I need you to spread your legs so I can have a good look" میں نے اس کی ٹانگوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"Doctor I'm in deep shit!!" مسز پیٹرسن تکلیف سے چلّائیں۔

"Calm down!" میں نے سختی سے کہا۔

"Honey you better calm down, just for few minutes"

مسٹر پیٹرسن نے اپنی بیوی کا سر سہلاتے ہوئے یہ جملے کہے۔

میں نے اپنا سیدھا ہاتھ مسز پیٹرسن کے اندر داخل کیا اور فکر مند ہو کر کہا:

"It is not open that much"

"What do you suggest Doctor? Surgery?"

نادیہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"We don't have much time, either she or baby would die"

میں جیسے اپنے آپ سے کہتا جا رہا تھا اور سیاہ فام جوڑا فکر مند ہوا۔

"Okay, she lost so much blood, lost the presure also"

میں بڑبڑایا اور جلدی سے اپنے اسسٹنٹ ڈاکٹروں سے مخاطب ہوا:

"I need to perform Episiotomy"

"Sir?... are you?... are you serious?"

اسسٹنٹ ڈاکٹر کیوِن نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیون ایک لمبا چوڑا سیاہ فام امریکن تھا اور میرا بہت اچھا دوست۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر نرسز بھی حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ اسسٹنٹ ڈاکٹر نادیہ بھی حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگی

"Just do what I said"

میں نے سرد لہجے میں حکم دیا اور وہ سب دوڑ کر ضرورت کی چیزیں جمع کرنے لگے۔ میں نے ایمرجنسی باکس میں سے انجکشن نکالا اور مسز پیٹرسن کی ران کے پاس آیا:

"Mrs.Peterson, I want you to bear this pain"

"I can't!!"

مسز پیٹرسن نے تکلیف کے عالم میں رونے لگی اور مجھے اُس پر ترس آنے لگا، لیکن ان کی زندگی کے لیے مجھے اپنا دل سخت رکھنا تھا۔ میں نے بنا وقت ضائع کیے انجکشن ان کی انتہائی نرم جگہ پر لگایا۔ انجکشن کا لگنا تھا کہ مسز پیٹرسن تڑپ اُٹھیں اور ان کی آنکھیں باہر کو آ گئیں۔ مسٹر پیٹرسن اس لمحے پریشان ہو گیا۔

"You're doing great...don't worry"

میں اُسے ہمّت دلاتا رہا اور پورا انجکشن ختم کیا۔جلد ہی مسز پیٹرسن کو اپنی ٹانگیں سُن ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

ایسے میں اسسٹنٹ ڈاکٹر نادیہ ساز وسامان کے ساتھ آئی۔

میں نے جلدی سے کٹر لیا اور مسز پیٹرسن کے اندام نہانی کو کاٹنے لگا۔خون میرے ہاتھوں پر آچکا تھا۔تقریباً آٹھ انچ کا کٹ لگانے کے بعد میں نے آوزار واپس ٹرے میں رکھے۔اس عمل کو Episiotomy کہا جاتا تھا۔کٹ لگنے سے مسز پیٹرسن کو درد محسوس نہ ہوا کیوں کہ میں انھیں درد کا انجکشن دے چُکا تھا......

"Okay... I need you to push it and push it very hard!" میں نے فکر مند ہو کر کہا۔

"I can't Doctor!....I can't feel anything, not even my legs" مسز پیٹرسن رونے لگی۔

"Yes you will Mrs.Peterson, you have to do this for you child, he needs you right now, more than anyone" میں جانتا تھا کہ مسز پیٹرسن کی ٹانگیں سُن پڑ گئی ہیں لیکن اس وقت انھیں حوصلہ دینا بہت ضروری تھا۔مسز پیٹرسن تکلیف کے عالم میں سوچنے لگی۔

"Push it!....Push it!"

میرے اس طرح چلّانے سے مسز پیٹرسن کو کچھ ہمّت ملی اور وہ زور لگانے لگی۔اس وقت انھوں نے اپنے شوہر کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔نادیہ اور دیگر نرسز بھی ان کی مدد کرنے لگے۔

"That's it!...That's it!...here we go.... push it again!"

میں نے پھر چلّا کر کہا۔

"Aaah! Shit!" مسز پیٹرسن آنکھیں بھینچ کر زور لگانے لگی۔اس کے ہاتھ کپکپانے لگے،ماتھے سے پسینہ بہنے لگا۔وہ اس وقت شدید تکلیف میں تھیں۔

"Jesus!" مسٹر پیٹرسن گھبرا کر رو پڑا اور فرش پر بیٹھ گیا۔

"Quite!! Mr. Peterson"

میں غصیلے لہجے میں اُسے ڈانٹا اور پھر سے مسز پیٹرسن کو زور لگانے کے لیے کہا۔خون اب تیزی سے بہ رہا تھا۔مسز پیٹرسن زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی۔جلد ہی میں نے بچّے کا سرا پنے ہاتھ میں محسوس کیا،میری آنکھوں میں چمک دوڑ اُٹھی۔

"Diana!... I need your one last push!.... your baby will be fine.... you gotta trust me!...."

میں نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ یہ جملے کہے اور مسز پیٹرسن گردن ہلا کر زور لگانے لگی!!۔زور لگاتے ہوئے وہ چلّا اٹھی اور عین اسی موقع پر بچّے کا سر میرے ہاتھ میں صحیح سے آیا۔

"I got him!!... I got him!!"

میں نے جوشیلی آواز میں سب کو بتایا اور بچّے کو کھینچنے لگا۔

دیگر نرسز بھی اب میری مدد کرنے لگے۔

"Kevin what's the pulse rate?"میں نے جلدی سے پوچھا۔

"Its 133 per minute Doctor" کیون نے جلدی سے جواب دیا۔

"Blood presure is shooting up Doctor"نادیہ نے پریشان ہوکر کہا۔

"Relax...."

میرے منہ سے نکلا اور بچّے کو نکالنے کی بھرپور کوشش کرنے لگا۔مسز پیٹرسن اپنی سی کوشش کررہی تھی۔دوسری طرف سے میں نے بچّے کو تھاما ہوا تھا،ڈر اُسے اس بات کا تھا کہ کہیں بچّے کا دم نہ گھٹ جائے،لیکن ابھی تک بچّے کے پھیپھڑے کھلی فضا میں داخل نہیں ہوئے تھے۔پھیپڑے پوری طرح سے بند تھے،ایک بار بچّہ اگر سانس لینے لگا تو پھیپھڑے کسی Parachute کی طرح کھلتے اور پھراس کے دم گھٹنے کے چانسز مزید بڑھ جاتے۔میں اس لمحے بھرپور کوشش کررہا تھا کہ جلد ہی میرا ہاتھ بچّے کی گردن پر لگا اور پھراس کے جسم پر۔جسم پر ہاتھ پڑنا تھا کہ میں نے ایک دم سے بچّے کو کھینچ لیا اور خون میں لت پت بچّہ روتا ہوا ماں کی کوکھ سے باہر آیا۔

"Hurra!...it's a boy!"میں خوشی سے چلّا اُٹھا۔

"Yeah!!..."سب نرسز خوشی سے چلّائیں اور تالیاں بجانے لگے۔مسٹر پیٹرسن خوشی سے دیوانے ہونے لگے۔بچّے کا پیدا ہونا تھا کہ مسز پیٹرسن کچھ سکون میں آئی۔یہ ایک گول مٹول پیارا

سا بچّہ تھا جو شدید خوف کے عالم میں رو رہا تھا۔ نادیہ نے آگے بڑھ کر umbilical cord کاٹی اور بچّہ نرس کی گود میں آیا۔

"What's her blood group?" میں نے پلٹ کر نادیہ سے پوچھا۔

"It's AB-Positve, Doctor" نادیہ نے جلدی سے جواب دیا۔

"Okay, Nadia, I need you to stich cuts right away and ask management to provide two bottles of AB-Positive. Hurry!"

میں جلدی جلدی سب کو حکم دیتا چلا گیا اور نادیہ ٹانکیں لگانے لگی۔ ایک نرس خون کی بوتل لینے دوڑ لگا گئی۔

"Give me the baby" میں نے نرس سے بچّہ لیا اور اُسے دیکھنے لگا۔ بچّے کو اب کچھ سکون مل رہا تھا۔

"Congratulations Mrs. Peterson. You're a mother of a baby boy"

میں نے بچّہ اس کی بانہوں میں دے کر یہ جملے کہے۔

"God Bless you doctor!.... God bless you!"

مسز پیٹرسن نے بچّہ اپنی بانہوں میں لے کر مجھے دعا دی اور میں مسکرانے لگا۔

"Doctor, how can I ever repay to you" مسٹر پیٹرسن نے آگے بڑھ کر میرا شکریہ ادا کیا۔

"I was just doing my duty" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"No, No, No, you did'nt just do your duty, you saved my wife, my child, you just saved our lives" مسٹر پیٹرسن نے روتے ہوئے مجھے دیکھ کر سمجھایا کہ یہ لمحہ ان کے لیے کس قدر معنی رکھتا ہے۔

"Only God saved your lives, I just did what I had to do" میں نے مسکرا کر کہا۔

"What is your name Doctor?" مسٹر پیٹرسن نے الجھ کر پوچھا۔

ان کا سوال سن کر میں مسکرایا اور انہیں اپنا نام بتایا:

”روحیل......“

"Honey, we will name our son...... Rohail"

مسٹر پیٹرسن نے اپنی بیوی کو دیکھ کر اپنا فیصلہ سُنایا اور میں یہ سن کر دھک سے رہ گیا۔

"Yes we will, we will call our little angel, Rohail"

مسز پیٹرسن نے بے دم آواز میں ہامی بھری اور میں سکتے کے عالم میں اس سیاہ فام جوڑے کو تکنے لگا...... بچّے کا نام میرے نام پر رکھنا کسی خراج تحسین سے بڑھ کر نہیں تھا۔آج میری وجہ سے کسی کو خوشیاں ملی تھیں......زندگی ملی تھی......میں ان کا محسن بن گیا تھا......اس قدر کہ انھوں نے اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔لیکن ایک وقت ایسا بھی تھا...... جب کسی نے مجھ سے کچھ الفاظ کہے تھے......وہ الفاظ میں آج تک نہیں بھول پایا:

”چلے جایئے میرے گھر سے......اس سے پہلے آپ میرے گھر کی خوشیاں کھا جائیں...... آپ چلے جائیں......آپ میرے لیے مر چکے ہیں......“

ذلّت کے یہ الفاظ میرے کانوں میں آج بھی گُونج رہے تھے۔میں سکتے کے عالم میں مسٹر اینڈ مسز پیٹرسن کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔جو پیار اور عزت انھوں نے بخشی تھی...... وہ مجھے کبھی نہ ملی تھی......کبھی نہ ملی تھی۔

☆......☆

اس بات کو تین روز گزر گئے۔اسپتال کے ڈائریکٹر کو جب اس کارنامے کے بارے میں پتا چلا تو اُس نے ہفتے کے آخر میں میرے اعزاز میں پارٹی رکھی۔میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود پارٹی کا اہتمام کیا گیا اور میں ہار مان کر پارٹی میں شرکت کرنے کے لیے راضی ہوا۔اسی پارٹی میں شرکت کرنے کے لیے شام کے وقت میں گھر سے نکل پڑا تھا۔قریب شام ساڑھے سات بجے میں نے ایک خوب صورت بنگلے کے سامنے اپنی گاڑی روکی۔اس وقت میں کسی عام سی ٹی شرٹ،ڈاکٹر کا سفید کوٹ یا ٹراؤزر میں نہیں بلکہ کالی جینز پر کالے رنگ کی جیکٹ اور اندر کالی قمیض میں تھا۔گاڑی سے اُتر کر اپنا کوٹ ٹھیک کرتا ہوا بنگلے کے دروازے کی طرف بڑھا۔دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ویسے تو نیو یارک سرد ہی رہتا تھا،لیکن شام سات بجے کے بعد یہاں سردی مزید بڑھ جاتی تھی۔پر بھلا ہو نادیہ کے والد صاحب کا جنھوں نے صحیح وقت پر دروازہ

کھول دیا:

''ویلکم ویلکم ڈاکٹر روحیل!''

شفیق صاحب نے مجھے دیکھ کر شوخ لہجے میں میرا استقبال کیا۔ لمبے چوڑے اور لبوں پر سفید مونچھیں، شفیق صاحب کی شخصیت اتنی مزیدار تھی کہ ہر کوئی ایک ہی لمحے میں ان کا دوست بن جاتا تھا۔ شفیق صاحب پتلون اور قمیض کے ساتھ ساتھ ساتھ گیلیس پہننے کے عادی تھے، مونچھوں اور سر کے کچھ کچھ بال سفید تھے۔ چہرے پر ہمیشہ شوخی رہتی۔

''السلام علیکم شفیق صاحب!'' میں نے اندر آ کر اُن سے ہاتھ ملایا۔

''وعلیکم السلام سن!۔ اگر میں زیادہ دیر لگا دیتا تو تمھاری آئس کریم تو بن ہی جاتی۔''

انھوں نے مسکرا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں سر، آپ ہی لوگوں کے کام آ جاتا، ویسے بھی آپ کو آئس کریم بہت پسند ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور شفیق صاحب نے قہقہہ لگایا:

''ہا! ہا! ہا!...... بھئی تمھاری مزیدار باتوں کا تو میں فین ہو گیا ہوں...... اس لیے تمھارے ساتھ محفل لگانے میں مجھے بہت مزہ آتا ہے......

''کہاں انکل جی، ایک وقت تھا جب ہم بیٹھ کر کچھ باتیں کر لیا کرتے تھے اب تو آپ یاد بھی نہیں کرتے......'' میں نے انہیں دیکھ کر شکایت کی۔

''جھوٹ نہیں!...... میں تو فری ہوں لیکن آپ ہی مصروف رہتے ہیں!'' انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا اور میں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''تین ساڑھے تین سال میں تم نے اسپتال سے ایک دن کی بھی چھٹی نہیں لی، اتنا کام کر کے تھک نہیں جاؤ گے؟'' انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا۔

''......بس......اب عادت سی ہو گئی ہے۔''

میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ایسے میں ہم نے دیکھا نادیہ کالے رنگ کے لانگ اسکرٹ میں سیڑھیوں سے نیچے اُترتی ہوئی آ رہی ہے۔ وہ اس وقت انتہائی خوب صورت لگ رہی تھی۔ نادیہ کو دیکھ کر ہم دونوں ہی مسکرانے لگے۔

"Hi Rohail" نادیہ نے مجھے دیکھ کر خوشی سے کہا اور چلتی ہوئی مجھ سے آ کر گلے لگی۔

"You're looking great" میں نے اُسے گلے لگا کر اس کی تعریف کی۔
''تم بھی کبھی کبھی اچھے لگ ہی جاتے ہو۔'' نادیہ نے مجھے دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔
''جس دن تھوڑی تھکن کم ہوتی ہے اُس دن تھوڑا سا بہتر لگنے لگتا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور وہ ہنسنے لگے۔
''نادیہ، تمھارے اسپتال میں کوئی HR نہیں ہے؟ جو اسے زبردستی چھٹی پر بھیج دے؟'' شفیق صاحب نے اپنی بیٹی کو دیکھ کر پوچھا۔
''بالکل ہے ڈیڈی اور اسی بات پر ان کو کئی بار وارننگ بھی مل چکی ہے، لیکن جناب ہیں کہ Christmas پر بھی اسپتال میں بیٹھے ہوتے ہیں۔'' نادیہ نے منھ بنا کر کہا اور میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔
''روحیل بیٹا...... یہ غلط بات ہے؟''
ایسے میں نادیہ کی والدہ شکیلہ بیگم کی آواز آئی اور ہم مسکرا کر انہیں دیکھنے لگے۔ شکیلہ بیگم کا قدم بھی لمبا تھا اور نادیہ کی طرح وہ بھی ایک حسین خاتون تھیں۔ شکیلہ بیگم کی شخصیت میں ایک وقار تھا......
''السلام علیکم آنٹی!'' میں نے مسکرا کر سلام کیا۔
''وعلیکم السلام!...... اور مسکرا کر سلام کر کے بات کو ٹالنے کی کوشش مت کرنا، تمھیں اپنا خیال ہے بھی یا نہیں؟'' انھوں نے قریب آ کر میرے گالوں پر بوسہ دیا۔
''شفیق انکل ہیلپ۔'' میں نے شفیق صاحب کو دیکھ کر کہا۔
''نہیں نہیں...... اس معاملے میں میں تمھاری کوئی مدد نہیں کروں گا، ویسے بھی بیگم کے مخالف ہو کر مجھے اپنے آپ کو حلال نہیں کرانا۔'' انھوں نے مستی میں کہا اور سب ہنسنے لگے۔
''روحیل؟...... وہ تمھاری خالہ ہیں نا...... تمھاری آنٹی؟...... مسز مارگریٹ؟...... اب کیسی ہیں؟ میں نے سُنا تھا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں......''
شکیلہ بیگم نے پیار سے میری خالہ کے بارے میں پوچھا جو ایک سفید فام امریکی خاتون تھیں۔
''جی بس ان کی ہیلتھ اب ایسی ہی رہتی ہے...... لیکن اب پہلے سے بہتر ہیں...... جب میں

دوا کا پوچھتا ہوں تو بات کو ٹال دیتی ہیں......''میں نے انہیں دیکھ کر بتایا۔

''جیسا بھانجا ویسی خالہ......''شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''موم......ڈیڈ......ہم چلتے ہیں......پارٹی جیسے ہی ختم ہوگی ہم آجائیں گے۔''

نادیہ نے اپنے والدین کو دیکھ کر کہا۔

''جاؤ......جاؤ......دیر سے بھی آؤ تو کوئی مسئلہ نہیں......یہ جو شخص تمھارے ساتھ ہے نا......یہ فرشتہ ہے......''

شفیق صاحب نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور ہم سب ہنس پڑے۔

''سچ میں روحیل، تم جیسا شریف لڑکا میں نے تو آج تک نہیں دیکھا۔ایک جوان لڑکا جو یہاں اکیلا رہتا ہو، جس کے پاس ہر آسائش ہو اس کے باوجود کسی غلط عادت میں نہیں۔ یہ واقعی بہت بڑی بات ہے۔''

شکیلہ بیگم نے مسکرا کر میری تعریف کی۔

''یہ سب آپ سب کا پیار ہے اور کچھ نہیں۔''میں نے پیار سے کہا۔

''میں نہیں مانتا۔''شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا اور کہنے لگے:

''اگر تم ہزاروں کی بھیڑ میں بھی تنہا کھڑے ہو اور ہزاروں لوگ تمھیں بُرا کہیں تب بھی یہی بات جان لو کہ وہ ہزار صرف پاگل ہیں اور کچھ نہیں۔''

''اس لیے روحیل کبھی مینٹل اسپتال مت جانا کیوں کہ ہزار پاگل ایک ساتھ تمھیں وہیں ملیں گے۔''نادیہ نے منھ بنا کر کہا اور ہم سب ہنسنے لگے۔

''چلو جاؤ تم لوگ......مزے کرو۔''شفیق صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تھینکس سر، خدا حافظ۔''میں نے پیار سے کہا اور نادیہ کو لے کر چلا۔

''خدا حافظ!''

شکیلہ بیگم او شفیق صاحب نے ایک ساتھ ہمیں الوداع کہا۔ہم دونوں گاڑی میں بیٹھے اور میں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ایک بار پھر ان کے ہاتھ ہلا کر ہم چل دیئے۔شفیق صاحب اور شکیلہ بیگم نے مسکرا کر دروازہ بند کر لیا۔

☆......☆

بارٹینڈر کی فرنٹ سیٹ پر میں خاموشی سے بیٹھا ہوا چھت پر لگے ٹی وی سیٹ پر موسم کا حال دیکھ رہا تھا، باربکن کی بوتل میرے لبوں سے جُڑی تھی۔ بوتل کا آخری گھونٹ پی کر میں نادیہ کا انتظار کرنے لگا جو نئی بوتلیں لینے گئی تھی اور میں دنیا سے بے خبر ٹی وی نیوز میں محو تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے اور اس لمحے نیویارک انتہائی سردی کی لپیٹ میں تھا۔ ٹی وی پر خبروں پر بھی یہی بتایا جا رہا تھا کہ برف پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ریسٹورنٹ میں دیگر ہمارے اسپتال کے اور لوگ بھی موجود تھے جو آپس میں گپ شپ لگا رہے تھے۔ گوروں کی عادت تھی بات بات پر شرط لگانا، اس لیے ابھی سب مل کر کیوِن کے ساتھ شرط لگا بیٹھے تھے کہ وہ وسکی کے آٹھ گلاس ایک ہی سانس میں پی سکتا ہے۔ کیوِن صاحب نے چیلنج کو قبول کیا اور لگے جناب وسکی پر وسکی پینے۔ اُن لوگوں کے دیوانے پن سے بے خبر میں اپنی دھن میں بارٹینڈر کی ٹیبل پر گُم سُم بیٹھا تھا۔ ایسے میں نادیہ ہاتھ میں دو باربکن کی بوتلیں لے کر آئی اور میری برابر والی سیٹ پر بیٹھی۔

"Ah!.. it's so good to have cold Barbicans"

اس نے بیٹھتے ہوئے یہ جملے کہے مگر میں خاموشی سے بیٹھا ہوا ٹی وی دیکھتا رہا۔

''کیا بات ہے؟'' نادیہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے اُسے دیکھا۔

''کیا بات ہے؟'' نادیہ نے آنکھیں نکالیں۔

''کیا ہو گیا؟'' میں ہنس پڑا۔

''اتنے اُداس کیوں بیٹھے ہو؟ کیا سوچ رہے ہو؟''

نادیہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا اور میں مسکرا کر بولا:

''تم نے مجھے ناچتے گاتے کب دیکھا ہے؟''

''کبھی بھی نہیں!...... ہمیشہ یہی اُداس شکل لیے ہوئے ہوتے ہو...... لیکن آج کچھ زیادہ ہی اُداسی ہے چہرے پر......''

اس کی بات سن کر میں خاموش رہا، کہتا بھی کیا۔

''کم آن روحیل، تمھیں تو خوش ہونا چاہیے، اسپتال کے ڈائریکٹرز نے تمھاری تعریف میں قصیدے پڑھ دیئے، مسٹر اینڈ مسز پیٹرسن بھی بہت خوش ہیں، تم نے تو جیسے کارنامہ ہی انجام دے

دیا۔'' نادیہ نے مسکرا کر کہا۔

''شاید...... '' میرے منہ سے نکلا۔

''شاید نہیں یقیناً، ایک موٹا تازہ بچّہ پیدا کرنے میں تمھارا کارنامہ ہی تو ہے۔''

نادیہ نے ہنس کر کہا۔

''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے بچّہ میں نے ہی پیدا کیا ہے۔''

میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں خیر...... یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو تم انجام نہیں دے سکتے۔ یہ کام تم ہم عورتوں پر ہی چھوڑ دو تو زیادہ بہتر ہے......'' نادیہ نے مسکرا کر کہا اور میں ہنسنے لگا۔

''بھئی دیکھو، اس وقت ہم دونوں کسی اسپتال میں نہیں ہے اور نہ ہی ہم نوکری پر ہیں۔ تم میرے سینئر ہو اور نہ ہی میں تمھاری جونیئر۔ اس لیے کیا میں تم سے آج کچھ پوچھ سکتی ہوں؟'' نادیہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''جب سینئر جونیئر کی بات ہی نہیں رہی تو بے دھڑک پوچھو......''

میں نے مسکرا کر اُسے سوال پوچھنے کی اجازت دی۔

''تم پچھلے قریب ساڑھے تین سال سے یہاں ہو...... یہاں تمھارا گھر ہے...... مگر تمھارا کوئی رشتے دار نہیں ہے...... ہاں بس تمھاری خالا مارگریٹ ہیں لیکن وہ بھی اب بوڑھی ہو چکی ہیں...... اس کے سوا تمھارے پاس کوئی نہیں...... تمھارے پاس اپارٹمنٹ ہے...... مگر اُس میں کوئی گرل فرینڈ نہیں...... پیار سے بھرا دل ہے...... مگر کسی کے لیے پیار نہیں ہے...... میں جاننا چاہتی ہوں...... تم اس قدر اکیلے کیوں ہو؟''

نادیہ کہتی چلی گئی اور میں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ دو پل سر جھکائے رکھا...... اور اُسے دیکھ کر پوچھ بیٹھا:

''کس نے کہا کہ میں اکیلا ہوں؟''

''مجھ سے جھوٹ مت بولنا روحیل، تم تو اب اپنی خالہ کے پاس بھی کم جاتے ہو، تنہا رہتے ہو...... اور اُن بڑے بڑے چوہوں کے ساتھ خوش رہتے ہو جو تمھارے کچن سے کسی بھی وقت نکل آتے ہیں۔'' نادیہ نے منہ بنا کر کہا اور میں مسکرانے لگا:

''جب چو ہے ہیں تو بس پھر کس بات کا غم ہے؟''

''بتاؤ نا...... کچھ اپنے بارے میں بتاؤ...... تمھاری کوئی فیملی بھی ہے؟''

نادیہ جھنجلاہٹ کے عالم میں پوچھتی گئی اور میں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ایک نظر اُسے دیکھا اور دھیرے سے سر ہلا کر کہا:

''ہاں......میری فیملی ہے......''

''پر کہاں ہیں سب؟......کدھر ہیں؟......کون کون ہے تمھاری فیملی میں؟''

نادیہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''سب پاکستان میں ہیں۔''میں نے مختصر جواب دیا۔

''وہ تو مجھے بھی اندازہ ہے...... پر بابا...... مجھے تھوڑا تفصیل سے بتاؤ، کون ہو تم؟ کہاں رہتے ہو تم؟ تمھارے والدین کون ہیں؟''نادیہ نے تنگ آ کر پوچھا۔

''رشتہ کر رہی ہو مجھ سے؟''میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''اب میں اتنی بے عقل نہیں کہ ایک ڈاکٹر کی بیوی بن جاؤں، میں ایک ہی کافی ہوں......''نادیہ نے مسکرا کر کہا اور میں ہنسنے لگا۔کچھ سوچ کر میں نے اس کا چہرہ دیکھا اور کہا:

''رُکو......میں تمھیں کچھ دکھاتا ہوں......''

یہ کہہ کر میں نے اپنا فون نکالا اور اُسے کھولنے لگا۔نادیہ بدستور مجھے دیکھتی رہی۔

''یہ دیکھو......''

میں نے دھیرے سے تصویر اس کے آگے کی اور نادیہ نے تصویر دیکھی، یہ ایک خاندان کی تصویر تھی۔سب ہی کے چہرے پر خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔

''یہ کون لوگ ہیں؟''نادیہ نے تصویر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ میری فیملی ہے، پاکستان میں......''میں نے مسکرا کر بتایا پھر سب کا تعارف کرانے لگا:

''یہ میری دادی ہیں شہناز بیگم، اور ان کے ساتھ جو موجود ہیں وہ میرے تایا ہیں، پاکستان کے مشہور ڈاکٹر۔ڈاکٹر مظہر حسین۔انتقال ہو گیا ہے ان کا......''

''اوہ......اوکے......''نادیہ نے انٹرسٹ لے کر کہا۔

''میں انہیں ابا ہی کہہ کر پُکارتا تھا۔بہت ہی نامور ڈاکٹر تھے۔میڈیکل فیلڈ میں میں ہمیشہ

اپنے ابا کو کاپی کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں، مگر ہر بار ناکام ہو جاتا ہوں، جس طرح وہ مریض کا علاج کیا کرتے تھے، کاش کہ ویسا ہنر میرے پاس آ جائے۔ سچ ہے کہ اُن جیسا کوئی نہیں ہوسکتا۔''میں نے مسکرا کر بتایا۔

''اور یہ کون ہیں؟''نادیہ نے اشتیاق کے ساتھ پوچھا۔

''میری تائی امی، مگر نہ تو وہ میرے لیے کبھی تائی بنیں......نہ میری امی......ہاں سوتیلی ماں ضرور بنیں۔''میں نے مسکرا کر بتایا اور نادیہ مجھے تکنے لگی۔

''کیا ہوا؟''میں نے ہنس کر پوچھا۔

''کچھ نہیں......بس یہ دیکھ رہی ہوں کہ تمھاری تائی امی شکل سے ہی کھڑوس لگ رہی ہیں۔''نادیہ نے واپس تصویر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس میں کیا شک ہے۔''

میں نے مسکرا کر کہا پھر اگلی تصویر نکالی۔ نادیہ نے دیکھا یہ ایک خوبصورت نوجوان اور پیاری سی ایک لڑکی کی تصویر تھی۔

''یہ دیکھو...... یہ ہے سائرہ۔ میری تایا زاد بہن۔ اس کے ساتھ اس کا شوہر موجود ہے، جمشید۔ دونوں کی نوک جھونک ہماری ناک میں دم کیے رکھتی ہے۔ لیکن ایک دوسرے سے بے حد محبت ہے انہیں۔''

''نائس۔''

نادیہ کے منھ سے خوشی کے عالم میں نکلا اور میں نے تصویر تبدیل کی تو کُرتا شلوار میں ایک صاحب نظر آئے جو کندھے پر کپڑا ڈالے کھڑے تھے۔

''یہ خان بابا ہیں......گھر کی رکھوالی انھیں کے ذمے ہے......بچپن سے ہی ہم ان کو دیکھتے آ رہے ہیں......اور یہ بچپن سے ہی اتنے بوڑھے ہیں...... میں نے انہیں جوان کبھی بھی نہیں دیکھا......''

میں نے مسکرا کر بتایا اور نادیہ خوشی سے ان کی تصویر دیکھنے لگی۔

میں نے تصویر بدلی تو نادیہ نے دیکھا، یہ ایک خوبصورت نوجوان کی تصویر ہے جو موٹر سائکل پر بڑے ہی ٹشن سے بیٹھا ہے۔ لمبے بال، ہلکی ہلکی داڑھی اور مضبوط جسم۔

''واؤ!...... یہ ہینڈسم کون ہے؟'' نادیہ نے فدا ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میرا تایا زاد بھائی، ڈاکٹر اظہر۔ کہنے کہ ہم تایا زاد ہیں لیکن سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر۔ مجھے پتا ہے وہ ناراض ہے مجھ سے۔ ساڑھے تین سال ہو گئے...... کچھ کہے...... کچھ سُنے...... کافی لمبا عرصہ ہے......'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہی سوال میں تم سے کرنا چاہتی ہوں۔'' نادیہ نے مجھے دیکھ کر کہا، پھر کہنے لگی:

''کیوں؟...... کیوں یہاں اکیلے ہو؟...... تمھاری اتنی حسین فیملی ہے پھر یہاں اکیلے کیا کر رہے ہو؟''

نادیہ نے حیران ہو کر پوچھا اور میں اس کے سوال پر خاموش ہو گیا۔ اس سے آگے میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ کہتا بھی کیا، جواب بھی کیا دیتا؟ اس سوال کا جواب ایک لائن کا ہو نہیں سکتا تھا...... ایک داستان موجود ہے اس سوال کے پیچھے۔ ایک ہی پل میں میرے کانوں میں وہی الفاظ واپس گُونجنے لگے...... جب کسی نے مجھ سے کہا:

'''' اگر آپ کو ذرا سا بھی میرا خیال ہے...... تو پلیز...... آج رات ہی آپ یہ شہر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے جائیں...... میں آپ کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے...... نہیں جی سکتی۔''

یہ الفاظ میرے کانوں میں گُونج رہے تھے اور میں سکتے میں آ گیا۔ آج بھی وہ آواز...... وہ الفاظ میرا دل چیر جاتے تھے...... مگر میں خون کے گھونٹ پینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔

نادیہ نے چونک کر میرے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھی تو حیران رہ گئی۔

''روحیل؟...... روحیل؟'' نادیہ نے میرا شانہ تھام کر پوچھا۔

''ہاں؟......'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''کیا ہوا؟'' نادیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کچھ نہیں...... کچھ نہیں......''

میں نے سرد آہ لی اور تصویر بدلی۔ دوسرے ہی لمحے میں دھک سے رہ گیا۔ جو تصویر سامنے آئی تھی اس کی توقع مجھے نہیں تھی۔ نادیہ نے دیکھا یہ ایک انتہائی خوبصورت لڑکی کی تصویر تھی جو تصویر میں مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ شاید اس دُنیا کی سب سے حسین مسکراہٹ تھی۔

''یہ حسینہ کون ہیں؟''

نادیہ نے تصویر کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور میں سکتے کے عالم میں تصویر دیکھنے لگا۔میری نظریں اُس لڑکی پر ٹکی تھیں جس کے چہرے پر مسرت ہی مسرت تھی۔خوشی ہی خوشی تھی۔میں خاموشی سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔

نادیہ اس بار غور سے مجھ کو دیکھنے لگی، میں اس لمحے کسی دوسری دنیا میں ہی موجود تھا، جہاں صرف میں اور میری یادیں تھیں۔

''روحیل؟......کیا بات ہے؟......تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتے؟''

نادیہ نے پریشان ہوکر پوچھا اور میں خاموش رہا، کہنے کے لیے میرے پاس کچھ نہ تھا۔

''دوست کہا ہے نا؟......تو دوستی پر یقین رکھو......پلیز بتاؤ......کیا بات ہے؟''

نادیہ نے میرے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا اور میں واپس اُن یادوں میں کھو گیا جہاں سے کبھی بھاگ آیا تھا۔شاید خود سے،شاید زندگی سے،شاید اپنوں سے۔

ہارے دل کے ساتھ میں نادیہ کو دیکھ کر اتنا کہہ سکا:

''کیا بتاؤں تمھیں نادیہ......کن یادوں کی بات کر رہی ہو تم مجھ سے؟......وہ جو میری کبھی تھی ہی نہیں؟......میرے خالی دامن میں تمھیں تنہائیوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔''

''انھیں تنہائیوں کو سمجھنے والوں کو شاید......دوست کہتے ہیں......''

نادیہ نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور میں اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگا۔میں جانتا تھا نادیہ میرے جملوں کی منتظر ہے اور وہ سُننے کے لیے بیتاب ہے۔اپنی داستاں دوہرانے کی ہمّت مجھ میں نہیں تھی، لیکن اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اگر کچھ یاد کرلیا جائے تو حرج ہی کیا ہے۔اس لیے میں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنا شروع کیا:

''ٹھیک ہے......میں تمھیں سب کچھ بتاتا ہوں......سب کچھ......''

نادیہ میرا چہرہ تکنے لگی۔

☆......☆

Karachi - Sindh - Islamic republic of Pakistan

کراچی ۔ایک ایسا شہر۔ جہاں میرے اپنے موجود تھے۔لیکن اُن سے دُور ہونا، میرا نصیب تھا۔کراچی میں میری دادی، شہناز بیگم نے اپنے شوہر یعنی میرے دادا کے سپنے کو پُورا کیا اور اپنے دونوں بیٹوں کو ڈاکٹر بنایا۔اپنی بیٹی تحسین کی شادی ایک بھلے مانس سے کی مگر یہاں کہانی دو بھائیوں کے درمیان میں چلی ہے، ڈاکٹر مظہر حسین اور ڈاکٹر مظاہر حسین۔مظہر حسین بڑے اور مظاہر چھوٹے۔میرے تایا مظہر حسین کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی۔اظہر اور سائرہ۔جب کہ میرے والد ڈاکٹر مظاہر حسین نے نیویارک میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کی اور وہاں ہی انگریز عورت سے شادی کر لی۔جولیانا نام تھا میری والدہ کا، وہ بے حد حسین تھیں۔آنٹی مارگریٹ مجھے اکثر بتاتی ہیں، شادی کے دن میری والدہ کس قدر خوش تھیں۔میری والدہ ایک انگریز خاتون تھیں، یہ بات پاکستان میں گھر کے کچھ فرد نے خلوص دل سے قبول کی اور کچھ نے اعتراض اُٹھایا۔میری دادی اور میرے تایا جانتے تھے کہ میری ماں کے دل میں کس قدر انسانیت ہے۔مگر میری تائی نے رنگ اور نسل کو بیچ کی دیوار بنائے رکھا۔

میرے والدین پاکستان میں سب کے ساتھ رہنے لگے، پہلے ہی سال میری ولادت ہوئی اور میں نے اس جہاں میں آنکھیں کھولیں۔میری ماں نے بڑے پیار سے میرا نام روحیل رکھا۔

میری پیدائش کے کچھ ہی مہینوں بعد میرے والدین کو ضروری کام سے امریکا جانا پڑا، ویزہ کے حصول میں کچھ مسائل درپیش تھے اس لیے میری والدہ نے مجھے میری دادی کی گود میں دے دیا اور والد کا ہاتھ تھام کر روانہ ہوئیں اُس سفر پر...... جہاں سے پلٹ کر وہ کبھی

واپس نہیں آسکے۔

میرے والدین ہوائی جہاز کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ میں بہت چھوٹا تھا، اس قدر کہ مجھے اپنے والدین کا چہرہ تک یاد نہ تھا۔ اب میرا سب کچھ میرے تایا ہی تھے۔ میں اُس وقت دو سال کا تھا، اظہر تین سال کا۔ میں اور اظہر بالکل سگے بھائیوں کی طرح رہے، مگر میری تائی نے مجھے کبھی اپنا نہ سمجھا اور ہمیشہ مجھ میں اور اپنوں میں فرق رکھا۔ میں نہیں جانتا کہ مجھ سے نفرت کی وجہ کیا ہے، شاید یہ نفرت مجھ سے نہیں میرے والد سے چلی آرہی تھی جنھوں نے بلاتفریق محبت کی شادی کی اور ایک امریکن عورت کو اپنا جیون ساتھی بنایا۔ میں نے اپنے تایا سے سُنا ہے کہ میرے والد اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ میری ماں امریکن تھی اس لیے میں پیدائشی امریکن ہوں، مگر میری پرورش تایا اور میری دادی نے پاکستان ہی میں کی۔ دادی، اظہر اور تایا جان جنھیں میں ابا کہہ کر پُکارتا ہوں کبھی مجھے غیر نا سمجھا۔ ابا نے کبھی مجھ میں اور اظہر میں فرق نا رکھا، ہم دونوں کو ایک ہی اسکول میں پڑھایا، ہمارے کپڑے، جوتے، کھلونے، سب کچھ ایک جیسے۔ کبھی اگر اسکول میں شرارتی بچّے میری پٹائی کرنے لگتے، تو اظہر انہیں مار مار کو ادھ موا کر دیتا، اور یہی جذبات میرے دل میں اظہر کے لیے ہوتے جب کوئی اُسے کچھ کہتا تو میں اُن لڑکوں کو نا چھوڑتا۔ اظہر نے مجھے سگے بھائیوں کی طرح پیار کیا۔ جلد ہی سائرہ نے جنم لیا اور مجھے لگا کہ مجھے چھوٹی بہن مل گئی ہے۔ مگر تائی امی نے یہاں بھی فرق رکھا۔ بہن وہ اظہر کی تھی، میرے لیے بس ایک تایا زاد......خیر......

دن گزرتے چلے گئے اور ہم دونوں ڈاکٹر بنے، یہ بات مجھے ماننی پڑے گی کہ اظہر مجھ سے کہیں زیادہ اچھا ڈاکٹر ہے، مگر تائی امی جنھیں میں صرف امی کہتا ہوں، یہ بات ہمیشہ ثابت کرنے پر تلی رہتی کہ اظہر مجھ سے کئی گنا بہتر ہے۔ کچھ ہی دن بعد ہم نے سائرہ کی شادی دھوم دھام سے کر دی، اس کا شوہر بھی Pediatrician ڈاکٹر ہے۔ We're Fine Doctor Family

میرا گھر میرے لیے سب کچھ تھا، میں اپنے گھر کے لیے ہمیشہ اچھا کرنا چاہتا تھا اور میری کوشش یہی رہی کہ میری کسی بات سے کسی کو تکلیف نا پہنچے۔ یہ اور بات ہے کہ امی بعض اوقات جان بوجھ کر مجھے تکلیف دیا کرتیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد میری پوسٹنگ ابا ہی کے اسپتال میں ہوگئی۔ کراچی میں میرا ابا کا بہت بڑا اسپتال تھا، جہاں دیگر نئے ڈاکٹر ہاؤس جاب کرنے کے لیے بیتاب رہتے تھے۔ ہمارے اسپتال کا نام ''سہارا

اسپتال‘‘ تھا۔ کہنے کو یہ ایک اسپتال تھا مگر ابا کے لیے کسی مندر سے کم نہیں تھا۔ وہ اپنے اسپتال سے دل و جان سے محبت کرتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ ان کے بیٹے ڈاکٹر اظہر اور ڈاکٹر روحیل سہارا اسپتال کو کبھی بے سہارا نہیں ہونے دیں گے۔

ہم دونوں بھائی دل لگا کر کام کرنے لگے۔ میری اچھی کارکردگی کے سبب جلد ہی مجھے میری اپنی او پی ڈی ملی اور میں مریضوں کو دیکھنے لگا۔ شروع شروع میں کام بورنگ لگا، مشکل اس وجہ سے بھی ہوا کیوں کہ میرے سینئر کوئی اور نہیں میرے ابا ڈاکٹر مظہر اور میرا بھائی ڈاکٹر اظہر تھے، ویسے تو میں بہت سے کھڑوس ڈاکٹروں کے ساتھ کام کر چکا ہوں مگر اپنے ہی ابا کے ساتھ کام کرنا زیادہ مشکل تھا، کیوں کہ وہ غلطی پر رعایت نہیں کرتے تھے۔ بار بار میری غلطیوں پر اظہر میری مدد نہ کرتا تو میرا کام تو کب کا تمام ہو چکا ہوتا۔ کراچی ویسے ہی ایک بے ہنگم شہر ہے اور ہمارا اسپتال تھا بھی ناظم آباد میں جہاں زندگی عام طور پر مصروف ہی رہتی تھی۔ اسی مصروف زندگی سے نکل کر اپنے کام پر فوکس رکھنا میرے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں تھا۔ رہی سہی کسر میری تائی نے پُوری کر دی۔

دو ہزار گز پر مشتمل ہمارا شاندار مکان تھا۔ کئی کمرے، ہال، گارڈن ایریا، ٹیرس اور کئی گاڑیاں موجود تھیں۔ پُورے علاقے میں ہمارا مکان سب سے حسین تھا۔ اس میں بسنے والوں کے لیے یہ ایک پیار بھرا گھر تھا، مگر مجھے اس مکان میں کبھی بسنے نہیں دیا گیا...... میرے لیے میرا گھر......بس ایک مکان ہی رہا۔

ایک روز میں صبح ہی صبح تیار ہو کے سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ رہا تھا۔ آج شام کو ابا اور امی کی شادی کی سالگرہ تھی اس لیے گھر میں دعوت کا اہتمام تھا۔ کالی پینٹ، سفید شرٹ، نیلی ٹائی اور ہاتھ میں سٹیتھوسکوپ (دل کی دھڑکن سُننے کا آلہ: Stethoscope.) کے ساتھ نیچے آیا تو کافی حد تک معقول ڈاکٹر محسوس ہوا۔ لیکن سچ پوچھو تو ابھی بھی مجھے پروفیشنل ہونے میں کچھ وقت درکار تھا۔

میں سیدھا کچن میں آیا تو امی کو ناشتا بناتے ہوئے پایا۔ لال رنگ کی ساڑھی اور بالوں میں جوڑا باندھ کر وہ دیگر نوکروں کے ساتھ ناشتا بنانے میں مصروف تھیں۔ ایک طرف خان بابا بھی برتن نکال کر ٹیبل پر رکھنے میں مصروف تھے۔ تائی امی کے کرخت چہرے کی وجہ سے ان کی شخصیت سے پیار کم اور ڈر زیادہ لگنے لگتا تھا (مجھے تو خیر کچھ زیادہ ہی ڈر لگتا تھا)۔

’’السلام علیکم امی!‘‘

میرا اسلام سن کر انھوں نے مجھے پلٹ کے ایک نظر دیکھا اور خشک لہجے میں جواب دیا:
''وعلیکم السلام......!''
میں جانتا تھا کہ وہ اس وقت اظہر کے لیے ناشتا تیار کر رہی ہیں، اس لیے مزید ان کے کام میں خلل پیدا کرنا مناسب نا سمجھا۔ میں کچن میں آیا اور فرج کھول کر اپنے ٹھنڈے Ovaltine کو ڈھونڈنے لگا، مگر کافی نظر دوڑانے کے باوجود مجھے میرا اولٹین نہیں ملا۔
''امی میرا اولٹین کہاں رکھا ہے؟'' میں نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔
''یہیں کہیں ہوگا۔'' امی نے گول مول جواب دیا۔
''آپ نے میرا اولٹین بنایا نہیں؟'' میں نے پلٹ کر پوچھا۔
''ہاں شاید میں بھول گئی......سوری بیٹا، تم شام میں آ کر پی لینا۔''
امی نے لاپروائی سے جواب دیا اور میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا، کیوں کہ اس لمحے وہ مزے سے اظہر کے لیے ناشتا تیار کر رہی تھیں مگر میرا ایک دودھ کا گلاس بنانا وہ بھول چکی تھیں۔
''بیگم صاحبہ ٹیبل پر ناشتا لگا دوں؟'' خان بابا نے پلٹ کر اُن سے پوچھا۔
''ہاں خان بابا لگا دیں......اس سے پہلے ناشتا ٹھنڈا ہو، ورنہ یہ باپ بیٹے بھوکے ہی اسپتال کے لیے چلے جائیں گے۔'' امی نے فکر مند ہو کر کہا اور خان بابا چلے گئے۔
''امی، میں چلتا ہوں۔''
میں نے نرم لہجے میں یہ جملے کہے لیکن امی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میں سر جھکا کر کچن سے باہر چلا آیا۔ اب میرے قدم گارڈن کی طرف بڑھ رہے تھے، جہاں ابا مزے سے بیٹھے ہوئے اخبار کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے۔ خوبصورت پھول، پودے اور ہلکی ہلکی صبح کی گرمی نے ماحول حسین بنایا ہوا تھا۔ میرے تایا ڈاکٹر مظہر سڈول جسم، کلین شیو اور سر پر ہلکے ہلکے سفید بالوں کے ساتھ ایک پُروقار شخصیت کے مالک تھے۔ مجھ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آج بھی شہر کی کئی لیڈی ڈاکٹرز تایا پر جان دیتی تھیں۔
''گُڈ مارننگ ابا......''
میں نے انھیں دیکھ کر سلام کیا اور انھوں نے میری طرف مسکرا کر دیکھا:
''گُڈ مارننگ......کیا بات ہے؟ اسپتال ابھی سے جا رہے ہو؟''

”جی ابا۔“ میں نے جواب دیا۔

”آج بھی اولٹین نہیں ملا؟“ ابا نے ہنس کر پوچھا اور میں ان کے ساتھ ہنس پڑا:

”جانے دیں ابا......اولٹین زندگی تو نہیں ہے نا۔“

میری بات سن کر وہ ہنس پڑے اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے سامنے والی کُرسی پر بیٹھا۔

”تمھیں اسپتال میں تکلیف تو نہیں ہو رہی؟“ انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں ابا، بس میرے ایک سینئر ہیں ڈاکٹر مظہر، وہ تھوڑے سخت ہیں، مگر ویسے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔“

میں نے مسکرا کر طنز کیا اور ابا ہنس پڑے:

”ایک اچھا ڈاکٹر بننے کے لیے یہ سب باتیں برداشت کرنی ہوں گی روحیل، ابھی تو شروعات ہے، آہستہ آہستہ تمھیں تجربہ ہوتا چلا جائے گا۔“

”اور میں چاہتا بھی ہوں کہ ایسا ہو، میں آپ جیسا بننا چاہتا ہوں ابا......“

میں نے انھیں دیکھ کے مسکرا کر کہا۔

"And one day, you will be my son" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

”خیر میں چلتا ہوں، آپ اسپتال آرہے ہیں؟“ میں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں میں دوپہر کو چکّر لگاؤں گا، تم زرا واپس جلدی آنا، آج گھر میں دعوت ہے اور بہت سارا کام ہے، یاد رکھنا ہم تمھارے بغیر کیک نہیں کاٹیں گے۔“

انھوں نے مجھے دیکھ کر سمجھایا اور میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ایسے میں امی ناشتے کی ٹرے لے کر ڈائننگ ٹیبل پر آئیں اور ہانک لگائی:

”بیٹا اظہر!! جلدی آجاؤ چندا......ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

”آیا امی......“ اوپر سے اظہر کی آواز آئی۔

”میں چلتا ہوں ابا۔“ میں نے اپنے تایا کو دیکھ کر کہا۔

”ہاں تم جاؤ، ناظم آباد پہنچنے میں بھی دیر لگے گی تمھیں، اور سُنو...... گاڑی دھیان سے چلانا۔“ ابا نے مجھے دیکھ کر کہا۔

’’جی بالکل۔‘‘میں نے پیار سے کہا اور پلٹ کر اپنی تائی سے مخاطب ہوا:

’’اچھا امی......خدا حافظ!‘‘

’’خدا حافظ!‘‘

امی نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور میں چلتا چلا گیا۔میں جانتا تھا اس لمحے میرے ابا مجھے بڑی حسرت سے دیکھ رہے تھے، میرے ساتھ جو ہو رہا تھا وہ انھیں ایک آنکھ پسند نہ تھا مگر خون کے گھونٹ پی کر وہ سہہ جاتے تھے۔میرے جانے کے بعد وہ ڈائننگ ٹیبل پر آئے۔کُرسی گھسیٹ کر اُس پہ بیٹھتے ہوئے کہہ اٹھے:

’’شاہین......تھوڑا مسکرا کر جواب دیدو اُسے تو تمھارا کیا چلا جائے گا؟‘‘

’’ارے!!......میں نے کیا کیا؟......صرف ایک اوولٹین بنانا بھول گئی تو آپ نے مجھے طعنے دینا شروع کر دیئے!!......‘‘ شاہین بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

’’میں اوولٹین کی بات نہیں کر رہا شاہین......‘‘مظہر صاحب نے منھ بنا کر اخبار کھولا۔

’’میں سب سمجھتی ہوں، میں نے اُسے پیار سے کہا کہ بیٹا میں بھول گئی تمھیں شام کو بنا کر دے دوں گی،مگر وہ ہمیشہ میری پیٹھ پیچھے آپ سے باتیں کرتا ہے۔بالکل اپنی ماں کی خصلتیں آئی ہیں اس میں۔‘‘شاہین بیگم نے جل کر کہا۔

’’اُس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا اس بارے میں۔میں نے اس بات کو ابھی نوٹس کیا ہے کہ اس کے سلام کا جواب بھی صحیح سے نہیں دیتیں۔اور سچ ہے تم اکثر اس کا اوولٹین بھول جاتی ہو، وہ بچارہ تو ناشتا تک کر کے نہیں جاتا......اگر اُسے چاکلیٹ ملک ٹائم پر دے دو......تو کیا چلا جائے گا تمھارا......؟‘‘مظہر صاحب کہتے چلے گئے۔

’’اس گھر میں سب کی آنکھوں میں میں ہی کھٹکتی ہوں، میری ہی ہر بات سب کو بُری لگتی ہے......‘‘شاہین بیگم نے جل کر یہ جملے کہے اور مظہر صاحب نے خاموشی کو ہی بہتر سمجھا۔

’’میری جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو پتا چلتا آپ کو۔کوئی بھی عورت کسی یتیم بچّے کو اس طرح نہیں پال سکتی جس طرح میں نے پالا ہے۔‘‘شاہین بیگم نے جل کر کہا۔

’’شاہین......‘‘

اچانک شہناز بیگم کی خشک آواز سن کر دونوں نے چونک کر انھیں دیکھا۔شاہین بیگم کا

رنگ زرد پڑ گیا، اس گھر میں اگر کسی کا حکم چلتا تھا تو وہ شہناز بیگم کا۔ اعلیٰ قسم کی ساڑھی، ہاتھ میں چھڑی تھی۔ سختی ان کے چہرے پر بھی موجود تھی مگر ان کے فیصلے حق کے ساتھ تھے، اس لیے ان کے انصاف سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ اگر کوئی ان کے انصاف کے بوجھ تلے دبتا تھا وہ تائی امی۔

"شاہین...... اس بات کو یاد رکھو...... روحیل کوئی یتیم نہیں...... میرا پوتا ہے...... اور اُسے پالنے کی ذمہ داری تمھاری نہیں...... میری ہے.......... اس کے اسکول سے لے کر...... اس کے گھر کے چھوٹے سے چھوٹے کام...... میں نے خود کیے ہیں.......... تمھیں تو کبھی اظہر اور سائرہ سے فرصت نہیں رہی......تو پھر کس بات کی پریشانی ہے تمھیں روحیل سے؟"

شہناز بیگم کی سخت آواز سن کر شاہین بیگم نے سر جھکا لیا جب کہ مظہر صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

"میرا پوتا...... میرے بیٹے مظاہر کی نشانی ہے...... اور اس کی جیتی جاگتی شبیہ ہے...... میں اپنے بیٹے کی شبیہ کو...... مٹتے ہوئے کبھی نہیں دیکھ سکتی...... اس لیے بہتر ہے...... تم آئندہ سے خیال رکھو......" شہناز بیگم نے خشک لہجے میں انھیں دیکھ کر کہا۔

"ٹک ٹک!...... اگر پارلیمنٹ کا ماحول صحیح ہوگیا ہو تو کیا ہم اندر آجائیں؟"

مرکزی دروازے سے سائرہ کی کھنکتی آواز نے سب کو چونکنے پر مجبور کیا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ دروازے پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ دبلی پتلی، کمر تک بال کھلے، گورا رنگ اور معصوم سی مسکراتی سائرہ ہر ایک کا دل جیت لیتی تھی۔

"ارے واہ...... صبح ہی صبح آکر تم نے بہت اچھا کیا سائرہ۔" مظہر صاحب نے مسکرا کر اپنی اکلوتی بیٹی کو دیکھا۔

"میں تو ہمیشہ ہی اچھا کرتی ہوں ابا لیکن ماحول مجھے کچھ ناسازگار لگ رہا ہے۔ لگتا ہے انڈیا اور پاکستان کے درمیان میں پھر سے جنگ چھڑی ہوئی ہے۔"

سائرہ نے مزے سے اپنی دادی اور ماں کو دیکھ کر یہ جملے کہے۔

"مسئلہ کشمیر جو حل نہیں ہو رہا۔"

شاہین بیگم نے جل کر یہ جملے کہے اور سب ہنس پڑے۔

"السلام علیکم......السلام علیکم......!"

جمشید گرتا پڑتا گھر کے اندر آیا۔اس وقت اس کے ہاتھ میں کئی بیگ تھے۔لمبا پتلا دُبلا نوجوان اور سر پر گھنے بال۔چہرہ خوبصورت اور حد درجے پریشان رہتا تھا۔

"ارے ارے ارے ڈاکٹر صاحب زرا خیال سے، ہڈی وڈی ٹوٹ گئی تو مریضوں کے ساتھ رہنا پڑے گا۔" مظہر صاحب نے کہا۔

"ابا جان، شادی بھلے ہی ڈاکٹر کی کیوں نا ہو،مگر شادی کے بعد وہ بھی مریض ہو ہی جاتا ہے۔" جمشید نے کمر پکڑ کر کہا اور مظہر صاحب ہنسنے لگے۔

"مگر یہ بیگ ہیں کس کے؟" شہناز بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ دعوت ہے نا اس لیے۔" سائرہ نے ایک دم سے کہا۔

"دعوت ہے تو بیگ کی کیا ضرورت ہے؟" شہناز بیگم نے الجھ کر پوچھا۔

"یہ تو آپ کی پوتی ہی صحیح سے سمجھا سکتی ہیں دادی جان۔" جمشید نے کمر پکڑ کر کہا۔

"سائرہ......تم پھر سے رہنے کے لیے آ گئیں؟ میں نے سمجھایا تھا نا کہ بیٹی کا اصل گھر سُسرال ہوتا ہے۔" شہناز بیگم نے اپنی پوتی کو دیکھ کر کہا۔

"وہ......اہمم......دادی وہ......"

سائرہ اٹکنے لگی تو شاہین بیگم نے اُکھڑے ہوئے لہجے میں کہا:

"اسے میں نے بُلایا ہے، دن بھر کام کاج کرنے میں مجھے دقتیں ہوتی ہیں، گھر کے مرد تو ڈاکٹری کرنے نکل پڑتے ہیں میں اکیلی رہ جاتی ہوں۔"

"ارے تو ہماری لاڈلی کون سا یہاں آ کر کام کرتی ہے۔" شہناز بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

"دادی......ایسا تو نا کہیں۔" سائرہ ناراض ہو کر بولی۔

"کچھ نہیں کریگی، مگر کم از کم اولٹین ضرور بنا دے گی۔"

شاہین بیگم نے جلے ہوئے لہجے میں کڑوی بات کہی اور وہاں سے چل دیں۔ان کی بات سن کر سب ہی خاموش ہو گئے۔اپنی والدہ کی طرف سے بہترین جواب سن کر سائرہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔میرے موقف پر سائرہ ہمیشہ سے تائی امی کے ساتھ تھی، البتہ جمشید نے ادھر اُدھر آنکھیں چلائیں اور ایک دم سے خشک مزاج ہو کر کہنے لگا:

''اور ابا او پی ڈی کیسی چل رہی ہے؟''
''کیا؟'' مظہر صاحب چونکے۔
''مم مم میرا مطلب میری او پی ڈی کیسی چل رہی ہے؟'' جمشید نے گڑبڑا کر پوچھا۔
''تمھاری او پی ڈی کیسی چل رہی ہے یہ تو تمھیں ہی پتا ہوگا۔'' مظہر صاحب نے چڑ کر کہا۔
''اوہ ہاں، شکریہ آپ کے پوچھنے کا، ابا او پی ڈی بالکل صحیح جا رہی ہے، بس زرا محلے کی عورتیں بہت تنگ کرتی ہیں باقی سب کچھ ٹھیک ہے۔'' جمشید نے دانت نکال کر بتایا۔
''میں نے تو آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ واٹر پمپ سے اپنا کلینک شفٹ کرلیں......زیادہ بہتر ہے۔'' سائرہ نے چڑ کر کہا۔
''تم نہیں سمجھو گی سائرہ، یہ درمیانی طبقے کے لوگ زیادہ بیمار پڑتے ہیں، کلینک اچھا چل پڑتا ہے، بزنس اچھا ہوتا ہے......'' جمشید نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔
''جمشید ٹھیک کہہ رہا ہے سائرہ، مگر جمشید......''
شہناز بیگم نے یہ جملے کہے اور کہنا شروع کیا:
''بات صرف درمیانی اور اونچے طبقے کی نہیں ہے، انسانیت کی خاطر بھی یہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہمارا ہر ڈاکٹر اونچے علاقوں میں، بڑے اسپتالوں میں یا امریکا چلا جائے تو ہمارے دیس کے لوگ کیا کریں گے؟ کیا ہم اسی کام کے رہ گئے کہ ڈاکٹر بنا بنا کر دنیا بھر کی خدمت کرتے پھریں......ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے لوگوں کی خدمت کریں......''
شہناز بیگم کہتی چلی گئیں۔
''اب پتا چلا برخوردار کہ ہم امریکا کیوں نہیں جا سکے؟''
مظہر صاحب مسکرا کر جمشید کو دیکھ کر کہنے لگے۔
''سمجھ گیا سر، سمجھ گیا، یہ تو کافی Patriotic معاملہ ہے۔ دادی جان میں آپ کے ساتھ ہوں......'' جمشید نے سیلوٹ کر کے کہا۔
''ہاں Canadian Immigaration کے پیپرز نہ آنے تک......''
سیڑھیوں پر سے اظہر کی آواز نے سب کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔ لمبا، خوبصورت، گورا اور مسکراتے ہوئے چہرے کا مالک۔ ستائیس برس کا یہ خوبصورت نوجوان اس گھر کی دھڑکن

تھا، گھر کی ہر چھوٹی بڑی چیز کی ذمہ داری اظہر کے کاندھوں پر تھی، چاہے وہ گھر کے کام ہوں یا لبوں کی مسکراہٹ۔ اس لمحے وہ کالی پینٹ اور نیلی شرٹ میں تھا۔ کالر میں ٹائی اور ہاتھوں میں اسٹیتھوسکوپ تھاما ہوا تھا۔ شاہین بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور وہ غرور سے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگیں۔

''اہمم......ڈاکٹر اظہر کہیں آپ کو کسی نے غلط خبر تو نہیں دے دی؟'' جمشید نے گھبرا کر کہا۔

''بالکل نہیں ڈاکٹر جمشید بل کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کینیڈا کے لیے اپلائی کرُ چکے ہیں۔'' اظہر نے مسکرا کر قریب آتے ہوئے کہا۔

''نن......نہیں تو......'' سائرہ نے گھبرا کر کہا۔

''جمشید؟ سائرہ؟ تم لوگ کینیڈا جا رہے ہو؟'' شہناز بیگم نے گھُور کر دونوں کو دیکھا۔

''معافی دادی......'' جمشید اور سائرہ نے ایک ساتھ کان پکڑ کر کہا اور سب ہنس پڑے۔

''کتنی غلط بات ہے، تم چھے سال یہاں پڑھے، لکھے، ڈاکٹر بنے، اور خدمت کرنے کینیڈا جا رہے ہو؟'' شہناز بیگم نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''تو دادی روحیل بھائی بھی تو امریکن ہیں۔'' سائرہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''لیکن روحیل نوکری یہاں کرتا ہے، اپنے ملک کے لوگوں کو دیکھ رہا ہے۔''

شہناز بیگم نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''ہم بھی یہیں دیکھیں گے ان شاءاللہ۔'' جمشید ے گھبرا کر جواب دیا۔

''چھوڑیے نا دادی، ابھی تو ویسے بھی انھوں نے اپلائی کیا ہے، ویزا کب آتا ہے یہ تو بعد کی بات ہے۔''

اظہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا اور ان دونوں نے شکر کا سانس لیا۔

''چلو ٹھیک ہے مگر اب تم دونوں کی سزا یہ ہے کہ آج دعوت کا سارا کام تم دونوں نے سنبھالنا ہے۔'' شہناز بیگم نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ارے آپ بے فکر ہو جائیں دادی، ایسا سنبھال لیں گے کہ کیا کسی نے سنبھالا ہو گا۔'' جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں میں اس بیان میں جمشید کے ساتھ ہوں، گھر تو جلدی میں بھی آجاؤں گا پھر مل کر کام

کریں گے۔'' اظہر نے خوش ہو کر کہا۔

''اظہر آپ جلدی ضرور آئیں گے......مگر خبردار جو بائیک زیادہ تیز چلائی ......'' ڈاکٹر مظہر نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''ہاں نجانے اسے بائیک چلانے کا خبط کہاں سے لگا ہے، گھر میں چار چار گاڑیاں کھڑی ہیں مگر جناب بائیک چلاتے ہیں۔'' شہناز بیگم نے بھی جل کر کہا۔

''دادی جو مزا بائیک چلانے میں ہے، وہ گاڑی چلانے میں کہاں۔''

اظہر نے خوش ہو کر کہا۔

''پتا نہیں آپ کا یہ بائیک سے پیار کب ختم ہوگا، کبھی کبھی تو یہ اس قدر تیز چلاتے ہیں کہ مجھے بھی ڈر لگنے لگتا ہے۔'' سائرہ نے گھبرا کر کہا۔

''یاد نہیں سائرہ تمھاری شادی کے دنوں میں بائیک پر بٹھا کر کس قدر تیز چلائی تھی میں نے؟'' اظہر نے مسکرا کر اُسے یاد دلایا۔

''ارے اظہر بھائی!......خدا کے لیے بھیا نک یادیں یاد نہ دلائیں۔''

سائرہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ویسے کوئی خوش ہو یا نا ہو جمشید کے کینیڈا اپلائی کرنے پر، کم از کم میں تمھارے لیے بہت خوش ہوں، ہمارے روحیل کے پاس بھی تو امریکن پاسپورٹ ہے۔ اُسے تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔'' شاہین بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''روحیل امریکن ہے اس لیے کہ اس کی ماں امریکن تھی، امریکا اس کا دوسرا گھر ہے، کوئی پردیس نہیں......'' شہناز بیگم نے اپنی بہو کو دیکھ کر جواب دیا۔

''ہائے......کاش ہماری مائیں بھی امریکن ہوتیں۔''

اظہر نے دکھی انداز میں جمشید سے کہا۔

''ہاں یار......'' جمشید نے بھی غمگین انداز میں کہا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' شاہین بیگم نے آنکھیں نکالیں۔

''کچھ نہیں، کچھ نہیں......''

دونوں گھبرا کر سیدھے ہوئے اور سب ہنسنے لگے۔

البتہ شاہین بیگم منہ بنائے کھڑی تھیں۔

☆......☆

''جی کہیے اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

میں نے نوٹ پیڈ پر لکھتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھے مریض سے پوچھا۔ دوپہر کا وقت ہو چلا تھا اور مریضوں کی لائن لگی ہوئی تھی، کام کر کر کے میری کمر کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔

''ڈاکٹر صاب......سانس اکھڑتی جا رہی ہے...... بہت تکلیف ہے......'' مریض نے کھانستے ہوئے اپنا حال بتایا۔

''میں نے جو سیرپ لکھ کر دیا تھا آپ نے استعمال کیا؟'' میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی کیا تھا......آپ نے ایکس رے کے لیے بھی کہا تھا......وہ بھی لے کر آیا ہوں......'' مریض نے ایکس رے کا لفافہ دکھایا۔

''لائیے......''

میں نے ایکس رے مانگا اور اُس نے خاکی لفافہ میرے سامنے کیا۔ میں نے لفافہ لیا اور ایکس رے رپورٹ نکال کر لائیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے جیسے میں ایکس رے رپورٹ کو سمجھنے لگا ویسے ہی مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ مریض کے پھیپھڑے مکمل طور پر ختم ہو چکے تھے۔ سگریٹ کی وجہ سے دھواں دل کی طرف بیٹھ رہا تھا۔ اس شخص کے پاس صرف چند مہینے ہی تھے۔ میں واپس اس کی طرف پلٹا اور آنکھوں پر سے چشمہ اُتار کر کہنے لگا:

''مسٹر افتخار اہمم......میرے پاس آپ کے لیے کچھ اچھی خبر نہیں ہے۔''

میری یہ بات سن کر آدھی موت تو مسٹر افتخار کو ویسے ہی حاصل ہو گئی۔ آدھی موت کے بارے میں وہ ابھی بھی سُننا چاہتا تھا۔

''مسٹر افتخار...... بائیس سال کی تمباکو نوشی......آپ کو بہت خطرناک اسٹیج پر لے آئی ہے......آپ کے پھیپھڑے ختم ہو چکے ہیں اور......اور مجھے یقین ہے......کہ آپ کے دل میں بھی اب اس قدر طاقت نہیں ہے......کہ وہ کسی قسم کا آپریشن برداشت کر سکے......آئی ایم سوری مسٹر افتخار۔''

میں کہتا چلا گیا اور وہ سکتے کے عالم میں یہ سب کچھ سُنتا رہا۔

’’مجھے آپ سے ہمدردی ہے.....مگر افسوس نہیں.....افسوس کروں بھی تو کس بات کا......
تمباکونوشی ایک ایسا زہر ہے..... جسے آپ نے جانتے بوجھتے خود پیا ہے.....کاش کے آپ بہت
پہلےسنبھل جاتے۔‘‘

میں نے دکھی لہجے میں یہ جملے کہےاورافتخار کے چہرے پرناگواری چھاگئی۔

’’سگریٹ کی ہرڈبی پرلکھا ہوتا ہے کہ کینسر کس قدر جان لیوا ہوسکتا ہے.....مگر سب کچھ
جانتے ہوئےبھی آپ اس زہرکو پیتے گئے۔‘‘

میں نے اُسے دیکھ کرکہااوروہ مجھے تکنےلگا۔

’’اگر آج آپ کو اپنے پیاروں سے سچا پیار ہوتا.....تو شاید اس زہر کو لبوں سے کبھی نہیں
لگاتے.....کبھی نہیں.....‘‘میں نےٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’ٹھیک کہا آپ نے..... بالکل ٹھیک فرمایا.....ایک مرتے ہوئے انسان کواس سے اچھی
بات اور کہی بھی کیا جاسکتی ہے.....‘‘

مسٹرافتخار نے خشک لہجے میں کہااور میں دھک سے رہ گیا۔

’’آپ کوکُرسی کے اُس طرف بیٹھ کر.....صرف مشورہ دینا آتا ہے.....مگرنجانے.....خود
کتنے ہی زہرآپ بھی ہرروز پیتے ہیں..... میں نے سُنا ہے.....کہ آپ کو چاکلیٹ ملک بہت پسند
ہے.....کچھ وٹامن کے نام اس کے ڈبّے پر چپکا دیئے.....اوردنیانے اُسے Popeye - The
Sailor کا پالک سمجھ لیا..... یہ جانتے ہوئے بھی کہ میٹھا دودھ.....جسم میں صرف کولیسٹرول پیدا
کرتا ہے.....اورانسان کے دل کوآہستہ آہستہ مفلوج کرتا ہے.....مگرآپ بھی یہ زہر جانتے بوجھتے
پی رہے ہیں..... ہیں ناڈاکٹر؟‘‘

وہ خشک لہجے میں کہتا گیااور میں سکتے کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

’’آپ کے لیےاُس کُرسی پر بیٹھ کر بھاشن دینا کوئی مشکل بات نہیں ہے.....مشکل صرف
اُن لوگوں کے لیے ہے جو یہاں..... اس کُرسی پر بیٹھے ہیں..... کیوں کہ وہ ماتم آپ نہیں سُن سکتے
جو ہم مریض سُن سکتے ہیں..... مجھے ابھی سے سنائی دے رہی ہیں..... میری میّت پر.....اپنی بیوی
کی چیخیں..... مجھے سنائی دے رہی ہیں اپنے یتیم بچّوں کی بھوک..... مجھے سنائی دے رہی ہے اپنی
ماں کی سدائیں.....لیکن یہ آپ نہیں سُن سکتے.....آپ صرف اتنا کرسکتے ہیں کہ کُرسی پر بیٹھ کر کسی

سے یہ کہ دیں......کہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے مگر افسوس نہیں......''

مسٹر افتخار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میرا سر شرمندگی سے جھک گیا۔ جو اُس نے کہا تھا، وہ سب کچھ ٹھیک ہی تھا، شاید میں غلط وقت پر غلط جملوں کا استعمال کر گیا تھا۔

''چلتا ہوں......آپ کا اور میرا......اللہ حافظ......''

مسٹر افتخار نے آنکھوں سے آنسو پوچھ کر یہ جملے کہے اور اپنی ایکس رے رپورٹ لے کر چل دیا۔ میں خاموشی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔ پانچ سال کے ایم بی بی ایس، ہاؤس جاب اور پریکٹس میں میں نے بہت کچھ سیکھا تھا، مگر سب سے خاص بات نا سیکھ سکا کہ ایک مرتے ہوئے انسان سے کس طرح کلام کیا جاتا ہے۔ اس کا غصہ اپنی جگہ صحیح تھا۔

ایسے میں کمرے میں وسیم آیا ہے، میرا پھوپی زاد بھائی۔ وسیم نے انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی تھی، اسے ہماری طرح ڈاکٹری میں کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ تھا بھی ہم سے مختلف، کیوں کہ اُسے مسخرے پن کے سوا کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ بچپن ہی سے اس کی اور میری کافی بنتی تھی۔ ہماری یہ دوستی اگر زندہ تھی تو بس وسیم کے دم سے، کیوں کہ کئی مرتبہ میں وسیم کے فضول مذاق سے تپ جاتا تھا اور اُس کو جھڑک بھی دیا کرتا تھا، مگر وسیم نے کبھی میرا ساتھ نا چھوڑا۔

سر کے بال چپکے ہوئے، گھنی مونچھیں اور آنکھوں میں شوخی۔ سڈول جسم مگر ایک بہترین شخصیت کا مالک۔ اس لمحے بھی، مجھے وہ منھ بنا کر دیکھ رہا تھا جب کہ میں سکتے کے عالم میں اُس سے بے خبر بیٹھا تھا۔

''تمھارے یا تو پیٹ میں درد ہے یا تم نے آج صبح سے اپنا Bladder خالی نہیں کیا۔''

اس کی آواز سن کر میں نے چونک کر اُسے دیکھا:

''ابے تُو؟''

''ہاں میں......لیکن تُو، مجھے وہ نہیں لگ رہا جسے میں جانتا ہوں، صحیح بتا، پیٹ میں درد ہے کیا؟'' وسیم کہتا چلا گیا۔

''نہیں بھائی! میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''تو پھر تجھے پیار ہو گیا ہے۔'' وسیم نے اندر آتے ہی ایک نئی کہی۔

''پیار؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''اور نہیں تو کیا، اس قدر سڑی ہوئی شکل انسان تب ہی بنا تا ہے جب اُسے پیار ہو جا تا ہے، دیکھو تو زرا ہائے اس قدر پھٹکار آ گئی ہے چہرے پر کے مرا ہوا آدمی بھی دیکھ کر مر جائے۔'' وسیم عورتوں کی طرح کہتا چلا گیا۔

''کیا بکواس ہے۔'' میں چڑ کر بولا۔

''اوہو میں تو بھول ہی گیا تھا کہ یہاں تو LGBTQ والا معاملہ ہے! لڑکیاں تو تجھے پسند ہی نہیں آتیں۔ چل اب جلدی سے بتا کیا ہوا ہے؟''

وسیم نے ہاتھ چلا کر پوچھا اور میں گہرا سانس لے کر کہنے لگا:

''ابھی ابھی تم نے کسی شخص کو یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔''

میں نے کُرسی پر ٹیک لگا کر پوچھا۔

''ہاں وہ زندہ لاش؟، ہاں ہاں دیکھا تھا۔'' وسیم نے بھنویں چڑھا کر کہا۔

''ابھی تو وہ زندہ لاش ہے پر عنقریب سو فیصد لاش ہوگا۔ یہ بات میں نے اُسے کہی تو بدلے میں وہ مجھے لمبی چوڑی تقریر سُنا گیا۔ بس اُسی کی باتوں کو دل پر لیے بیٹھا ہوں۔'' میں نے اُداس لہجے میں کہا۔

''شکر کہ آج پہلی بار تم مامی سے ہٹ کر کسی اور کی بات بھی دل پر لیکر گئے......'' وسیم نے مسکرا کر کہا۔

''وسیم۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

''اچھا بھائی معافی، ویسے میں جانتا ہوں کہ مرتا ہوا انسان دو ہی چیزیں ڈاکٹر کے اوپر ڈال سکتا ہے، یا تو اپنی موت کی وجہ، یا اپنی جوان کنواری بیٹی۔ ویسے کنواری بیٹی کو ڈاکٹر کے اوپر ڈال دیا جائے یہ اتنی بُری بات تو نہیں ہے بشرط یہ ہے کہ بیٹی کا وزن پچاس کلو سے کم ہو۔''

وسیم نے شوخی سے یہ جملے کہے اور میں ہنس پڑا۔

''لو کر لو گل، ہماری سنجیدہ بات بھی جناب کو مذاق لگتی ہے۔'' وسیم نے چڑ کر کہا۔

''جوکر کے منھ سے کچھ بھی نکلے...... وہ مذاق ہی ہوتا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا بھائی صاحب ہم ٹھہرے جوکر، لیکن یہ تو بتاتے چلیں کہ آج دعوت میں ہم کب تک پہنچیں اور کیا پہن کر؟'' وسیم نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمھاری گرل فرینڈ نہیں ہوں، جو پہننا ہے پہن لو۔''میں نے مسکرا کر کہا۔

''بات سُنو جب تک میں اور تم کنوارے ہیں ہم ہی ایک دوسرے کے لیے گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ ہیں، کیوں کہ پیارے ہمارے نصیب میں تو ابھی تک لڑکی آئی نہیں، ہاں ویسے لڑکیاں بہت آئی ہیں پر شادی والی۔''وسیم نے مسکرا کر کہا۔

''یہی تو مسئلہ ہے، جب میڈکل کالج میں داخلہ ہو رہا تھا تو اظہر نے کہا تھا کہ پانچ سال تک لڑکیوں کا ساتھ مبارک ہو، میں نے سوچا کہ چلو یہاں آ کر ہمیں ہماری محبت مل ہی جائے گی، مگر مجھے اندازہ ہوا کہ محبت اتنی آسانی سے نہیں ہوتی......کئی خوبصورت لڑکیاں ساتھ پڑھتی رہیں...... مگر یہ محبت کسی سے نہ ہو سکی۔''میں نے مسکرا کر کہا۔

''محبت تم ڈاکٹروں کو مل بھی نہیں سکتی، کیوں کہ تم لوگوں کی آنکھ سے عورت کی خوب صورتی مٹ چکی ہے۔ایک عام انسان جب کسی ہیروئین کو دیکھتا ہے تو اس کے بدن کو دیکھ کر فدا ہوتا ہے۔لیکن اگر ڈاکٹر عورت کے جسم کو دیکھے تو یہی سوچ رہا ہوتا ہے کہ اس کی Pancrease کدھر ہیں اور Testicles کدھر ہیں۔''وسیم منھ بنا کر کہتا چلا گیا۔

"Excuse me, women do not have testicles, It's 100% officialy men's thing" میں نے مسکرا کر اُسے دیکھتے ہوئے صحیح کیا۔

''چلو Addam's Apple کی بات کر لیتے ہیں!۔''وسیم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''یہ بھی مردوں کا ہی آرگن ہے۔''میں نے ہنس کر بتایا۔

"Whatever"

وسیم بُرا سا منھ بنا کر بولا اور میں ہنسنے لگا۔

ایسے میں میرا چپراسی اندر داخل ہوا:

''ڈاکٹر روحیل آپ کو بڑے ڈاکٹر صاب بُلا رہے ہیں۔''

''او کے......''

میں کُرسی سے اٹھا تو میرے ساتھ وسیم بھی اٹھ کھڑا ہوا:

''شام کو جلدی آنے کی کوشش کرنا، میں نہیں چاہتا کہ ماما تمھارے بغیر ہی کیک کاٹ دیں، البتہ ان کی کوشش تو یہی ہو گی۔''

’’فکر نہ کرو، میں پہنچ جاؤں گا، لیکن تم کہاں چل دیے؟‘‘ میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
’’آفس جاؤں گا یار تم جا کر اپنے ماموں جان سے بات کرو۔‘‘ وسیم نے ہاتھ چلا کر کہا۔
’’چلو چل کر سلام تو کر لو، آفس کون سا بھاگا جا رہا ہے۔‘‘
میں نے اپنی ٹیبل کے پاس سے نکلتے ہوئے کہا۔
’’ہاں یہ آئیڈیا بھی ٹھیک ہے، چلو پھر۔‘‘
وسیم نے سنجیدگی سے کہا اور میں مسکرانے لگا۔
ہم دونوں لفٹ سے اوپر والے فلور پر پہنچے اور جلد ہی میں نے ابا کے آفس کے دروازے پر دستک دی۔
"Come In"
اندر سے ابا کی آواز آئی اور میں بے دھڑک دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔
میں نے ابا کو کُرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا جب کہ اظہر اور جمشید ٹیبل کے اردگرد کھڑے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔
’’آیئے آیئے...... آپ ہی کا انتظار تھا۔‘‘ اظہر نے مجھے دیکھ کر کہا۔
’’کبھی ہمارا بھی انتظار کر لیا کرو بے وفا انسان۔‘‘ وسیم نے منھ بنا کر کہا۔
’’آہو...... یہ تو وسیم صاحب بھی موجود ہیں۔‘‘ اظہر نے ہنس کر کہا۔
’’ہاں تمھاری واٹ لگانے کے لیے ہر دم موجود۔‘‘ وسیم نے بھی ہنس کر جواب دیا اور اظہر اور جمشید سے ہاتھ ملایا۔
’’اہم اہم......‘‘ ابا کھنکھارے اور وسیم نے چونک کر انھیں سلام کیا:
’’السلام علیکم ماموں جان!‘‘
’’جیتے رہو مگر یہ بتاؤ آج کل کہاں جی رہے ہو؟‘‘ ابا نے مسکرا کر پوچھا۔
’’ارے ابا یہ کہاں جی رہے ہوں گے، ہوگی نظر کسی حسینہ پر یقیناً۔‘‘ جمشید نے مسکرا کر کہا۔
’’یہ تو پُرانی باتیں ہیں، نئی بات یہ ہے کہ کچھ حسینائیں بھی اب ہم پر نظرِ ثانی کر رہی ہیں۔‘‘ وسیم نے اکڑ کر کہا۔
’’یار وسیم پلیز، دیکھو ہم لوگ بہت سنجیدہ لوگ ہیں، یہ اتنے بڑے مذاق ہم برداشت نہیں کر

پائیں گے......'' اظہر نے مستی میں کہا اور جمشید نے اس کے ہاتھ پر تالی ماری۔

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔'' وسیم نے جل کر کہا۔

''یار اظہر، تمھارے پاس دماغ درست کرنے والے ڈاکٹر نہیں ہیں کیا؟'' جمشید نے چونک کر اُس سے پوچھا۔

''ہاں ہیں، کیوں؟'' اظہر نے الجھ کر پوچھا۔

''مجھے لگ رہا ہے عنقریب تمھارے پاس ایک مریض دماغ کا مرض لے کر آنے والا ہے، ہائے ہائے ہائے......بچارہ بھری جوانی میں کھلی آنکھوں سے سپنے دیکھ رہا ہے۔''

جمشید نے ترس کھانے کی اداکاری کی اور وسیم کی ٹانگ کھینچی۔اس لمحے میں اور اظہر ہنسنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

''دیکھ رہے ہیں ماموں جان؟''

وسیم نے جل کر اپنے ماموں کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں دیکھ بھی رہا ہوں اور سُن بھی رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ کب تم لوگ خاموش ہوگے اور کب میں اپنے صاحبزادے سے بات کر پاؤں گا۔''

ابا نے منھ بنا کر کہا اور میں مسکرانے لگا۔

''ارے ایسی بات ہے ابا جان تو ہم آپ کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔'' اظہر نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ہاں آپ سکون سے روحیل سے بات کریں، تب تک ہم زرا اسپتال کی دواؤں والی ہوا کھا کر آتے ہیں......'' جمشید نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں ضرورت ہے تو بس تھوڑی سی خاموشی کی......''

میں نے مسکرا کر کہا۔

''لو کر لو گل، میاں ہم یہاں چُپ کھڑے ہیں اور یہ ہیں کہ خاموشی ڈھونڈ رہے ہیں۔'' جمشید نے منھ بنا کر کہا۔

''بتاؤ زرا۔'' وسیم نے بھی ہاتھ چلا کر کہا۔

''جمشید......تم زرا روحیل کی غیر موجودگی میں او پی ڈی تو دیکھ کر آؤ۔'' ابا نے اُکتا کر کہا۔

''ابا کون میں؟'' جمشید نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''ہاں ہاں تم، زرا مریضوں کو فارغ تو کرو......''

انھوں نے اطمینان سے کہا اور جمشید منھ بنا کر وسیم سے کہنے لگا:

''سب تمھاری وجہ سے ہوتا ہے، اب چلو۔''

''کہاں؟'' وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ارے میرے باپ کچھ باتیں اشاروں سے بھی سمجھ لیا کرو، چلو اب۔''

جمشید نے تیز آواز میں یہ جملے کہے اور وسیم کو لے کر چلا۔ اس لمحے اظہر اور میں ہنسے جا رہے تھے۔ ان کے جانے کے بعد اظہر کے منھ سے نکلا:

''شکر خدا کا یہ چلے گئے۔''

''جی ابا! کہیے کیا حکم ہے؟'' میں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''حکم تو کچھ نہیں ہے ...... بس یہ پتا چلا ہے کہ آپ کا رویہ تھوڑا سخت ہے مریضوں کے ساتھ......'' ابا نے مسکرا کر پوچھا اور میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

حالاں کہ دل سے ایک دم چوہا ہے، مگر غصہ نہ جانے کیوں مریضوں پر نکلتا ہے اس کا۔'' اظہر نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''یار اظہر میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی کبھی یہ مریض اس قدر تنگ کرتے ہیں کہ بس۔ پرسوں ایک خان صاحب آئے اور پتے میں درد کی شکایت کرنے لگے، میں نے انھیں اسٹول ٹیسٹ کرانے کے لیے کہا، آج وہ دو بالٹیاں اسٹول کی بھر کر لائے ہیں۔''

میں نے منھ بنا کر بتایا تو اظہر اور ابا قہقہے لگانے لگے۔

''اظہر کل پتا ہے کیا ہوا؟'' میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''کیا ہوا؟'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''کل میری او پی ڈی میں ایک دیہاتی آیا۔ میں نے اُس سے پوچھا طبیعت کیسی ہے؟ بولا کہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ جو دوا میں نے دی تھی وہ لے لی؟ بولا کہ آپ نے دی تھی میں نے لے لی۔ میں نے کہا کہ نہیں! نہیں! میرا مطلب آپ نے دوا پی لی؟ بولا کہ دوا پیلی تو نہیں لال تھی۔ میں نے تنگ آ کر کہا کہ ارے دوا کو پی لیا تھا؟ تو بولا کہ دوا کو پیلیا کیوں ہو گا پیلیا تو مجھے ہے!''

میری بات سن کر اظہر ہنس ہنس کر بے دَم ہونے لگا۔
ڈاکٹر مظہر بھی اس لمحے ہنس رہے تھے۔
"I mean how could someone understand that? آپ بتائیں ابا
ایسے میں علاج کریں بھی تو کیسے کریں؟" میں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔
"روحیل، بس صرف یہ سوچ کر علاج کرو کہ جو چیز خدا نے تمھیں عطا کی ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے، خدا نے شفا عطا کرنے کے لیے تمھارے ہاتھوں کو چُنا ہے۔ یہ شفاء تمھیں مریضوں تک پہنچانی ہے۔ یاد رکھو ہم نے اپنے اس اسپتال کا نام سہارا اس لیے ہی رکھا ہے کیوں کہ ہم ان کا سہارا ہیں جنھیں سہارے کی ضرورت ہے۔ ان کی نادانیاں، بیوقوفیاں دراصل ان کی معصومیت ہے۔ اُسے سمجھو...... پھر دیکھنا تمھیں یہ کام کس قدر پسند آئے گا۔" ابا نے مسکرا کر مجھے سمجھایا۔
"پسند تو ابھی بھی آجائے گا ابا، بس مریض عورت ہونی چاہیے۔" اظہر نے ہنس کر کہا۔
"اماں چھوڑو، اسٹول تو اسٹول ہوتا ہے چاہے مرد کا ہو یا عورت کا۔ وہ بھی بالٹی بھر کر......" میں نے ہنس کر کہا اور ابا اور اظہر قہقہے لگانے لگے۔
"اچھا بس بُری بات، یہ بتاؤ او پی ڈی کیسی جا رہی ہے تمھاری؟"
انھوں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
"اب تک سب کچھ ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"مریضوں کا زیادہ لوڈ ہے تو میں آجاؤں؟" اظہر نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔
"نہیں نہیں اٹس اوکے، اگر زیادہ لوڈ ہوتا تو میں یہاں موجود نہ ہوتا۔ تم جاؤ گھر پر امی کو ضرورت ہوگی......" میں نے پیار سے کہا۔
"ارے ہاں یار آج تو امی نے تین بجے کے قریب آنے کے لیے کہا تھا۔"
اظہر نے گھڑی دیکھ کر کہا۔
"ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ، میں یہاں نو بجے تک رُکتا ہوں، بس پھر سیدھا گھر آؤں گا۔" میں نے اطمینان کے ساتھ کہا۔
"سو چلو روحیل ابھی بھی وقت ہے، اگر تم چاہو تو اظہر یہاں رُک سکتا ہے۔"
ابا نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ بے فکر ہو کر جائیں، میں نو بجے پہنچ جاؤں گا۔ بس یہ خیال رکھیے گا کہ کیک میرے آنے تک نا کٹے، میں نے آپ لوگوں کے لیے تحفہ لیا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''بھائی ہو تو تم جیسا۔''

اظہر خوشی سے بول اُٹھا اور میں ہنسنے لگا۔ شادی کی اس سالگرہ کو پہلے گھنٹے سے لے کر آخری گھنٹے تک جینے کا من میرا بھی تھا مگر میں جانتا تھا، امی میری موجودگی کو کبھی محسوس نہیں کریں گی، اس لیے او پی ڈی میں ہی رہنا ٹھیک سمجھا۔

☆......☆

ڈاکٹر مظہر کا گھر اس لمحے جگمگا رہا تھا اور کئی خوبصورت گاڑیاں ان کے گھر کے باہر پارک تھیں، آج ان کی شادی کی سالگرہ تھی جو وہ ہر سال اپنے کچھ خاص دوستوں کے ساتھ مناتے، جس میں کئی سیاست دان اور ملک کے بڑے تاجر شامل ہوتے۔ گھر کے ہال میں موجود مہمان ایک دوسرے سے بزنس کی باتوں میں مصروف تھے۔ دعوت میں بچّوں کا داخلہ منع تھا، ویسے بھی یہ محفل صرف بڑی عمر کے لوگوں کے لیے سجی تھی۔ مردوں نے بہترین کالے سوٹ پہنے ہوئے تھے جب کہ خواتین عمدہ ساڑھیوں میں ملبوس تھیں۔ ویٹر ٹرے میں سافٹ ڈرنکس اور جوس لیے مہمانوں کو پیش کر رہے تھے۔ کیٹرنگ شہر کے سب سے بڑے ہوٹل سے آئی تھی۔ شاہین بیگم اس وقت نیلی ساڑھی میں موجود دیگر مہمانوں سے پھولوں کے گلدستے وصول کر کر کے تھک چکی تھیں، البتہ ایک طرف شہناز بیگم صوفے پر بیٹھی ہوئیں سب کے سلام کا جواب خوشی سے دے رہی تھیں۔ سائرہ نے بھی Sleeveless کُرتا اور پجامہ پہنا ہوا تھا اور کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ اس لڑکی کی شادی کو دو سال سے زائد ہو چکے ہیں، یہ دیکھ کر جمشید حیران بھی تھا اور خوش بھی، اتنی حسین بیوی حاصل کر کے بھلا کون خوش نہ ہوگا۔ اظہر اور وسیم بھی بلیک سوٹ میں سب لڑکیوں کے دلوں پر وار کر رہے تھے اور لڑکیاں انھیں دیکھ دیکھ کر آہیں بھر رہی تھیں۔ ایسے میں محفل کو مزید نکھارنے جمشید کے والدین نسیم جمشید صاحب اور بیگم نسیم جمشید تشریف لائے۔ نسیم صاحب چھوٹے قد کے ساتھ بڑھے ہوئے وزن کے بھی مالک تھے۔ سر اور مونچھوں کے بال سفید جب کہ بیگم نسیم قد میں اُن سے کچھ انچ لمبی اور دُبلی پتلی تھیں۔

''ویلکم ویلکم سمدھی صاحب!......''

ڈاکٹر مظہر بانہیں کھول کر نسیم صاحب کی طرف بڑھے۔

''صرف سمدھی ہی نہیں، سمدھن بھی ہیں یہاں۔'' بیگم نسیم نے مسکرا کر کہا۔

''اجی دنیا کا کوئی بھی لڑکی کا باپ ہو......، وہ سمدھی کو ضرور بھول سکتا ہے مگر سمدھن کو نہیں......'' ڈاکٹر مظہر نے ہنس کر کہا اور نسیم صاحب نے قہقہہ لگایا۔

''توبہ ہے آپ سے بھائی صاحب۔'' بیگم نسیم شرما کر کہنے لگیں۔

''ارے بیگم تم بے فکر رہو، یہ نہیں سُدھرنے والا، جوانی سے ہی ایسا ہے۔'' نسیم صاحب نے انھیں چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ارے ہماری تمھاری جوانی کے دن تو اب گئے نسیم، اب تو ہمارے بچے انجوائے کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر مظہر نے مسکرا کر کہا۔

''مگر ہمارے بچّے ہیں کہاں؟'' بیگم نسیم نے ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

''ممی...... پاپا۔''

سائرہ ہاتھ ہلا کر چلتی ہوئی اپنے ساس سُسر کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ جمشید بھی آیا۔

''السلام علیکم......'' سائرہ خوشی سے اپنی ساس سے لپٹی۔

''جیتی رہو، ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' بیگم نسیم نے مسکرا کر کہا۔

''ممی میں کیسا لگ رہا ہوں؟ جمشید نے اپنی والدہ کے پاس آ کر پوچھا۔

''ہیرو، اسمارٹ، سچ میں لنگور بھی سوٹ پہنے تو ہینڈسم لگنے لگتا ہے۔''

اظہر کی آواز نے سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیا، پلٹ کر جو دیکھا تو وسیم اور اظہر چلتے ہوئے قریب آ گئے تھے۔

''سکون سے مجھے بات تک نہ کرنے دینا کبھی۔'' جمشید نے جل کر کہا۔

''دیکھو جمشید سکون نام کی چیز تمھاری زندگی سے اُس وقت ختم ہو گئی تھی جب تم نے ہماری چھوٹی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔''

اظہر نے مسکرا کر سائرہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور سب ہنسنے لگے۔

''ارے ان لوگوں کی نوک جھونک تو چلتی رہے گی، آؤ نسیم میں تمھیں اپنے دوستوں سے ملواؤں۔'' ڈاکٹر مظہر نے ہنستے ہوئے کہا اور نسیم صاحب کو لے کر ایک طرف کو چلے۔

”بھئ سائرہ آپ بھی زرا ممی کو امی کی طرف لے کر چلیں۔“
جمشید نے پیار سے اپنی بیگم سے کہا۔
”ممی کو امی کی طرف، تو پھر امّاں کی طرف کون جائے گا؟“ وسیم نے الجھ کر پوچھا۔
”ممی، امی، امّاں اور ماں۔ایسا لگ رہا ہے مغرب، مشرق، شمال اور جنوب سے چلتی ہوئیں مائیں آرہی ہیں......“ اظہر نے منہ بنا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔
”بھائی جان ان چاروں سمتوں کے بیچ ایک عورت ہے جو بیوی ہوتی ہے......“
سائرہ نے مستی میں کہا اور سب ہنسنے لگے۔سائرہ اپنی ساس کو لے کر عورتوں کی طرف چلی۔
”یار یہ روحیل کہاں رہ گیا؟“ وسیم نے گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”بس آنے والا ہی ہوگا، او پی ڈی آف کر کے سیدھا گھر ہی آئے گا۔“
اظہر نے بھی گھڑی دیکھ کر یہ جملے کہے اور وہ لوگ باتوں میں مگن ہو گئے۔

☆......☆

یہ بات بالکل درست تھی کہ مجھے او پی ڈی بند کر کے سیدھے گھر جانا تھا مگر قسمت میں کیا لکھا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔میں اس وقت جنرل وارڈ میں مریضوں کو دیکھ رہا تھا۔فائنل راؤنڈ کر کے میں واپس اپنے دفتر کی طرف بڑھا۔اب میں اسپتال سے نکلنے کی تیاری کرنے لگا، ویسے بھی مجھے کافی دیر ہو چکی تھی اس لیے اب اسپتال سے جلد از جلد نکلنا چاہتا تھا۔کچھ ہی منٹوں میں، میں نے اپنا کوٹ ہاتھ میں لیا اور بریف کیس اُٹھا کر دفتر سے نکلا۔

اب میں اسپتال کی ہیڈ نرس کے ساتھ اُسے ضروری ہدایات دیتا ہوا اسپتال کے کوریڈور سے گزر رہا تھا، وہ بغور مجھے سُننے لگی۔

”بیڈ نمبر چھ اور سات کا بلڈ پریشر اور پلس ریٹ دیکھتے رہنا اور ڈرپ کی بوتل بالکل بھی نہیں ہلنی چاہیے، یورین بیگ تو لگا ہوا ہے نا؟“ میں نے چلتے ہوئے پوچھا۔
”جی ڈاکٹر یورین بیگ تو شام ہی کو لگا دیا تھا۔“
ہیڈ نرس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے بتایا۔
”گڈ......رات بارہ بجے کے بعد اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے میرے موبائل پر کال کر لینا۔مگر یاد رہے اُس سے پہلے بالکل بھی مت کرنا، آج ابا اور امی کی شادی کی سالگرہ ہے اور میں لیٹ نہیں

ہونا چاہتا۔‘‘میں نے اُسے دیکھ کر بتایا۔

’’آپ بے فکر رہیں ڈاکٹر ایسا ہی ہوگا......‘‘

ہیڈ نرس نے مسکرا کر جواب دیا اور وہ جنرل وارڈ کی طرف بڑھی۔

میں اب کوریڈور سے گزرتا ہوا اسپتال سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔کوریڈور اس لمحے خالی پڑا ہوا تھا۔خاموشی کے اس عالم میں صرف میرے جوتوں کی آواز گُونج رہی تھی۔مجھے اس لمحے کافی تھکن محسوس ہوئی لیکن دعوت کا سوچ کر اپنی طاقت کو بحال رکھا،ابا کی خوشی کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا تھا۔میرے ایک ہاتھ میں اسٹیتھو اسکوپ تھا،ٹائی ڈھیلی کر لی تھی،کالر کا بٹن کھلا ہوا اور آستینیں اوپر تک چڑھی ہوئی تھیں۔اپنی ہی دھن میں اسپتال کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

میں مرکزی دروازے سے بیس قدم دُور تھا کہ اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔لمبا قد،سڈول جسم،مگر بے انتہا خوبصورت۔اس کے بال گورے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔دوپٹّہ سیدھے کندھے پر پڑا ہوا۔پسینہ اس کی گوری گردن پر موتیوں کی طرح چمک رہا تھا۔میں چونک کر اُسے تکنے لگا۔

اس نے بھی مجھے ایک نظر دیکھا اور جلدی سے میری طرف بڑھی:

’’ڈاکٹر مظہر موجود ہیں؟‘‘

اس نے میرے قریب آتے ہی اپنی سُریلی سی آواز میں مجھ سے پوچھا۔میں نے دیکھا وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی،اس لیے جلدی سے جواب دیا:

’’اہمم ڈاکٹر مظہر تو جا چکے ہیں۔‘‘

’’اور ڈاکٹر اظہر؟‘‘اس نے پھر مچل کر پوچھا۔

’’آئی ایم سوری وہ بھی جا چکے ہیں۔‘‘میں نے مختصر جواب دیا۔

’’اوہ......‘‘

اس کے منھ سے نکلا اور پریشانی کے بادل اس کے چہرے پر منڈلانے لگے۔اب میں نے اُسے صحیح سے دیکھا،وہ ایک حسین و جمیل لڑکی تھی،شاید یہ میری زندگی کا پہلا اتفاق تھا جب اتنی حسین لڑکی میرے سامنے آئی ہو۔اس نے نیلا کُرتا اور شلوار پہنا ہوا تھا،بال کھلے ہوئے۔بڑی بڑی آنکھیں اور رسیلے ہونٹ۔نجانے کیوں ایک عجیب سی کشش میں نے اُس میں محسوس کی۔میں

نے اپنی کیفیت کو سنبھال کر پوچھا:

"Is everything alright?"

اس نے میری طرف دیکھا اور پریشان ہو کر کہنے لگی:

''نہیں دراصل میرے والد محترم کی طبیعت بہت خراب ہے اور وہ اپنا علاج صرف ڈاکٹر مظہر سے کرانا پسند کرتے ہیں، ان کے علاوہ وہ کسی ڈاکٹر کو پسند نہیں کرتے۔''

''اوہ...... پھر تو آپ کے فادر کو ایک دن تک انتظار کرنا پڑے گا، کیوں کہ ابا اب کل آئیں گے......'' میں نے اُسے دیکھ کر بتایا۔

''ابا؟...... آپ نے انھیں ابا کہا؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آپ...... آپ ڈاکٹر روحیل مظاہر تو نہیں ہیں؟''

اس بار اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ خوشی بھی شامل تھی۔ میں حیران ہو کر اُسے تکنے لگا:

''آپ میرا نام کیسے جانتی ہیں؟''

''میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں...... چلیے میں اپنا تعارف کرا دیتی ہوں...... میرا نام گل ناز ہے...... آپ مجھے ناز کہہ سکتے ہیں......''

اُس نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے کیا۔ میں نے الجھ کر اُس سے ہاتھ ملایا۔ اس قدر نرم اور ملائم ہاتھ تھام کر ایک عجیب سا سرور محسوس ہوا، ایک بار پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا: ''میرا نام ڈاکٹر روحیل مظاہر ہے...... جو آپ پہلے سے جانتی ہیں۔''

میری بات سن کر وہ ہنس پڑی۔ نجانے کیا بات تھی اس کی اس ہنسی میں، ایسا لگا جیسے زندگی کی ساری تلخیاں اس ایک ہنسی کی وجہ سے رفع دفع ہو گئیں۔

''دیکھیے نا...... اب تو ہمارا تعلق بھی نکل آیا...... اور آگے کا کچھ پتا نہیں کہ تعلقات کی منزل کیا ہو......'' ناز کہتی چلی گئی۔

''تعال...... تعلقات؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔

''اوہ۔'' اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور بالوں کو جھٹک کر کہنے لگی:

''پتا نہیں میں جذبات میں کن الفاظ کا انتخاب کر جاتی ہوں، آپ بُرا مت مانیے، بس اتنا

کہہ دیں کہ آپ چل رہے ہیں!''

عام طور پر لوگ اتنی سلیس اُردو کا استعمال نہیں کرتے، خاص طور پر لڑکیاں، وہ تو بات بات پر انگریزی کے الفاظ اپنی گفتگو میں شامل کرتی ہیں، لیکن گل ناز...... انتہائی ادب اور تہذیب کے ساتھ اُردو میں بات کر رہی تھی۔ ایک بار پھر میں گڑبڑا گیا اور گھڑی دیکھی:

''اہمم...... میڈم...... دیکھیں میں اس لمحے بہت بیزی ہوں...... دراصل میرا ہر حال میں گھر پہنچنا امپورٹنٹ ہے۔''

''مہربانی کریں!...... میرے والد صاحب کی خاطر آپ چلیے...... اگر آپ نہیں چلیں گے تو ...... وہ ساری رات بے چین رہیں گے...... اور انھیں دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے...... آپ کا ایک فیصلہ...... ان کی زندگی بچا سکتا ہے، گزارش ہے آپ سے......''

ناز نے ہاتھ جوڑ کر یہ جملے کہے اور میں الجھ گیا۔

''کہیے؟''

اس نے اپنی بڑی آنکھوں کو مزید پھیلا کر پوچھا اور میں گڑبڑا کر ہار مان گیا:

''ٹھیک ہے...... چلیں...... کہاں چلنا ہے؟''

''شکریہ بہت بہت، میں پھر آپ کی گاڑی ہی میں چلتی ہوں، کیوں کہ بار بار Careem کا کرایہ بہت لگ جاتا ہے، ویسے آپ کے پاس گاڑی تو ہے نا؟''

ناز نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

''جی...... گاڑی ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''بس طے ہوا...... اب ہمیں چلنا چاہیے۔''

ناز نے خوشی کے عالم میں کہا اور پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھی:

''چلیں...... ہمیں دیر ہو رہی ہے......''

اس کے اس طرح کہنے پر میں سر ہلا کر رہ گیا اور مسکراتا ہوا اس کے ساتھ چلا۔

☆......☆

رات کے دس بج گئے اور زیادہ تر مہمان آ چکے تھے، اب سب لوگوں کے چہروں پر ایک ہی سوال تھا کہ ڈاکٹر اظہر اور ان کی بیگم شادی کی سالگرہ کا کیک کب کاٹیں گے۔

’’اظہر بیٹا کب تک انتظار کرنا پڑے گا؟ سب مہمان آچکے ہیں۔‘‘

شہناز بیگم نے اپنے پوتے سے پوچھا۔

’’دادی بس روحیل آجائے، میں اُسے کال کر کے پوچھتا ہوں۔‘‘

اظہر نے اپنا موبائل نکال کر کہا۔

’’ہاں پوچھو۔‘‘ شہناز بیگم نے کہا اور اظہر فون ملانے لگا۔

دوسری طرف گیٹ پر حیدر صاحب اور پھپھو تحسین تشریف لائیں۔ تحسین بیگم ڈاکٹر اظہر کی سگی بہن تھیں اور وسیم کی والدہ تھیں۔ حیدر صاحب بھلے مانس انساں تھے۔ سر آدھا گنجا تھا مگر یہی سر اُن پر بہت پیارا لگتا تھا۔ جبکہ تحسین بیگم چھوٹے قد کی موٹی سی خاتون تھیں لیکن ان کا ہنس مکھ رویہ سب ہی کو بھاتا تھا۔

’’ماشاءاللہ، آپ لوگ کچھ زیادہ جلدی نہیں آ گئے۔ ہے کوئی تُک؟‘‘

ڈاکٹر اظہر نے انھیں گھورتے ہوئے کہا۔

’’ارے یار اظہر کیا بتائیں سڑکوں پر اس قدر رش ہے کہ بس، جس گلی سے بھی گاڑی نکالنا چاہو بند پڑی ہے......‘‘ حیدر صاحب نے منھ بنا کر کہا۔

’’اماں چھوڑو، تم کراچی کے بادشاہ لوگ، تمھیں تو سڑکوں کا علم ہوگا ہی ہوگا۔‘‘ نسیم صاحب نے آ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

’’ارے بھائی، اب وہ جوانی کے دن رہے نہ وہ کراچی رہا، تو اب کس بات کا علم ہوگا۔‘‘ حیدر صاحب نے منھ بنا کر یہ جملے کہے اور سب نے قہقہہ لگایا۔

’’یہ بتاؤ مظہر تم اکیلے کیوں کھڑے ہو؟ تمھاری بیگم اور بیٹے کہاں ہیں؟‘‘ تحسین بیگم نے اپنے بھائی سے پوچھا۔

’’ارے پھپھو آپ یاد کریں اور ہم آپ کو نظر نہ آئیں ایسے تو دن نہیں۔‘‘

پیچھے سے اظہر اور سائرہ نے قریب آ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

’’جی ہاں ان بیٹوں کے بیچ میں ایک بیٹا آپ کا بھی ہے جو کہ سب سے حسین ہے۔‘‘ وسیم نے دانت نکال کر اپنی والدہ سے کہا۔

’’ہاں بیٹا، واقعی سب سے حسین ہے، اتنا حسین ہے کہ دل چاہ رہا ہے پیدا ہوتے ہی گلا دبا

دیتا۔'' حیدر صاحب نے جل کر کہا اور سب نے قہقہہ لگایا۔

''لو تحسین باجی بھی آ گئیں۔''

شاہین بیگم کی آواز سن کر سب نے پلٹ کر انھیں دیکھا اور مسکرانے لگے۔

''ہمیں تو آنا ہی تھا، یہ ہمارا ہی ریکارڈ ہے کہ تمھاری شادی کی ہر سالگرہ میں ہم موجود رہے ہیں۔'' تحسین بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے بھابھی یہ ریکارڈ ہمارا بھی ہے......''

نسیم بیگم نے مسکرا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''سُنیے میرے خیال سے اب کیک کاٹ لینا چاہیے۔''

شاہین بیگم نے اپنے شوہر کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں......بس ذرا راحیل آ جائے۔'' ڈاکٹر مظہر نے الجھ کر گھڑی دیکھی۔

''وہ نہیں آئے گا، لگا ہوا ہوگا کہیں اپنی آوارہ گردیوں میں، اب بس کیک کاٹ لیتے ہیں۔''

شاہین بیگم نے جلدی سے یہ جملے کہے اور ان کی بات سن کر آس پاس کھڑے لوگوں نے اپنے سر جھکا لیے۔

''اور نہیں تو کیا ابا، کھانا لیٹ لگے گا تو مزہ نہیں آئے گا۔'' سائرہ نے منہ پھلا کر کہا۔

''میں سائرہ کی تائید کرتا ہوں۔'' جمشید نے فوراً اپنی بیوی کی طرفداری کی۔

''ویل......اگر تم لوگ یہی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔''

ڈاکٹر مظہر نے گہرا سانس لے کر فیصلہ کیا اور وسیم، اظہر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

☆......☆

ناز اس لمحے برابر بیٹھی ہوئی مجھے رستہ سمجھانے لگی اور میں گاڑی چلاتا رہا۔ وہ مجھے قریب آٹھ کلومیٹر دُور لے آئی تھی۔ ہمارا اسپتال ناظم آباد میں واقع تھا جب کہ ناز مجھے نارتھ ناظم آباد لے کر چلی آئی تھی۔ یہ دیکھ کر میرا اچھا خاصا منھ بن گیا، وقت بہت تیزی سے بھاگ رہا تھا، دعوت میں شرکت قریب قریب ناممکن محسوس ہونے لگی۔

گل ناز میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور مجھ سے ڈاکٹری کے کئی سوال کرنے میں مصروف تھی اور میں اُکتائے ہوئے لہجے میں اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ آخر کار اللہ

اللہ کرکر کے ہم اس کے گھر پہنچ گئے۔ناز کا گھر بہت شاندار تھا اور اب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ گل ناز ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے۔

’’آیئے، ڈیڈی کی آپ کو دیکھ کر ہی آدھی طبیعت ایسے ہی ٹھیک ہو جائے گی، وہ ڈاکٹر مظہر کو بہت پسند کرتے ہیں......‘‘

ناز نے خوش ہو کر بتایا اور میں مسکرانے لگا۔بہر حال وہ مجھے لے کر اپنے گھر کی طرف چلی، دروازے پر موجود چوکیدار نے دروازہ کھولنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگایا اور ہم دونوں اندر ہی اندر چلتے چلے گئے۔گھر کے باہر ایک خوبصورت باغیچہ، اور باغیچے کے بیچوں و بیچ ایک بہت پیارا سا گھر۔بہر حال وہ مجھے اندر لے کر چلی۔ڈرئنگ رُوم بھی خاصا خوبصورت تھا۔گھر کی سجاوٹ مغلیہ انداز میں بے حد حسین تھی۔وہ مجھے ڈرئنگ رُوم کے علاوہ گھر کے اندر لیجانے لگی۔

’’ڈیڈی اس وقت اپنے کمرے میں ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ میں آپ کو سیدھے ان کے کمرے میں لے جاتی ہوں۔‘‘

ناز نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا پر میں دیوار پر لگی ہوئی تصویروں کو دیکھنے لگا۔

’’کیا دیکھ رہے ہیں؟‘‘ ناز نے مسکرا کر پوچھا۔

’’اُستاد غلام حسن صاحب کی تصویریں۔غزلوں کے شہنشاہ۔پاکستان کا اثاثہ۔لگتا ہے آپ کے والد اُستاد صاحب کے کافی بڑے فین ہیں۔‘‘

میں نے مسکرا کر اپنا خیال پیش کیا اور ناز کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

’’ارے آپ ہنس رہی ہیں؟‘‘ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’جی ہاں، بس یہی سوچ کر ہنس رہی ہوں کہ ڈیڈی اپنے ہی فین کیسے ہو سکتے ہیں۔‘‘

ناز نے یہ جملے ہاتھ باندھ کر کہے اور میں دھک سے رہ گیا۔

’’آپ اس وقت اُستاد غلام حسن صاحب کی دختر ہی سے ہم کلام ہیں۔‘‘

ناز نے مسکرا کر بتایا۔

’’کیا!۔‘‘ میری آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں اور وہ ہنسنے لگی۔

’’مجھے یقین نہیں آرہا......ابا نے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا مجھ سے؟‘‘

میں نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتا کہ آپ کے ابا نے آپ سے کیا ذکر کیا ہے اور کیا نہیں، مگر آپ کو یہ ضرور معلوم ہوگا کہ میرے ڈیڈی تھوڑے سے ضدّی طبیعت کے مالک ہیں۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''جی ہاں بالکل معلوم ہے، مجھے آج بھی یاد ہے وہ لاس انجلس کنسرٹ اس وجہ سے کینسل کرآئے تھے کیوں کہ ان کے طبلہ نواز کو ویزہ نہیں مل سکا تھا۔قریب چار مہینے کی کوشش کے بعد کہیں جا کر طبلہ نواز کا ویزا لگا تو وہ اس خوشی میں ہی چل بسا۔اس کے بعد اُستاد صاحب کو اکیلے ہی لاس انجلس جانا پڑا تھا۔اپنے طبلے والے کی یاد میں اُنھوں نے یہ غزل کہی تھی کہ تمھاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں، کسی بہانے تمھیں یاد کرنے لگتے ہیں۔''

میرے کہنے پر ناز کھلکھلا کر ہنسی۔اس کی یہ ہنسی دنیا کے کسی عجوبے سے کم نہیں تھی، اگر تاج محل میں کسی چیز کی کمی تھی تو شاید اس حسین چہرے کی۔

''مجھے یقین ہے کہ آپ سے مل کر ڈیڈی بہت خوش ہوں گے۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے بیتاب ہو کر کہا۔

''آیئے نا پھر......''

ناز نے خوش ہو کر یہ جملے کہے اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

جلد ہی ہم ایک کمرے میں پہنچے تو تو میں نے اُستاد صاحب کو کہتے سُنا:

''ہٹا دو یہ زہر آلود دوا میرے سامنے سے...... مجھے نفرت ہے اُن ادویات سے جن میں شفا نہ ہو......''

''مگر مالک یہ آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔'' نوکر نے پریشان ہو کر کہا۔

''ارے چھوڑو، ضرورت ہوگی تمھیں تمھارے خاندان کو...... میں ایسے ہی ٹھیک ہوں......''

اُستاد غلام حسن صاحب نے ہاتھ چلا کر اُسے جھڑکا۔میں نے دیکھا، کندھوں پر شال لیے، سفید کُرتا اور پجامہ پہنے ہوئے وہ بالکل اُسی طرح لگ رہے تھے جیسے ٹی وی پر نظر آتے تھے۔گورا چہرہ، سفید مونچھیں اور سر کے بال سفید۔غلام صاحب کو دیکھ کر میں دیکھتا رہ گیا۔

''زاہد چھوڑ دو انھیں ان کے حال پر، پچھلے پچاس سال سے یہ نہیں بدلے تو اب کیا بدلیں گے۔'' پیاری سی سڈول جسم کی مالک فاطمہ بیگم نے مایوس لہجے میں کہا، وہ اپنے شوہر کی عادت سے

اچھی طرح واقف تھیں۔اس وقت وہ بھی سفید شرارہ پہنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ہونٹ پان سے لال تھےاوراس لالی کی وجہ سے وہ مزید پیاری لگ رہی تھیں۔

''فاطمہ اب ہم اپنے آپ کو کس قدر نئے ماحول میں ڈھالیں؟ آپ کی تجویز پر ہم نے اپنی غزلوں سے طبلہ ختم کر کے ڈرم بجوائے، ستار کی جگہ بجلی سے چلنے والے گٹار بجنے لگے۔اور تو اور ہمارے سُروں میں دو چار سیاہ فام امریکی بے سُرے بھی سُر ملانے لگے، یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے اس سُر کو Rap کہتے ہیں۔اتنا تو ہم بدل چکے ہیں، اب اور آپ کیا چاہتی ہیں کہ ہم اپنی پہچان بھی چھوڑ دیں۔''

اُستاد غلام حسن صاحب اپنی بیگم کو دیکھ کر کہتے چلے گئے۔

''پہچان چھوڑنے سے پہلے اپنی جان کے بارے میں سوچ لیں۔ادویات انسان کو زندگی بخشتی ہیں، اور آپ ان ادویات کا انکار کررہے ہیں۔'' فاطمہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''بھئی یہ دوا زہر سے کم نہیں ہے، بس تم ہمیں زیادہ پریشان مت کرو۔''

غلام حسین صاحب منھ بنا کر کہنے لگے۔

''محبوب کے ہاتھوں سے زہر بھرا جام بھی تو شیریں لگنے لگتا ہے ڈیڈی۔''

اپنی بیٹی کی آواز سن کر انھوں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر منھ بنا کر مجھے دیکھنے لگے۔میں اس لمحے تھوڑا گھبرا گیا۔

''ہاہ!...... لے آئیں نا آخر کار کسی حکیم کو۔'' غلام صاحب نے جل کر کہا۔

''حکیم؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''ارے ڈیڈی یہ......''

ناز نے کچھ کہنا چاہا کہ اُستاد صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا:

''بس بس، اب تم یہ ثابت کرنے کی کوشش مت کرنا کہ یہ بہت ہی انٹیلی جنٹ ڈاکٹر ہے، لیکن یہ کوئی بھی ہو میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر مظہر نہیں ہے۔'' انھوں نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''آپ پُوری بات سُن تو لیں۔'' ناز نے اُکتا کر کہا۔

''ارے کیا سُنوں؟ وہی گھسی پٹی باتیں جو ہر ڈاکٹر آ کر کرتا ہے، مجھے پتا ہے یہ میرا بہت بڑا فین ہے، میری غزلیں سُننا اسے اچھا لگتا ہے اور حالاں کہ اسے ایک بھی غزل صحیح سے یاد نہیں

ہوگی، کیوں برخوردار؟...... کتنی غزلیں یاد ہیں تمھیں؟'' انھوں نے اک دم سے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''جی......بس مکھڑے ہی یاد ہیں سب کے۔'' میں نے گھبرا کر بتایا۔

''بس دیکھ لیا!۔''

انھوں نے ہاتھ چلا کر اپنی بیوی اور بیٹی کو دیکھا۔

''یا اللہ ڈیڈی، آپ کا بلڈ پریشر جب ہائی ہوتا ہے تو آپ کو کوئی نہیں سنبھال سکتا۔'' ناز نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ہائی بلڈ پریشر میں یہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔'' فاطمہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''تو مت سنبھالو مجھے رہنے دو ہائی میرا بلڈ پریشر۔'' غلام صاحب نے بھی اُکتا کر کہا۔

''ایکچیو لی یہ بلڈ پریشر لو ہو رہا ہے۔''

تینوں میری بات سن کر چونک پڑے۔سب سے زیادہ حیران ہو کر اُستاد صاحب مجھے دیکھنے لگے۔

''کیا کہا آپ نے؟'' ناز نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''چڑ چڑا پن، بات بات پر اُکتا جانا، جی کا گھبرانا یہ بلڈ پریشر لو ہونے کی علامات ہیں۔ہائی بلڈ پریشر میں آدمی خاموش ہو جاتا ہے۔'' میں نے اُن سب کو دیکھ کر بتایا۔

''ہمم......ڈاکٹر تو کافی سمجھدار لگ رہے ہو۔'' اُستاد صاحب نے میری تعریف کی۔

''جی، اس لیے کہ یہ ڈاکٹر مظہر کے صاحبزادے ہیں۔''

ناز نے مسکرا کے اپنے والد کو دیکھ کر کہا۔

''اوہو اب معلوم ہوا۔'' اُستاد صاحب خوش ہو کر بولے اور میں مسکرانے لگا۔

''آؤ بھئی برخوردار اب بیٹھو ہمارے ساتھ، اب ہم تمھیں معائنہ کرنے دیں گے۔'' انھوں نے خوش ہو کر کہا اور بستر پر بیٹھے۔

''بہت بہت شکریہ سر آپ کا۔لیکن اب مجھے معائنہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں بیماری سمجھ گیا ہوں۔آپ بس مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کو شوگر تو نہیں ہے؟'' میں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں!...... بالکل نہیں۔'' اُستاد صاحب نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''بتا دیں، میں میڈیا والوں کو نہیں بتاؤں گا۔''

میں نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور سب ہنس پڑے۔ اُستاد صاحب سر جھکا کر شرمندہ ہو کر کہنے لگے: ''ہاں شوگر...... تو...... ہے......''

اُن کے اس طرح کہنے پر ایک بار پھر سب ہنس پڑے۔

''چلیں یہ اچھا کیا آپ نے کہ سچ بتا دیا۔ ناز آپ ایک کام یہ کریں۔ غلام صاحب کے لیے ایک اورنج جُوس شوگر کے بغیر اور نمک کے ساتھ لا دیں، اور کھانے میں کچھ بھی ہو لے آیئے۔'' میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''جی ابھی لائی......''

ناز نے مسکرا کر کہا اور کچن کی طرف چل دی، اس کے ساتھ نوکر بھی ہو لیا۔

''آپ گھبرائیں نہیں صرف بلڈ پریشر تھوڑا لو ہوا ہے، کچھ کھائیں پیئیں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔'' میں نے انھیں دیکھ کر بتایا۔

''ارے میری بیماری تو چلتی رہے گی، یہ بتاؤ میاں تمھارا باپ آج کل کہاں ہے؟، گھر پر تو وہ ٹکتا نہیں ہوگا......'' اُستاد صاحب نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''جی وہ آج غلطی سے گھر ہی پر ہیں، ابا جان کی شادی کی سالگرہ ہے اس لیے گھر پر دعوت کا اہتمام کیا گیا ہے، مجھے جلد از جلد گھر پہنچنا ہے۔'' میں نے انھیں دیکھ کر بتایا۔

''ارے ہاں آج تو مظہر کی شادی کی سالگرہ ہے۔'' انھوں نے چونک کر کہا۔

''آپ لوگوں کو دعوت نہیں دی گئی؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔

''ہمیں دعوت موصول ہوئی تھی، مگر ان کی طبیعت کی وجہ سے ہم جا نہیں سکے بیٹا۔ ویسے تمھیں تو جلد ہی جانا چاہیے۔'' فاطمہ بیگم نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جانا تو چاہیے مگر بنا جوس کے نہیں۔''

ناز کی آواز سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ ہاتھوں میں ٹرے لیے کھڑی تھی جس میں کافی کچھ موجود تھا۔

''آپ یہ کس تکلف میں پڑ گئیں؟'' میں نے شرمندہ ہو کر کہا۔

''اس میں تکلف کی کوئی بات نہیں، ہمارے گھر جو بھی پہلی بار آتا ہے بنا پانی پیے نہیں جاتا۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

’’اور تم تو ٹھہرے ڈاکٹر مظہر کے بیٹے، اس لیے تمھارا یہاں بیٹھنا بہت ضروری ہے۔‘‘ اُستاد غلام حسن صاحب نے خوش ہو کر کہا اور میں مسکرانے لگا۔

’’مگر جہاں تک میری یاداشت کی بات ہے، ڈاکٹر مظہر کا تو صرف ایک ہی بیٹا ہے۔‘‘ فاطمہ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا۔

’’جی، ایکچیو لی میں ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مظاہر کا بیٹا ہوں، ہوائی جہاز کے حادثے میں میرے والدین چل بسے۔ڈاکٹر مظہر میرے سگے تایا ہیں مگر میں اب انھیں اپنا والد ہی سمجھتا ہوں۔اس لیے ابا کہہ کر پُکارتا ہوں۔‘‘ میں انھیں اپنے ماضی کے بارے میں بتاتا چلا گیا۔

’’تم وہی ہو نا جس کی ماں امریکن عورت تھی؟‘‘ اُستاد صاحب نے چونک کر پوچھا۔

’’جی......‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔

’’لگتا تو نہیں ہے کہ تم کسی امریکن عورت کی اولاد ہو۔تم تو پورے پاکستانی ہو، ہاں رنگ صاف ہے!......‘‘ فاطمہ بیگم نے حیران ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

’’ایکچیو لی آنٹی میری پرورش یہاں پاکستان ہی میں ہوئی ہے اس لیے امریکا میرے لیے پردیس ہی رہا۔مگر میں خوش ہوں کہ میری پہچان پاکستانی ہے۔‘‘ میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

’’تو کیا آپ کے والد صاحب نے محبت کی شادی کی تھی؟‘‘ ناز نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

’’جی ہاں، انھیں محبت پر بہت یقین تھا۔محبت ہی ایک ایسی طاقت تھی جس نے اُن دونوں کو ایک دوجے کے لیے بنا دیا۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: بھیگے سپنے......نم آنکھیں...... چھوٹی چھوٹی دل کی باتیں......کہتی ہیں یہ......کہ زندگی ہے کیسی دیوانگی......کوئی رہنے لگتا ہے آہٹوں کے سہارے......تو کوئی رہتا ہے سپنوں کے سہارے......نا چھوئے تو کچھ نہیں...... پر چھو لے تو سنسناہٹ......بس......اسی کا نام ہے محبت۔‘‘

میں نے مسکرا کر بیان کیا اور ناز میری طرف دیکھنے لگی۔

’’واہ وا......میاں واہ......‘‘

اُستاد غلام حسین صاحب میری شاعری سن کر بے انتہا خوش ہوئے اور میں مسکرانے لگا۔

’’بہت خوبصورت خیال پیش کیا ہے، آگے کہو......‘‘ فاطمہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

’’جی آگے بس کچھ یوں تھا کہ......کچھ تحریریں لکھتے رہنا......اپنی دُھن میں چلتے رہنا......

انجانی باتوں میں لگے اپنا پن......شاید یہی ہے وہ دل کی لگن...... جو قُربتوں کے میلے میں...... اپنوں کے ریلے میں...... ہونٹوں پر ہنسی ہو......اور آنکھوں میں شرارت......شاید......اسی کا نام ہے محبت۔''

''واہ وا......واہ وا......بھئی ڈاکٹر صاحب جیو!......آپ پر تو ہم قُربان۔''

اُستاد صاحب محو ہو کر کہنے لگے اور سب ہنس پڑے۔ ناز مسکرا کر میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''دیکھ لو بیگم بنا دوا کے ٹھیک کرنے والا ڈاکٹر......اسے کہتے ہیں ہم اصل ڈاکٹر!''

اُستاد صاحب نے بھی شاعرانہ انداز میں کہا۔

''آپ کی باتیں آپ ہی جانیں۔'' فاطمہ بیگم نے سر پکڑ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''چلیں اب مجھے اجازت دیں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے بیٹھو نا، یار ابھی تو جُوس بھی ختم نہیں ہوا۔'' اُستاد صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''غلام صاحب میں نے بتایا نا کہ آج ابا اور امی کی ویڈنگ انیورسری ہے اس لیے میرا جانا ضروری ہے......'' میں نے پیار سے انھیں سمجھایا۔

''ہمم...... پر وعدہ کرو کہ تم دوبارہ ہم سے ملنے کے لیے ضرور آؤ گے......'' غلام صاحب نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی بالکل، انشاءاللہ ضرور آوں گا اور ایک دو غزلیں بھی سن کر جاؤں گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''اچھا غلام صاحب۔''

میں نے اپنا سر خم کر کے اجازت طلب کی اور اُن سے ہاتھ ملا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کے میں نے پاس کھڑے ہوئے نوکر سے بھی ہاتھ ملایا۔ وہ بچارہ خوشی ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

''میں انھیں دروازے تک چھوڑ کر آتی ہوں۔''

ناز نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور میرے ساتھ آئی۔ فاطمہ بیگم اور غلام صاحب ہمیں مسکرا کر جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

☆......☆

میں ناز کے ساتھ چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا، ناز اس لمحے بالکل خاموش تھی مگر

لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ چسپاں تھی۔
''غلام صاحب اگر اب غصہ کریں تو آپ انھیں فوراً ایک اورنج جُوس پلا دیا کریں، ہاں بس اب نمک نہیں ڈالیے گا، ان شاءاللہ غصہ کم ہو جائے گا۔'' میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔
''نہیں...... میرے خیال سے ایسا نہیں ہوگا۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔
''کیوں؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔
''جو دوا آپ انھیں دے کر جا رہے ہیں وہ صرف آپ ہی دے سکتے ہیں، ہمارے بس کی بات نہیں۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔
''بھلا میں نے ایسا کیا دے دیا؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔
''پیار......محبت......شاعری......اور......غزل؟''
ناز نے یہ جملے دھیرے سے کہے اور میں اس کا حسین چہرہ تکنے لگا۔
''میں نے بہت عرصے بعد اپنے ڈیڈی کو اس طرح خوش ہوتے ہوئے دیکھا ہے...... جب سے لوگوں نے ان کی غزلوں کو خیر باد کہہ دیا......انھوں نے جیسے مسکرانا چھوڑ دیا............ایسا محسوس ہونے لگا...... جیسے ان کی زندگی اُن سے روٹھ گئی......مگر آپ کے آنے سے...... ایک بار پھر میں نے انھیں خوش و خرم دیکھا ہے......آپ نے انھیں شفا عطا کی ہے...... میں آپ کی شکر گزار ہوں۔''
ناز مجھے دیکھ کر کہتی گئی اور میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔
''میں Horizon Public School for Deaf Children میں ٹیچر ہوں۔ معذور بچّوں کے ساتھ کچھ پل بتا کر ایسا محسوس ہوتا ہے...... جیسے زندگی کا مقصد پا لیا ہو......میرے بچّے آئے دن ڈپریشن کا شکار رہتے ہیں...... اگر آپ کسی دن میرے اسکول تشریف لے آئیں......تو میری کلاس کے بچّوں کو بہت حوصلہ ملے گا......آپ آئیں گے؟''
ناز نے پیار سے پوچھا۔
"Well I ... I would love to" میں نے گڑبڑا کر کہا۔
''شکریہ، آپ میرا یہ کارڈ رکھ لیں، اس وعدے کے تحت کہ آپ میرے اسکول ضرور تشریف لائیں گے۔''

یہ کہتے ہوئے ناز نے اپنا بایاں ہاتھ آگے کیا اور میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک کارڈ پہلے سے ہی موجود تھا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔

''یہ لیں۔''

اس نے مجھے کارڈ دیتے ہوئے کہا اور میں نے کسی روبوٹ کی طرح اُس سے کارڈ لیا۔

''میں آپ کا انتظار کروں گی......''

دھیمے سے یہ جملے کسی بجلی کی طرح میرے بدن کو چُھو کر گزر گئے۔ ناز کا حسن اور اس کی خوبصورتی بُری طرح میرے دل پر وار کر رہی تھی اور میں اس لمحے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ جواب میں مسکرا کر گھر سے نکلتا چلا گیا۔ خاموشی سے گاڑی میں جا کر بیٹھا اور آہستہ آہستہ گاڑی چلا دی۔ ناز بہت دیر تک مجھے جاتے ہوئے دیکھتی رہی، ایک انجانی سی خوشی، ایک ادھوری سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر چسپاں تھی......اور وہ مجھے بہت دیر تک دیکھتی رہی......بہت دیر تک۔ گاڑی چلاتے ہوئے میں بھی مستقل مسکرا رہا تھا۔ ناز جیسی حسینہ میرے عصاب پر چھا رہی تھی۔ میں اس لمحے خوش تھا......بے حد خوش......

☆......☆

میں جب گھر واپس پہنچا تو وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ شادی کی سالگرہ ختم ہو چکی تھی اور میں تنہا گھر کے بڑے ہال کو تک رہا تھا۔ غبارے اور بجھے ہوئے Fire cracker فرش پر پڑے تھے، کیک کی پلیٹیں زمین پر رکھی ہوئی تھیں اور خالی کولڈ ڈرنکس کی بوتلیں بھی ادھر اُدھر پڑی تھیں۔ میں اُداس مسکراہٹ کے ساتھ ماحول کو تکنے لگا۔ سر کو نفی میں ہلا کر میں کچن کی طرف بڑھا۔ فریج کے پاس پہنچا تو اپنے لیے ایک نوٹ لگا ہوا دیکھا جس پر لکھا تھا:

''ہرکولیس کے بچّے بریانی، تکّے اور سلاد فریج میں ہے، تم سے میں صبح نمٹتا ہوں۔ اظہر۔''

نوٹ پڑھ کر میں مسکرا اٹھا۔ جلد ہی میں کھانا لے کر اپنے کمرے میں موجود تھا۔ میرا کمرا ہمیشہ سے نہایت صاف سُتھرا رہتا تھا۔ چاہے کچھ ہو جائے، میں صفائی کا خیال رکھتا تھا۔ بستر پر رکھا ہوا میرا سوٹ جو مجھے سالگرہ میں پہننا تھا، واپس الماری میں رکھا اور بستر پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ کھانے کھاتے ہوئے کئی مرتبہ میرا دھیان ناز کی طرف گیا، اس کی آواز، اس کا انداز، اس کی صورت اور ساتھ میں اس کا اخلاق اس دنیا سے کچھ جُدا سا

تھا۔فیشن کے اس دور میں آج بھی کہیں نا کہیں اُردو کلام، لہجہ اور تہذیب زندہ تھی اور یہ سب ناز میں دکھنے کو مل رہی تھی۔ وہ جیسے کوئی حسین پری تھی۔ یہ سوچ کر میں نے اس کا کارڈ اٹھا کر دیکھا۔گل ناز حسن اس کا نام تھا، اور وہ معذور بچّوں کی ٹیچر تھی۔ میں نے مسکرا کر اس کا کارڈ واپس اپنی شرٹ کی جیب میں رکھا اور اس کے بارے میں سوچنے لگا۔نجانے کیوں میرا من اُسی کے بارے میں سوچنا چاہ رہا تھا۔صرف اُسی کے بارے میں۔

☆......☆

اگلی صبح حسب معمول امی کچن میں ناشتا بنانے میں مصروف تھیں جب کہ سائرہ منھ بنا کر ان کی مدد کررہی تھی۔ کچھ دیر تک سائرہ نے برداشت کیا پھر چُھری رکھ کر منھ بنا کر کہنے لگی:

”کیا لڑکیاں اس لیے میکے آتی ہیں کہ اُن سے کام کرایا جائے؟“

”نہیں تو، کیوں؟“ امی نے مسکرا کر پوچھا۔

”تو پھر میں یہاں کھڑی ہوئی کیا کررہی ہوں؟ کیا گھر کے نوکر مر گئے ہیں؟“ سائرہ نے جل کر اپنی والدہ سے پوچھا۔

”سائرہ تم جانتی ہے کہ اظہر نوکروں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتا۔اس لیے جو کرنا ہے ہم ہی نے کرنا ہے......“ امی نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

”بھائی جان کے لیے تو کرنا پڑے گا ہی، مگر روحیل بھائی میری سمجھ سے باہر ہیں، ان کے کام مجھ سے نہیں ہوتے امی۔کل پارٹی میں کئی عورتوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمھارا وہ بھائی کہاں ہے جو انگریز عورت کا بیٹا ہے، کیا گھر میں کوئی بات ہوئی ہے؟ وہ کیوں نہیں آیا؟ بلا بلا۔لوگ تو ہزار سوالات کرنے لگتے ہیں۔“ سائرہ نے جل کر اپنی والدہ سے کہا۔

”میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ہوگا کہیں آوارہ گردی پر۔لیکن تمھارے ابا نے اُسے سر پر بٹھا کر رکھا ہوا ہے، یہ تو کہیں چلا بھی نہیں جاتا۔“ امی نے بھی اُکتا کر کہا۔

”چلے جائیں گے امی، اب ابا نے کچھ نہ کچھ کرکے ڈاکٹر بنا ہی دیا ہے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہو ہی جائیں گے......“ سائرہ نے منھ بنا کر کہا اور امی نے پلٹ کر کہا:

”میں تو اس بات کے بھی خلاف تھی کہ ہم روحیل کو ڈاکٹر کیوں بنائیں؟ ہمارا اظہر ہی صرف ڈاکٹر ہوتا تو کس قدر اچھا لگتا، پوری دنیا یہ دیکھ کر مان جاتی کہ ہمارے بیٹے میں کس قدر گن ہیں، مگر

ان کی ضد اور لگن کی وجہ سے روحیل بھی میڈکل کالج میں داخل ہو گیا۔ اب وہ بھی ڈاکٹر بنا پھرتا ہے ، اتراتا رہتا ہے ہر وقت جیسا کہ بہت بڑا کوئی......"

"Good Morning Ammi"

میری آواز سن کر دونوں چونک پڑیں اور میری طرف دیکھ کر جھینپ سی گئیں۔

"رو......روحیل بھائی آپ اٹھ گئے؟" سائرہ نے سنبھل کر کہا۔

"ہاں سائرہ۔"

میں نے اُداس مسکراہٹ لبوں پر لا کر کہا۔ میں اُن دونوں کی باتوں کو سُن چکا تھا مگر کسی بھی قسم کا جواب دینا غیر مناسب سمجھا اس لیے بات کو سہہ گیا۔ جلد ہی میں اپنی تائی سے مخاطب ہوا:

"امی آئی ایم سوری، میں کل رات دعوت کا حصہ نہیں بن سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

اُنھوں نے منھ پھیر کر جواب دیا اور کام میں مصروف ہوئیں۔

"میں آپ کے لیے شادی کا تحفہ لایا تھا، یہ دیکھیے۔"

میں نے پیار سے کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا خوبصورت سا ڈبہ لے کر ان کی طرف بڑھا۔

"کیا ہے اس میں؟" انھوں نے گردن گھما کر پوچھا۔

"آپ دیکھیے تو سہی۔"

میں نے مسکرا کر التجا کی اور وہ ڈبے پر سے گفٹ پیپر پھاڑنے لگیں۔ جلد ہی گفٹ پیپر ہٹا اور انھوں نے ڈبے میں ایک اعلیٰ ترین ساڑھی رکھی دیکھی۔

"Happy Belated Anniversary" میں نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ روحیل مگر تمھیں پتا ہے میں لال ساڑھی نہیں پہنتی۔ سائرہ یہ تم لے جانا، اپنی کسی آنٹی کو دے دینا، وہ خوش ہو جائیں گی۔" امی نے منھ بنا کر کہا۔

"او کے امی۔"

سائرہ نے بھی ایسے جواب دیا جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ میرا دل جل کر خاک ہو گیا۔ میں جس قدر محبت سے اپنی امی کے لیے ساڑھی لایا تھا انھوں نے اُتنی ہی نفرت سے اُسے ٹھکرا دیا تھا۔ میں نے الجھ کر اُن سے سوال کیا:

”آپ کو ساڑھی پسند نہیں آئی؟“

”روحیل بھائی! امی نے ایسا تو نہیں کہا!“

امی کے بجائے سائرہ نے تنک کر جواب دیا۔

”نہیں میں تو صرف پوچھ رہا ہوں۔“ میں نے الجھ کر کہا۔

”لیکن آپ کی ہر بات میں ایسا لگتا ہے جیسے آپ شکایت کر رہے ہیں۔ کبھی آپ کو اوٹین نہیں ملا تو شکایت، کبھی امی نے کھل کر ساڑھی کے بارے میں ذرا سا کیا کہہ دیا آپ کو اس کی شکایت، آپ تھوڑے سے Mature ہونے کی کوشش کریں...... ماشاءاللہ سے آپ ڈاکٹر ہیں اب......“

سائرہ نے طنز کیا اور میں نے سر جھکا لیا۔

”رہنے دو سائرہ، یہ ہر دن کی کہانی ہے۔“

امی منہ ہی منہ میں کہہ گئیں اور واپس کام میں مصروف ہو گئیں۔

”میں صرف آپ سے اتنا پوچھ رہا ہوں کہ اگر آپ کو ساڑھی نہیں پسند آئی تو میں اسے چینج کرا دیتا ہوں......“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

”نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے، تم کہاں مارے مارے پھرو گے، آخر کو تمھیں او پی ڈی بھی چلانی ہے۔ چلو میں خود دیکھ لوں گی کے اس کا کیا کرنا ہے۔“

امی نے خشک لہجے میں جواب دیا اور میں خاموش ہو کر ان کا چہرہ تکنے لگا۔ میں نے پلٹ کر سائرہ کو دیکھا تو وہ بھی منہ بنا کر انڈا اپھینٹتی نظر آئی۔ میں نے سرد آہ لی اور خاموشی سے کچن سے چلا آیا۔ سائرہ نے مجھے کن اکھیوں سے جاتے ہوئے دیکھا اور اپنی ماں سے مخاطب ہوئی:

”بہت بڑے کینہ پرور ہیں۔“

☆......☆

میں خاموشی سے باہر آیا تو صوفے پر ابا کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حسبِ معمول وہ اس وقت اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔ یہ ہر صبح کا معمول تھا، ابا کو صبح ہی صبح بیٹھ کر اخبار پڑھنا بہت پسند تھا۔ میں مسکرا کر ان کی طرف بڑھا اور انھیں سلام کیا:

”گڈ مارننگ ابا۔“

ابا نے مجھے چونک کر دیکھا اور منہ بنا کر کہنے لگے:

''شکر کے تمھارا چہرہ تو دیکھا میں نے، کہاں رہ گئے تھے تم کل رات کو؟''

''ابا پیشنٹ آ گیا تھا، وہ بھی کوئی اور نہیں بلکہ غلام حسن صاحب۔''

میں نے مسکرا کر بتایا اور ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔

''اوہ اچھا غلام صاحب؟...... جتنے بڑے فنکار ہیں اُتنے ہی ضدّی بھی ہیں......'' ابا نے ہنس کر کہا اور میں ہنسنے لگا۔

''بہت معروف اور بھلے انسان ہیں وہ۔ پاکستان کا اثاثہ ہیں وہ۔''

ابا نے مسکرا کر ان کی تعریف کی۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا پھر انھیں دیکھ کر کہا:

''ابا میں آپ کے لیے کچھ لایا تھا۔''

''اوہ ہاں ہاں یقیناً ہماری شادی کی سالگرہ کا تحفہ ہوگا۔ لاؤ دو جلدی۔''

انھوں نے بیتاب ہو کر یہ جملے کہے اور میں نے مسکرا کر کوٹ کی جیب میں سے ایک چھوٹا سا ڈبّہ نکال کے ان کے سامنے پیش کیا۔ ابا نے تحفہ خوشی سے وصول کیا۔ جلد ہی انھوں نے اُسے کھولا تو راڈو کی گھڑی رکھی ہوئی دیکھی۔

''مائی گاڈ، اس قدر خرچہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا اور میں مسکرا کر اُن سے گلے لگا:

"I love you, Abba"

"I love you too my son بہت خوبصورت تحفہ ہے۔'' انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

''شکریہ۔ آپ کو پسند آیا مجھے سب کچھ مل گیا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے بہت پسند آیا ہے، تم نے اپنی امی کو کیا دیا؟'' انھوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''ساڑھی دی ہے، انھیں بھی بہت پسند آئی ہے۔''

میں نے واپس صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اما چھوڑو!...... کیوں مذاق کرتے ہو یار۔''

انھوں نے ہنستے ہوئے یہ جملے کہے اور میں بھی ہنس پڑا۔ ان کے سامنے میرا جھوٹ

نہیں چلتا تھا۔

''دیکھو بیٹے، یہ عورت جو ہوتی ہے نا یہ بہت ہی حسّاس اور خطرناک چیز ہوتی ہے، یہ نصیب نصیب کی باتیں ہیں...... کسی کی زندگی میں عورت قدم رکھتی ہے تو گھر کو جہنم بنا دیتی ہے، اور کسی کو ایسی عورت ملتی ہے جو زندگی آباد کر دے۔ دنیا میں بڑے سے بڑے خطرناک ہتھیار بن چکے ہیں مگر خوبصورت حسینہ کا دوپٹّہ ہوا میں لہرا جائے تو حکومتوں کے تختے پلٹ جاتے ہیں۔ ان عورتوں کے سامنے پہلوانوں کی نہیں چلی تو ہم اور تم کیا چیز ہیں بھلا؟''

ابا ہنس کر کہتے چلے گئے۔

''اس قدر خوبصورت طریقے سے آپ نے کبھی عورت کو ڈفائین نہیں کیا۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے تمھیں کیا لگتا ہے کہ ہم نے کالج کی لائف نہیں گزاری؟ میاں تم سے کہیں زیادہ لڑکیاں دیکھی ہیں ہم نے۔''

انھوں نے اتراتے ہوئے یہ جملے کہے اور میرا دھیان ناز کی طرف چلا گیا۔ ابا نے بھلے ہی کئی لڑکیاں اپنی زندگی میں دیکھی ہوں پر جہاں تک میری بات تھی، ناز کو دیکھنے کے بعد اب کسی اور چہرے کو دیکھنے کی چاہ نہیں رہی تھی۔ میں نے ابا کو ایک نظر دیکھا اور پوچھ بیٹھا:

''ابا......کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟''

''پوچھو پوچھو ہزار باتیں پوچھو۔'' انھوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ کی زندگی میں کبھی کوئی خاص آیا؟''

میرے سوال پر ابا مسکرانے لگے اور مجھے ایک نظر دیکھا۔ میں ان کے جواب کا منتظر تھا۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے:

''ہاں......ایک بار...... جب میں تمھاری عمر کا تھا......اور او پی ڈی چلاتا تھا......''

''کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ؟'' میں نے انھیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں، یہ بات اکتوبر کی بائیس تاریخ کی ہوگی سن کون سا تھا یہ مجھے یاد نہیں، مگر ایک رات میں اپنی او پی ڈی سے نکل کر گھر کی طرف چلا کہ اچانک ایک لڑکی میرے کلینک میں داخل ہوئی اور ڈاکٹر مظہر کے بارے میں پوچھنے لگی۔ مجھے اس کی معصومیت پر ہنسی آ گئی، کیوں کہ

ڈاکٹر مظہر اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔ بدحواس اور پریشان حال وہ لڑکی ہر حال میں مجھے اپنے گھر لے کر جانا چاہتی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا مجھے جانا پڑا، اس کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، معمولی سا بخار تھا انھیں مگر اپنی والدہ کو لے کر وہ بہت پریشان تھی۔ والدہ کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے اس کی خوبصورتی کا جائزہ لینا بھی شروع کیا تو یہ بات میرے دل کو پتا لگ گئی کہ اُس جیسی حسین لڑکی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ کیا آنکھیں تھیں اس کی، کیا بال تھے اس کے، موتیوں سے تراشا ہوا جسم۔ وہ قدرت کا ایک انوکھا عجوبہ تھی۔''

ابا کہتے جا رہے تھے اور میرے ذہن میں نازکی تصویر بن رہی تھی۔ تاریخ نے اپنے آپ کو دوہرایا تھا۔ میں انھیں بغور سُنتا رہا۔

''جلد ہی ہم دونوں ڈاکٹر اور کلائنٹ سے بڑھ کر دوست بن گئے اور میری طرف سے دوستی پیار میں بدل گئی۔ من ہی من میں اُسے بہت چاہنے لگا تھا میں، ایک دن سوچا کے دل کی بات کہہ ہی ڈالوں۔ ہمّت کر کے گیا، اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور لگا کرنے انتظار اس کا۔ دروازہ کھلا مگر در پردہ موجود نہیں تھی، بلکہ ایک بدصورت سا، عجیب سا، گندی قسم کا نوجوان میری آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا۔ جلد ہی وہ حسینہ میرے سامنے آئی اور بہت ہی پیار سے کہنے لگی کہ ان سے ملیے یہ میرے شوہر ہیں، آج صبح شارجہ سے آئے ہیں۔''

"Oh God!!" میں منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

''یقین جانو روحیل اُس لمحے اگر کوئی چلّو بھر پانی بھی دیتا تو شاید میں اُس میں ڈوب کر خودکشی کر لیتا۔ میں اُسے کسی اور کے ساتھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا، اس لیے وہ لمحہ میری زندگی کا سب سے بدترین لمحہ بن گیا جہاں ایک شخص میری زندگی کا ہاتھ تھامے کھڑا میرا چہرہ تک رہا ہے۔ بہت بھاری سودا کیا تھا میں نے اُس دن۔''

ابا بیتے ہوئے دن یاد کرتے ہوئے کہتے چلے گئے۔

''بہت پیار کرتے تھے آپ اُس سے؟''

میں نے مسکرا کر پوچھا اور ابا نے میری طرف دیکھا تو میں انہی کا چہرہ تک رہا تھا۔ ابا کے چہرے پر کئی رنگ گزرے۔ لبوں سے مسکراہٹ جیسے رخصت ہوئی، دھیمے لہجے میں مجھے دیکھ کر کہہ پڑے:

''برخوردار......کبھی پیار مت کرنا......''

اُنھوں نے بہت ہی دھیرے سے یہ بات کہی اور میں سکتے کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ان کی آنکھوں میں پیار کی تڑپ آج بھی باقی تھی، میں ایک ہی پل میں سمجھ گیا تھا کہ ابا مجھے کیا مشورہ دے گئے ہیں۔ یہ ایک ایسے درد سے دُور رہنے کا مشورہ تھا جو شاید اس دنیا کا سب سے بُرا کرب تھا۔

☆......☆

''لمبا سانس لینا......''

اظہر نے اسٹیتھو اسکوپ بچّے کے سینے پر رکھ کر کہا اور بچّے نے لمبا سانس لیا۔سہارا اسپتال اس وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔اظہر اپنی، میں اپنی او پی ڈی میں موجود ایک بچّے کا معائنہ کرنے میں مصروف تھا۔ بچّے کی والدہ بھی اس وقت اس کے ساتھ موجود تھیں۔

''زرا اور لمبا سانس لو۔''

اظہر نے اسٹیتھو اسکوپ کو سُنتے ہوئے کہا اور بچّے نے لمبا سانس کھینچا۔

''او کے......''

اس کے منھ سے نکلا اور وہ پلٹ کر اپنی ٹیبل پر آ کر نوٹ پیڈ پر دوا لکھنے لگا۔

''سب ٹھیک تو ہے نا ڈاکٹر؟'' بچّے کی والدہ نے پوچھا۔

''جی جی ایک دم فٹ ہے آپ کا رونالڈو، بس زرا سا بلغم بیٹھا ہوا ہے، ان شاءاللہ کل صبح تک ختم ہوجائے گا اور یہ مائیکل جیکسن کی طرح گانے گاتے ہوئے آئے گا، میں Anti-Biotics نہیں لکھ رہا، نارمل کف سیرپ لکھ کر دیا ہے، ان شاءاللہ تین دن میں صحت یاب ہوجائے گا۔''

اظہر نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور نوٹ پیڈ پر سے پرچہ پھاڑ کر اُسے دیا۔

''تھینک یو ڈاکٹر۔'' بچّہ خوش ہو کر بولا۔

''اور ہاں، ایک ہفتے تک آئس کریم کھانی ہے نہ ہی کوئی سوفٹ ڈرنک پینا ہے۔او کے......!'' اظہر نے پیار سے کہا۔

''او کے ڈاکٹر!''

بچّہ مسکرا کر بولا اور وہ خوشی خوشی چلے گئے۔ اظہر نے آستین چڑھا کر وقت دیکھا کہ ایسے میں اس کا موبائل فون بجا۔ اظہر نے موبائل دیکھا اور مسکرا کر موبائل اپنے کان سے لگایا:

''ہیلو جان......کیسی ہو؟...... میں اس وقت اسپتال میں ہوں...... کچھ نہیں بس...... مکھیاں مارنے کا سوچ رہا ہوں، تم تو جانتی ہو یہ کام میں بہت اچھا کرتا ہوں...... ہمم...... ہاں...... ہاہاہاہا...... تمھیں میری ٹانگ کھینچنے کے علاوہ کچھ آتا بھی ہے؟...... اچھا بابا میں ہوگیا خاموش...... اب تم بولو...... اچھا...... ہمم...... اوہ اچھا پھر؟...... ہمم...... یہ تو بہت اچھی خبر ہے...... زبردست...... بس تم اسی طرح رہو...... مجھے بتاتی رہنا...... نہیں نہیں ابھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے...... ارے میں کہہ رہا ہوں نا...... اچھا یہ بتاؤ...... امی کیسی ہیں؟...... اور ڈیڈی؟...... چلو میرا سلام کہنا انھیں...... ہاں ہاں......I love you ارے بابا زور سے نہیں بول سکتا یہ اسپتال ہے...... یہاں آئی لو یو کی اجازت نہیں ہے...... اگر نرس خوبصورت ہو تو پھر اجازت ہے...... ارے!! ارے!! ارے!!......فون پر سے نکل کر مت ماردینا مجھے...... چلو اوکے اب میں رکھتا ہوں...... خدا حافظ...... اچھا سُنو...... ایک بات کہنی تھی......I love you ہاں اوکے I love you too خدا حافظ......''

یہ کہہ کر اظہر نے فون بند کیا اور مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اس کے قدم جنرل وارڈ کی طرف اٹھ رہے تھے۔ اسپتال اس وقت لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ویسے بھی اسی وقت تھا جب لوگ اپنے پیاروں سے ملنے کے لیے اسپتال آجایا کرتے تھے۔ انہی لوگوں کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے اظہر جنرل وارڈ میں پہنچا اور اس نے مجھ کو دیگر نرسوں کے ہمراہ پایا۔ میں نرسز کے درمیان میں گھرا ہوا ایک مریض کا معائنہ کر رہا تھا۔

"Dr.Rohail, May I talk to you in private?" اظہر نے آ کر مجھ سے اجازت طلب کی۔

"Sure, just wait outside"

میں نے مسکرا کر کہا اور اظہر جنرل وارڈ سے نکل کر میرا انتظار کرنے لگا۔ میں ایک ہی منٹ میں کام ختم کر کے باہر آیا:

''ہاں اظہر بولو......

''میرا اچھا بھائی ......میری ایک چھوٹی سی مدد تو ضرور کرے گا......''اظہر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''خیریت؟......آج پھر کسی Chick کے ساتھ ڈیٹ ہے؟''میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''آج نہیں کل۔آج تو اسنوکر کلب جانا ہے،تم جانتے ہو میں دوستوں کے ساتھ اکثر اسنوکر کھیلنے جاتا ہوں۔کل ڈیٹ ہے اور ایک بار پھر آپ کو آج رات اور کل رات نو بجے تک کام کرنا پڑے گا......''اس نے مسکرا کر کہا۔

''اظہر آخر اس زندگی میں کتنی لڑکیوں سے ڈیٹ کرنے کا پلان ہے تمھارا؟''میں نے ہنس کر پوچھا۔

''پتا نہیں دوست مگر زندگی کا کوئی بھروسا نہیں......اس سے زیادہ بے وفا چیز شاید ہی کوئی ہو......اس لیے اپنی زندگی کو جینا چاہتا ہوں......وقت پلٹ کر واپس نہیں آتا روحیل......''اظہر مسکرا کر کہتا چلا گیا۔

''ارے بےفکر رہو،تمھیں کچھ نہیں ہونے والا۔''میں نے مسکرا کر چلتے ہوئے کہا۔

''نہیں روحیل...... I Strongly feel کہ موت میرے بہت قریب ہے......میں ہر بار موت کو دھوکا دے جاتا ہوں......مگر مجھے ایک انجان سا احساس ضرور ہے......ایسا لگتا ہے کہ موت میرے پیچھے لگی ہے......ہر وقت۔''

یہ بات اظہر نے بہت عجیب سے لہجے میں کہی اور میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔وہ جیسے کسی اور خیالوں کی دنیا میں چلا گیا تھا۔ایک ہی پل میں چونک کر کہنے لگا:

''مگر مجھے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ میری ماں اور ابّا ں کے پاس ان کا بیٹا روحیل ہے......جو ان کا بہت خیال رکھے گا۔''

میں نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور کہا:

''اللہ کرے تمھیں میری عمر بھی لگ جائے۔''

''ابے او!...... تیری برباد زندگی پا کر میں کروں گا بھی کیا؟اتنی خراب زندگی نہیں چاہیے بھائی۔''

اظہر ہنس کر کہا۔

''ہاں ہاں ٹھیک کرلوں گا اپنی زندگی، ویسے اپنی زندگی میں کون ہے پیارے، کوئی لڑکی نہ کوئی دوست......'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''یہی تو تیری سب سے بڑی بھول ہے۔ تم پر لڑکیاں مرتی ہیں اور تم ہو کے لڑکیوں سے ڈر کر بھاگتے ہو۔ آخر ایسی کنواری زندگی کب تک چلتی رہے گی؟''

اظہر نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں لڑکیوں سے بھاگتا ہوں، کیوں کہ میں ایک لڑکی کا ہو کر رہنا چاہتا ہوں۔ "Just like my father did" میں نے اترا کر کہا۔

"Rohail, your father went away right after when he found the right girl. But I think you're gonna be vanish without even seing her" اظہر نے منہ بنا کر کہا۔

"Well... ahmm it's not exactly like that" میں نے الجھ کر کہا۔

''کیا مطلب؟'' اظہر نے چونک کر پوچھا۔

''کچھ نہیں......'' میں نے ایک دم سے کہا۔

''پتا نہیں تمھارے ذہن میں کیا ہے مگر میرا مشورہ اتنا سا ہے کہ اگر تمھیں تمھاری پسند مل گئی ہے تو اُسے ڈر کر چھوڑ مت دینا۔ حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا۔''

اظہر نے مُکّا دکھا کر کہا۔

''اہمم......کس طرح؟'' میں نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ویل...... محبت میں کچھ کام ایسے کرنے پڑتے ہیں جو آپ ڈیلی لائف میں نہیں کرتے۔ کچھ بہادروں والے فیصلے لینے پڑتے ہیں...... کچھ ہٹ کے...... جو آپ نے کبھی نہیں کیا ہوتا......بس اس طرح کے فیصلے کرنے میں ہچکچانا مت، پھر دیکھنا کس طرح لائف بنتی چلی جاتی ہے۔''

اظہر نے مسکرا کر مجھے مشورہ دیا اور میں سوچنے لگا۔

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے پر...... یہ کون بتائے گا کہ کون سا فیصلہ نہیں کرنا، جو کرنا ہے؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یہ تمھارا دل بتائے گا۔''

اظہر نے آنکھ مار کر یہ جملے کہے اور ہنستا ہوا چل دیا۔ میں اس کی بات سن کر اسپتال کے کوریڈور میں کھڑا رہ گیا، اظہر نے مجھے کچھ راستے دکھا دیئے تھے اور اب میری سمجھ میں کچھ کچھ آرہا تھا۔ میرا ذہن اب تیزی سے کام کرنے لگا۔

☆......☆

دوپہر دو بجے کے قریب میں ایک پارک کے بینچ پر بیٹھا ہوا ناز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کچھ کبوتر میرے سامنے دانے چُگ رہے تھے اور میں انھیں دیکھے جا رہا تھا۔ سوچتے سوچتے میں نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کے اسکول کا کارڈ نکالا۔ Horizon Public School for Deaf Children اس کے اسکول کا نام تھا اور نیچے پتا لکھا ہوا تھا۔ اس طرح کے اسکول عام طور پر دوپہر ایک بجے سے لے کر شام چھ بجے تک کھلے رہتے تھے، اس لیے میں یقین سے یہ بات کہہ سکتا تھا کہ ناز اسکول میں موجود ہوگی۔ اس نے مجھے بہت ہی اخلاق اور پیار سے اسکول آنے کے لیے دعوت دی تھی۔ میں اس وقت اس کے اسکول جانا چاہ رہا تھا مگر یہ سوچ کر عجیب سا لگ رہا تھا کہ پتا نہیں ناز کیا سوچے۔ کہیں اُس کے دل میں یہ بات نا آجائے کے ایک دن کی ملاقات میں، میں اُس سے کچھ زیادہ ہی فری ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جب ذہن ان باتوں کی طرف سوچتا تو نفی میں گردن کو جھٹکا دینے لگتا، مگر پھر خیال آتا کہ اُس نے مجھے خود آنے کی دعوت دی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہو۔ یہ سوچ کر میں ہاں میں سر ہلانے لگتا، مگر پھر الٹ خیالات آنے لگتے۔ تنگ آ کر میں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ تھک رہا تھا، کہ ایسے میں مجھے اظہر کے جملے یاد آئے۔ اس نے مجھے کچھ ایسے فیصلے کرنے کے لیے کہا تھا جو میں روزمرہ کی زندگی میں نہیں کرتا مگر وہ فیصلے مجھے کرنے ہوں گے۔ اس بارے میں سوچ کر میری روح نے ہمّت پکڑی اور آنکھوں میں ایک عجیب سی خوشی آگئی۔ میں نے ہمّت کی اور فیصلہ کر لیا کہ آج ناز کے اسکول جا کر رہوں گا۔ اب میں مسکرا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆......☆

میں گاڑی دوڑاتا ہوا ناز کے اسکول کی طرف جا رہا تھا۔ Horizon School ڈھونڈنے

میں مجھے کوئی دقّت نہیں ہوئی کیوں کہ یہ بہادر آباد کا کافی مشہور اسکول تھا۔گاڑی لاک کر کے میں اسکول کی بلڈنگ کے سامنے جا پہنچا تو کئی معذور بچّوں کو اپنے والدین کے ساتھ آتے جاتے دیکھا۔ میں خاموشی سے اندر چل دیا۔دروازے پر موجود محافظوں نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اندر داخل ہوا تو اسکول کے ریسپشن پر ایک لڑکی کو بیٹھے دیکھا۔ میں اس کی طرف بڑھا اور سلام کیا:

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! جی کہیے؟'' اس نے پیار سے پوچھا۔

''اہم مجھے مس گل ناز سے ملنا ہے۔'' میں نے دھیرے سے اس کا نام لیا۔

''وہ اس وقت ہال میں موجود ہیں اور اسٹیج پر اسٹوڈنٹس کو فنکشن کی پریکٹس کرا رہی ہیں۔'' اس نے مجھے دیکھ کر بتایا۔

''اہم ......کیا میں ہال میں جا سکتا ہوں؟'' میں نے گڑبڑا کر پوچھا۔

''جی ہاں بالکل، آپ یہاں سے لیفٹ جا کر رائٹ کی طرف مڑ جائیں۔تھوڑا سا آگے جا کر، آپ کو لیفٹ سائیڈ پر ہال نظر آ جائے گا۔'' اس نے بتایا۔

''شکریہ!''

میں نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بتائے ہوئے رستے پر چل پڑا۔ہال میں پہنچنے میں مجھے ذرا سی بھی دقّت نا ہوئی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے لگا۔جلد ہی میرے کانوں میں ایک خوبصورت آواز جیسے رس گھولنے لگی۔ یہ بلاشبہ ناز کی آواز تھی...... جو اپنے Handicap Students کو پریکٹس کروا رہی تھی۔

میں ہال میں داخل ہوا تو ناز کو دیکھ کر مسکرا اٹھا۔اُس لمحے اس نے پیلا کُرتا اور سفید پجامہ پہنا ہوا تھا۔سفید دوپٹہ کمر پر کسا ہوا اور بالوں کا جُوڑا بنا ہوا تھا۔ایک بار پھر وہ پسینے میں بھیگی ہوئی تھی اور اُتنی ہی خوبصورت لگ رہی تھی جتنی اُس رات لگی تھی۔ میں مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔

گل ناز اپنے نازک ہاتھوں کو فضاؤں میں لہرا کر وہ بچّوں کو ڈانس کے اسٹیپس سکھا رہی تھی اور معذور بچّے اُسے اس قدر پیار سے دیکھ رہے تھے کہ جیسے ان کے سامنے آسماں سے کوئی پری آ گئی ہو۔ میں مسکرا کر اُسے دیکھتا رہا، شاید اس لمحے مجھے بھی وہ آسمان سے آئی

ہوئی کوئی پری لگ رہی تھی۔

''ہوآیو؟''

ایک آواز نے مجھے چونکا دیا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک معذور بچّے کو برابر میں پایا۔وہ مجھے گُھور کر دیکھ رہا تھا۔

''اہمم جی؟''میرے منہ سے نکلا۔

''ہوآیو؟''اس نے ہاتھ ہلا کر پوچھا۔

''اہمم سوری میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''میں نے پریشان ہو کر کہا۔

''یوآ بو......بو با بو......با ہو......نا......ہوآیو؟''

وہ ہاتھ چلا کر کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا۔

''اہمم آئی ایم سوری......میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔''میں نے گھبرا کر کہا۔

''انگلز......''وہ بولا۔

''انگلز؟''میں نے حیران ہو کر کہا۔

''انگلز!!......انگلز!!......''وہ غصے میں بولا۔

''اوہ آپ کا مطلب انگلش!''میں نے خوش ہو کر کہا پھر جلدی سے کہا:

"Yes I can talk in english, can you?"

"You Freak!"

اس بار اُس نے مہارت سے مجھے گالی دی اور میں حیران ہو کر اس کی طرف تکنے لگا۔

''ارے؟ ڈاکٹر روحیل آپ؟''

نازکی آواز سن کر میں نے پلٹ کر اس کا چہرہ دیکھا تو اس کا خوبصورت چہرہ اپنی طرف پایا۔

''اہمم......السلام علیکم!''میں نے گھبرا کر کہا۔

''وعلیکم السلام! مگر آپ یہاں کیسے؟......اور یہ آپ مونی سے کیا باتیں کر رہے تھے؟''اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''اہمم جی کون؟''میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''مونی!!......''معذور بچّہ غرا کر بولا۔

''اوہ اچھا آپ مونی ہیں۔ "Nice to meet you moni"

میں نے خوش ہو کر مونی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وہ بھی ہنس کر مجھ سے ہاتھ ملانے لگا۔

''آپ دونوں نے تو بہت جلدی دوستی کر لی۔'' ناز نے مسکرا کر ہمیں دیکھا۔

''جی بس، ہمارے جذبات کچھ کچھ ایک جیسے ہی نکلے۔''

میں نے ہنس کر مونی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا، اس وقت وہ بھی مسکرا رہا تھا۔

''آپ بھی نا......'' ناز نے ہنس کر کہا، پھر بولی:

''آپ یہاں اسٹیج پر آیئے......''

''جی......''

میرے منھ سے نکلا اور مونی کی طرف دیکھا تو وہ بھی مجھے گُھورتا ہوا نظر آیا۔ میں گھبرا کر اسٹیج کی طرف چل دیا۔ جلد ہی میں اسٹیج پر آیا۔

''ڈاکٹر روحیل ان سے ملیں، یہ میرے اسٹوڈنٹس ہیں۔''

ناز نے بچّوں کی طرف اشارہ کیا اور بچّے مجھے منھ بنا کر تکنے لگے۔

"Hello Children" میں نے مسکرا کر کہا۔

"Hello, Fine Thank You"

سب بچّے ایک ساتھ کچھ نہ کچھ کہنے لگے اور میں ہنس پڑا۔

ناز بھی میرے ساتھ ہنس رہی تھی۔

''ماشاءاللہ بچّے انگریزی جانتے ہیں...... بچّوں پر آپ نے کافی محنت کی ہے۔'' میں نے ناز کو دیکھ کر اس کی تعریف کی۔

''یہ بچّے میرے لیے سب کچھ ہیں، انھیں دیکھ کر مجھے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ خدا نے مجھے کیا کچھ دیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو خدا نے ہمیں عطا کیا ہے وہ ہم انھیں نا دیں۔ میں جانتی ہوں کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک دوست کہیں نہ کہیں چھپا کر رکھا ہے...... کوئی ایسا دوست جو کہیں دُور ہے...... کسی اندھیرے میں ہے...... جس کی انھیں ہر پل ضرورت ہے...... میں بس ان کی وہ دوست بن کر رہتی ہوں...... انھیں زندگی سے لڑنے کی ہمّت دیتی ہوں...... شاید میں انھی کے لیے ہوں...... اور یہ میرے لیے......''

ناز جیسے خوابوں میں کہہ رہی تھی اور میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔

''آپ اُس بچّی کو دیکھ رہے ہیں ڈاکٹر؟...... وہ نتاشا ہے...... وہ سن سکتی ہے نہ بول سکتی ہے...... الفاظ کسے کہتے ہیں...... محبت بھرے جملے کیا ہوتے ہیں...... غزل...... شاعری...... اُردو...... دنیا کی ان چند خوبصورت نعمتوں سے وہ محروم ہے...... زندگی نے اُسے سانسوں کے سوا کچھ نہیں دیا......''

ناز اُسے دیکھ کر کہتی گئی اور میں نتاشا کا چہرہ دیکھنے لگا، واقعی وہ سب سے الگ تھلگ ویل چیئر پر بیٹھی تھی، اور اس لمحے رو رہی تھی۔ اُسے نہ کوئی چُپ کرا رہا تھا نہ ہی وہ کسی کے پاس جا رہی تھی۔ وہ بس اکیلی سی تھی۔

''لیکن نتاشا محبت کی زباں ضرور سمجھتی ہے، اور میں اُس سے محبت کی زباں کہتی ہوں۔''

ناز نے انتہائی محبت سے یہ جملے کہے اور نتاشا کے پاس چلتی چلی گئی۔

میں حیرت کے عالم میں اُسے نتاشا کے پاس جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ناز اس کے پاس پہنچی اور اپنے زانوؤں پر بیٹھی۔ معصوم نتاشا آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر روئے جا رہی تھی۔

''......شش......ناز آ گئی ہے......''

اُس نے پیار سے اس کے گالوں پر ہاتھ پھیرا اور پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ناز اس لمحے اس قدر پیار سے اس کے بال سہلا رہی تھی کہ بچّی سکون میں آنے لگی۔ ناز نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما، دوسرا ہی لمحہ میرے لیے حیران کُن ثابت ہوا۔ نتاشا خاموش ہوگئی اور آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر ناز کو دیکھنے لگی۔ ایک پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ ناز اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتی رہی اور نتاشا اس کے ہاتھوں کو محسوس کر رہی تھی۔ میں حیرت اور تجسّس سے یہ لمحہ دیکھنے لگا۔ دو پل میں ہی نتاشا بالکل نارمل ہوگئی، اب اس کے لبوں پر مسکراہٹ موجود تھی۔

ناز اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔ نتاشا کو تکتے ہوئے کہنے لگی:

''میں اس کی زبان بنتی چلی گئی......اس کے الفاظ بنتی چلی گئی......آج وہی بچّی......میرے ساتھ اس اسٹیج پر ڈانس پریکٹس کر رہی ہے...... میں نہیں جانتی کہ میں کس حد تک اپنی کوشش میں کامیاب ہوئی ہوں......مگر اُس بچّی کا چہرہ دیکھ کر...... میں کہہ سکتی ہوں کہ میں کامیاب ہوئی ہوں......ہاں......ہاں میں کامیاب ہوئی ہوں......''

ناز نے اُسے تکتے ہوئے یہ جملے کہے اور میں ناز کا چہرہ دیکھنے لگا۔اس کی آنکھوں میں جذبات، لبوں پر کپکپاہٹ اور پیار سے بھرا دل دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔واقعی خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا اس سے اچھا شکر کسی اور طرح ادا نہیں ہوسکتا تھا۔

''آپ ان سے بات کریں گے؟'' ناز نے اپنا حسین چہرہ میری طرف کر کے پوچھا۔

''میں؟'' میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ہاں، بہت آسان ہے،شاید آپ نتاشا سے ابھی بات نہ کر پائیں مگر یہ سب آپ کی بات سمجھیں گے۔ یہ صرف انگلش سمجھتے ہیں، ہم نے انھیں انگلش سکھائی ہے۔تا کہ آنے والی زندگی سے یہ بھرپور فائدہ اٹھاسکیں۔آپ ان سے بات کریں نا۔'' ناز نے میرے پاس آ کر کہا۔

''اوکے......میں کوشش کرتا ہوں۔''

میں نے گھبرا کر یہ جملے کہے اور قدم اٹھا کر آگے بڑھائے۔ میں ایک ڈاکٹر تھا اس لیے مریضوں کی ذہنیت کو سمجھتا تھا مگر آج تک میں نے معذور بچّوں سے گفتگو کی تھی نہ ہی اُن سے بات ،اس لیے مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں اُن سے کیا کہنے جا رہا ہوں، مگر ناز کے لیے مجھے یہ کرنا پڑ رہا تھا۔

"Ahmm... hello everyone, I'm your new friend. Would you guys also like to be my friend?" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"No!"

سب بچّوں نے گردن ہلا کر کہا اور میں گھبرا گیا، جب کہ ناز مسکرا رہی تھی۔ میں نے اپنی حالت پر قابو پایا اور کہا:

"But I can be your good friend. I can read stories for you perhaps can sing for you if you like"

"Can you?" ایک بچّے نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"Yeah I guess" میں نے مسکرا کر کہا۔

"Then sing to us" وہ سب ایک ساتھ بولے اور اسٹیج پر بیٹھ گئے۔

"What!... no no I did'nt mean right now, maybe we can do

"this another time" میں نے گھبرا کر کہا۔

''روحیل......'' ناز کی آواز سن کر میں نے چونک کر اُس کو دیکھا۔

''سُنا دیں نا کچھ...... بچّے اپنے نئے دوست سے کچھ سننا چاہتے ہیں......''

ناز نے یہ جملے اس قدر پیار سے کہے کہ میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔اس نے کچھ اس پیار سے مجھ سے کہا کہ مجھ میں اب منع کرنے کی طاقت نہیں رہی۔ناز آہستہ آہستہ میرے دل پر قبضہ کر رہی تھی اور مجھے ایسا لگا جیسے کہ میں اس کا دیوانہ ہو رہا ہوں۔

''ٹھیک ہے......میں......مائیکل جیکسن کی ایک نظم کہتا ہوں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مائیکل جیکسن؟'' ناز ہنسنے لگی۔

''بہت کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ مائیکل جیکسن نے نظمیں بھی کہی ہیں، انہی میں سے ایک پیش کرتا ہوں۔''

میں نے مسکرا کر بتایا اور ناز خاموشی سے مجھے تکنے لگی۔

اب پلٹ کر میں نے بچّوں کی طرف دیکھا تو وہ سب میرے ہی منتظر نظر آئے۔میں نے اپنا گلا صاف کیا اور سب پر ایک نظر ڈالی۔سب بچّے مجھے ہی تک رہے تھے۔میں ان کی معصومیت دیکھ کر مسکرا دیا، اور پھر میرے دل سے ایک آواز نکلی:

"All ....alone... wishing on stars, waiting for you ....to find me....One sweet night,..... I knew I would see....a.. ...stranger who would be.... my friend..."

میں نے انگلش میں ایک نظم سُنانا شروع کی اور بچّے مجھے حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ناز بھی مجھے حیرت سے دیکھنے لگی۔شاید میری نظم انھیں اچھی لگی تھی، یہ سوچ کر مجھ میں ہمّت آئی اور میں نے مزید گایا:

"When someone in the dark reaches out to you, and touches of a spark that comes shining through, it tells you never be affraid"

میں نے انھیں دیکھ کر گایا اور بچّے خوشی سے مسکرانے لگے۔ناز اس لمحے ہاتھوں کو باندھے ہوئے میری طرف دیکھ رہی تھی۔بچّے اب مجھ سے متاثر ہو رہے تھے۔انھیں سمجھ آ رہا تھا کہ میں

اُن سے کیا کہہ رہا ہوں اور یہ دیکھ کر مجھے بھی حوصلہ ہوا۔

میں نے اپنا گلا صاف کیا اور نظم کو مزید گایا:

"Then somewhere in your heart you can feel the glow, A light to keep you warm when the night winds blow, like it was written in the stars.... I knew.... my friend ...my someone in the dark.... was you"

میں اپنی ہی دھن میں گاتا چلا جا رہا تھا اور ناز سکتے کے عالم میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ بچّے بھی محو ہو کر مجھے دیکھ رہے تھے، شاید اس قدر پیاری نظم انھوں نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ میں مسکرایا اور چلتا ہوا ایک بچّے کے پاس آ کر بیٹھا۔ اس کا ہاتھ تھاما:

"Promise me, we'll always be, walking the world.... together"

یہ گا کر میں نے دو بچّوں کو دیکھا:

"Hand in Hand.....where dreams never end"

میں اپنے پیروں پر آیا اور اوپر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر گایا:

"My star secret friend.... and me...."

میرے ساتھ بچّے بھی اوپر دیکھنے لگے، یہی نہیں ناز نے بھی اوپر دیکھا۔

تب ہی میں بچّوں کی طرف پلٹا اور گایا:

"When someone in the dark reaches out to you and touches of a spark that comes shining through, it tells you never be affraid. Then somewhere in your heart you can feel the glow, A light to keep you warm when the night winds blow, Look for....the rainbow.... in the sky!"

یہ گا کر میں نے ناز کا چہرہ دیکھا اور گایا:

"Oh I beleive..... you and I..... could never really say good bye..."

میرے اس گانے پر ناز مسکرا کر میرا چہرہ تکنے لگی۔

میں پلٹا اور ہاتھ پھیلا کر بچّوں کو دیکھا:

"Where ever you may be, I'll look up and see, there's someone in the dark for me. Where ever you maybe,.... I'll look up and see, ...there's someone in the dark..... for me"

بچّے انتہائی خوشی سے تالیاں بجانے لگے اور مجھے پیار سے دیکھنے لگے۔ناز کے چہرے پر ہنسی بھی تھی اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو۔بچّوں نے مجھے دوست بنالیا تھا۔ایسے میں میری نظر اُس نتاشا پر پڑی جو حیران ہو کر مجھے دیکھ رہی تھی، میں مسکرا کر چلتا ہوا اس کے پاس گیا۔وہ مجھے تکتی رہی، میں اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھا اور اس کے گالوں پر ہاتھ رکھ کر گایا:

"Where ever you maybe....... I'll look up and see.......

there's someone in the dark........ for.......me..."

اس لائن کو کہہ کر میں نے اپنی نظم مکمل کی اور نتاشا ہنس کر مجھ سے لپٹ گئی۔ناز یہ لمحہ دیکھ کر حیران رہ گئی، دیگر بچّوں کے ساتھ ساتھ میں نے نتاشا سے بھی کلام کیا تھا، محبت کا کلام، جسے نتاشا نے خوب سمجھا۔اس قدر جلد نتاشا مجھ سے گُھل مل جائے گی ناز نے سوچا نہ تھا۔اس لمحے ناز کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر مسرت۔آنکھوں میں حیرت اور خوشی کے ساتھ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔بچّے اب خوشی سے میری طرف دوڑ پڑے۔اب وہ مجھ سے گلے لگ رہے تھے، میرے گالوں پر پیار کر رہے تھے۔میں مسکرا کر انھیں بانہوں میں لیے ہوئے تھا۔یہ بھولے ہوئے کہ وہ معذور بچّے ہیں، بس صرف اتنا یاد تھا کہ وہ سب میرے دوست ہیں۔معذور لوگوں سے میں بھاگا کرتا تھا، اُن سے دُور رہا کرتا تھا مگر اس لمحے جس قدر سکون اور راحت مجھے ان معذور بچّوں سے مل کر ملی تھی، میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔میں ناز کے اُس سپنے کو محسوس کر گیا تھا جو وہ ان بچّوں کے لیے دیکھتی تھی۔میں اس کی باتوں کو محسوس کر گیا تھا...... ہاں میں محسوس کر گیا تھا۔

☆......☆

رات گیارہ بجنے کو تھے۔ ریسٹورنٹ ابھی بھی کھچا کھچ بھرا تھا اور لوگ اپنی دھن میں ادھر اُدھر مگن تھے۔ پر میں اپنی یادوں میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ مجھے آس پاس ہوتی ہوئی کسی بات کا احساس نہیں رہا۔ نادیہ بہت غور سے میری کہانی سُن رہی تھی، مگر اس پل ہم دونوں ہی خاموش تھے۔ اس بات کا احساس جب نادیہ کو ہوا تو وہ بول اُٹھی:

''چُپ کیوں ہو گئے؟......آگے کہو نا؟''

''آئی ایم سوری......شاید میں تمھیں بور کر رہا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں......بالکل بھی نہیں، اور اگر تمھیں ایسا لگ رہا ہے تو ٹھیک ہے......کرو مجھے بور۔''

نادیہ نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور میں اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔ کچھ حوصلہ ہوا اور اُسے دیکھ کر اپنی کہانی پھر سے سُنانا شروع کی۔

☆......☆

''زندگی کی فلم میں ریوائنڈ کا بٹن نہیں ہوتا...... جو ہوگیا سو ہوگیا...... وہ پلٹ نہیں سکتا......'' کچھ یہی احساس میرے ساتھ ہمیشہ کے لیے رہ گیا۔ اسکول میں وہ حیرت انگیز پل گزارنے کے بعد ناز کے دل میں میرے لیے ایک بہت ہی اہم جگہ بن گئی تھی، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ دوستی تھی یا کچھ اور......مگر کچھ تھا...... کچھ ایسا رشتہ ضرور تھا...... جہاں ہم اپنے دل کی باتیں

ایک دوسرے سے کہنا چاہتے تھے......

شام چار بجے...... بہادر آباد کے ایک چھوٹے سے پارک میں...... ہم دونوں بینچ پر بیٹھے ہوئے زندگی کو دیکھ رہے تھے...... ہرے بھرے درخت ہواؤں سے لہرا رہے تھے...... چھوٹے چھوٹے بچّے جھولوں پر کھیل رہے تھے......شام کا یہ وقت کراچی سے کہیں زیادہ خوبصورت شاید کہیں اور ہوتا ہو......اس لمحے زندگی اپنی عروج پر ہوتی تھی......اور میں اس لمحے کو جی رہا تھا...... وہ بھی ناز کے ساتھ......۔

میں نے اپنے حالات ناز کو بتائے کہ کیا کچھ میرے ساتھ میرے گھر میں ہوتا رہا ہے۔

''اوہ......''

ناز کے منھ سے نکلا اور اس نے سر جھکا لیا۔

میں نے گہرا سانس لیا:

''میری تائی امی نے مجھے اپنا کبھی نہیں سمجھا...... میں نے اُن سے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے اپنا بیٹا کہیں......مگر اتنا تقاضا ضرور کیا......کہ وہ مجھے انسان سمجھ کر کبھی میرے دکھوں کو سمجھ سکیں...... میں ایک یتیم تھا ناز......ایک ایسا یتیم جس نے اپنے ماں باپ کا چہرہ کبھی دیکھا ہی نہیں تھا...... مجھے صرف محبت کی تلاش تھی......مگر امی کی طرف سے وہ محبت مجھے کبھی نہیں مل سکی...... محبت تو دُور کی بات ہے......میں ان کی نفرت کا شکار بنتا چلا گیا......اور یہ نفرت......دراصل ایک انتقام ہے...... میری ماں سے جلن کا انتقام......''

میرے یہ کہنے پر ناز سر جھکا کر سوچنے لگی۔

''تائی امی کے بعد...... گھر میں میری دادی ہیں...... میری پیاری سی لولی دادی جو میری سب کچھ ہیں۔ دادی مجھ سے پیار کرتی ہیں کیوں کہ میں ان کا پوتا ہوں، مگر زیادہ پیار وہ اس لیے کرتی ہیں کیوں کہ میں ایک یتیم ہوں۔ میری ماں ایک کافر عورت تھی مگر میری پرورش مسلمان طور تریقے سے ہوئی۔ میں ان کا یہ احسان شاید ہی کبھی چُکا سکوں۔'' میں جیسے اپنے آپ سے کہتا گیا۔

''اور کون کون ہیں گھر میں؟'' ناز نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''ابا ہیں۔ ڈاکٹر مظہر جنھیں آپ بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ پھر میرا بھائی اظہر ہے، ڈاکٹر اظہر۔ ایک بچّے کو والدین کے بعد اگر کسی کی ضرورت ہوتی ہے تو ایک بڑے بھائی کی، تاکہ وہ

آپ کو پل پل خبردار کر سکے زندگی کی رکاوٹوں کو حل کرنے میں مدد کر سکے۔ اظہر میرے لیے ایک ایسا ہی بھائی ثابت ہوا۔ میں اُسے اپنے سگے بھائی سے بھی بڑھ کر مانتا ہوں۔"

میں نے اُسے بتایا اور ناز مسکرانے لگی۔

"اس کے بعد میری چھوٹی بہن سائرہ۔ میں سائرہ کو بھی اپنی سگی بہن کی طرح سمجھتا ہوں، مگر کبھی کبھی سائرہ اس بات کی حقیقت مجھ پر ظاہر کر دیتی ہے کہ وہ سگی بہن صرف اظہر کی ہے۔ میں اس کے لیے کسی اجنبی کی طرح ہی ہوں۔ کاش کے میری بہن کبھی مجھے اپنا سگا بھائی کہہ سکے۔"

میں نے حسرت بھرے لہجے میں یہ جملے کہے اور ناز سوچنے لگی۔

"لیکن آج آپ کے اسکول آ کر...... مجھے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ زندگی نے مجھے بہت کچھ دیا ہے...... چلتے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں...... زندگی دیکھنے کے لیے آنکھیں دی ہیں...... خوشی اور غم محسوس کرنے کے لیے مجھے ایک دل دیا ہے...... شاید میرے لیے یہی کافی ہے...... اس لیے مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں ہے...... کوئی شکایت نہیں ہے......" میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک کہا آپ نے...... انسان کے پاس اگر کچھ نا ہو...... پھر بھی اس کے پاس اپنا آپ ہوتا ہے...... زندگی ایک حسین چیز ہے...... جو ایک پل میں مٹ جاتی ہے...... اسے شکایتوں سے نہیں...... بلکہ خوشیوں سے گزار دینی چاہیے۔" ناز نے دھیرے سے کہا۔

"کیا آپ کو کبھی زندگی سے کوئی شکایت رہی ہے ناز؟" میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

میرا سوال سن کر وہ سوچنے لگی، کچھ ہی پل میں وہ مسکرائی اور کہنے لگی:

"میں نہیں جانتی...... کہ جو میں ہوں...... کیا میں اُس سے بہتر ہو سکتی تھی...... یا اس سے کمتر...... مگر میں اتنا جانتی ہوں...... کہ میں اپنے آج سے بہت خوش ہوں...... میرے پاس سب کچھ ہے...... پیار کرنے والے اسکول میں بچّے ہیں...... امی اور ڈیڈی ہیں...... دوست ہیں...... آپ ہیں......"

ناز کے یہ جملے سن کر میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔

"جی روحیل...... آپ چاہیں کبھی مجھے دوست سمجھیں یا نا سمجھیں...... مگر میں نے آپ کے اندر ایک دوست کو دیکھا ہے...... اور سچ پوچھیے...... میں اُس دوست کو...... کبھی چھوڑنا نہیں چاہتی......"

ناز نے یہ بات بہت دھیرے سے کہی تھی، مگر میرے لیے جیسے کسی نئی زندگی کا اعلان تھا۔ میں دو پل اس کا چہرہ تکتا رہا، پھر مسکرا کر پارک میں کھیلتے ہوئے بچّوں کو دیکھا۔ ایک نظر ناز کو دیکھا......اور کچھ سوچ کر کہا:

''پتا نہیں...... پتا نہیں کہ آپ کو یہ دوستی مہنگی پڑے گی یا سستی......مگر اتنا ضرور جانتا ہوں......کہ آپ مجھ سے بور ہو جائیں گی......''

''ہاں سُنا تو ہے کہ ڈاکٹر خاصے بور ہوتے ہیں، مگر ابھی تک تو نہیں ہوئی......آگے آگے دیکھتے ہیں کہ ہوتا ہے کیا۔''

ناز نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور میں ہنس پڑا۔ مجھے اس لمحے ابا کے جملے یاد آنے لگے۔ وہ بھی اسی طرح ایک لڑکی سے قریب ہوتے چلے گئے تھے، مگر بعد میں پتا چلا تھا کہ وہ کسی اور کی امانت تھی۔ یہ سوچ کر میرے لبوں سے ہنسی جیسے اُڑ گئی اور میں نے گلا صاف کر کے ناز سے پوچھا:

''اہم ناز کیا میں آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟''

''پوچھیے......'' ناز نے دھیرے سے کہا۔

''اہم......آپ کی شادی ہوگئی ہے؟'' میں نے الجھ کر پوچھا اور ناز ہنسنے لگی۔

''ارے اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''اگر میری شادی ہوئی ہوتی......تو کیا میں اس پارک میں آپ کے ساتھ بیٹھی ہوتی؟'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''اس کا مطلب کہ آپ کی زندگی میں کوئی نہیں ہے۔'' میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''میری زندگی میں کیا ہے...... وہ آپ دیکھ چکے ہیں...... میرے ساتھ میرے والدین ہیں...... مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔''

ناز نے مسکرا کر یہ بات کہی اور میرے دل میں خوشی سے ستار بجنے لگے۔ اس لمحے مجھے ابا پر ترس آنے لگا، بچارے میرے ابا۔ کاش اُن کو بھی اپنی محبت مل جاتی۔ کم از کم تائی امی سے بہت بہتر ہوتیں۔

''آپ اکلوتی ہیں؟'' میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی۔ میری نا تو کوئی بہن ہے نا بھائی۔ میں نے زندگی اکیلے پن کے سہارے ہی گزاری

ہے۔مگر تنہائی کا احساس کبھی نا ہوا، اسکول سے ہی میری سہیلیاں بہت تھیں۔یونورسٹی تک سہلیوں کا سلسلہ چلتا رہا اس لیے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میں اکیلی ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر بتایا، پھر چونک کر کہنے لگی:

''آپ میری سہلیوں سے ملیں گے؟''

''ویل......اہمم......کیوں نہیں......'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''تو بس ٹھیک ہے، جیسے ہی میں آپ کو فون کروں آپ نے بنا کوئی بہانہ بنائے میرے پاس آنا ہے۔ٹھیک ہے؟'' ناز نے خوش ہو کر کہا۔

''اہمم ناز دیکھیے میں کچھ کہہ نہیں سکتا......'' میں نے الجھ کر کہا۔

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، بس آپ نے آنا ہے جب کبھی میں آپ کو بلاؤں، اور اگر ہو سکا تو ایک دو نظمیں بھی سُنا دیجیے گا، ہو سکے تو غزل۔'' وہ مسکرا کر کہتی چلی گئی۔

''آپ کو بھی غزل سے لگاؤ ہے؟'' میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''دیوانگی کی حد تک۔میں نے ڈیڈی سے سنگیت سیکھا ہے، مجھے سُر اور تال کا اچھی طرح علم ہے......مگر ڈیڈی نے مجھے کبھی میڈیا پر نہیں جانے دیا......لوگ ویسے ہی موسیقی کو ٹھیک نہیں سمجھتے، اگر ان کی دختر بھی اس فیلڈ پر آجاتی تو لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے۔اس لیے انھوں نے مجھے گھر کی دیواروں میں ہی بٹھا کر رکھنا ضروری سمجھا۔مگر میں نے اپنے شوق کا قتل نہ کیا، میں نے اُن سے موسیقی کو سیکھا، سمجھا۔اسی علم کی وجہ سے میں نظمیں لکھ کر اپنے اسکول کے بچّوں کو سُناتی ہوں۔''

ناز نے مسکرا کر اپنی زندگی کا خلاصہ بیان کر دیا اور میں اس کا چہرہ تکتا رہ گیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

اس نے مسکرا کر پوچھا اور میں ہنس پڑا:

''آپ میں زندگی کی معصومیت زندہ ہے......بس اُسی کو دیکھ رہا ہوں۔''

''ہمم ایک ڈاکٹر سے اس طرح کی تعریف کی مجھے توقع نہیں تھی۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''کبھی کبھی ڈاکٹر بھی دل کے مریض ہو جاتے ہیں۔''

میں نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور وہ کھلکھلا کر ہنسی۔اس کی کھنکتی ہنسی جب بھی میرے کانوں میں پڑتی تو رس گھول جاتی۔میں مکمل طور پر اس کا دیوانہ ہو رہا تھا۔وہ قدرت کا ایک الگ

ہی کرشمہ تھی۔ جلد ہی ہم دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ناز گھر جانے کے لیے Uber کا استعمال کرنا چاہتی تھی مگر میں نے خواہش ظاہر کی کہ گھر تک میں ہی اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔ ناز نے میری خواہش کا مان رکھا اور ہم گاڑی کی طرف بڑھے۔ ایک خوبصورت شام گزار کر آخر کار میں نے غلام حسن صاحب کے گھر پر آ کر گاڑی کو روکا اور مسکرا کر ناز کو دیکھنے لگا۔

''شکریہ لفٹ دینے کا۔'' ناز نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔

''اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''آپ اندر آئیں نا، چائے پی کر جائیے گا، میں چائے بہت اچھی بناتی ہوں۔''

ناز نے پیار سے کہا۔

''اہمم...... پھر کبھی سہی، اب میں چلتا ہوں۔'' میں نے اجازت طلب کی۔

''ڈیڈی سے مل لیتے تو وہ بہت خوش ہوتے۔'' ناز نے مجھے دیکھ کر کہا۔

''میں ان شاء اللہ آؤں گا، آپ بےفکر رہیں۔'' میں نے پیار سے جواب دیا۔

''اور ہاں یاد رکھیے گا، جس رات بھی میں آپ کو آنے کے لیے کہوں آپ کو آنا ہوگا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔'' ناز نے کہا، پھر چونک کر کہنے لگی:

''ارے پر میں آپ کو بلاؤں گی کیسے؟ ......آپ کا نمبر تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔''

''آپ نے مجھ سے نمبر لیا ہی نہیں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''چلیں تو اب نمبر دے دیں۔ کیا نمبر ہے آپ کا؟''

ناز نے اپنا سیل فون نکال کر پوچھا اور میرے دل میں خوشی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی، مگر اپنی اس خوشی کو ناز سے چھپا کر رکھا۔ میں نے اُسے اپنا نمبر بتایا۔

''شکریہ!...... میں آپ کو فون کروں گی...... اُمید ہے کہ میرا فون نمبر دیکھ کر آپ کے لبوں پر مسکراہٹ آجائے......'' اُس نے دھیرے سے کہا۔

''مسکراہٹ لانا ضروری ہے؟'' میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی۔'' اُس نے مختصر جواب دیا۔

''پر کیوں؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔

''کیوں کہ آپ مسکراتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔''

اُس نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور میں اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

وہ گاڑی سے اُتر کر اپنے گھر کی طرف چل دی اور میں مسکرا کر اُسے دیکھتا رہا۔ گھر کے دروازے پر پہنچ کر وہ پلٹی اور مجھے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا۔ میں نے مسکرا کر اس کا جواب دیا اور گاڑی چلا دی۔ میں خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا، قدرت نے میرے دکھوں کے بدلے جو خوشی مجھے دی تھی وہ بہت بڑی تھی، اور میں بے حد خوش تھا...... بے حد خوش۔

☆......☆

رات کے وقت بیگم شاہین ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھیں اپنے چہرے پر طرح طرح کی کریم لگا رہی تھیں جب کہ ڈاکٹر مظہر خاموشی سے بستر پر بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں انھوں نے اپنی آنکھوں پر لگا نظر کا چشمہ اُتارا اور اپنی بیگم سے مخاطب ہوئے:

''شاہین تم نے اظہر کو میری اسپیچ کے بارے میں کہہ دیا تھا؟''

''جی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کی اسپیچ تیار ہے، ایک دو پوائنٹ اس نے چھوڑ دیئے، کہہ رہا تھا کہ ابا خود دیکھ کر لکھ لیں گے۔'' شاہین بیگم نے کریم لگاتے ہوئے بتایا۔

''چلو یہ اچھا ہوا، ویسے بھی سیمینار میں تین سے چار دن ہی باقی رہ گئے ہیں۔ ہر سال ہونے والا یہ میڈکل سیمینار پاکستان کا سب سے بڑا میڈکل سیمینار ہے، اور اس بار مجھے یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ میں اس سیمینار پر ذیابیطس کے اوپر تقریر کروں۔'' انھوں نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کی اسپیچ تو یونیورسٹیز میں لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔'' شاہین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اس لیے شاہین، کیوں کہ ہماری بات میں دَم ہوتا ہے۔'' مظہر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''تو پھر آپ ایک کام کریں......''

''کہو......'' ڈاکٹر مظہر نے کتاب پڑھتے ہوئے کہا۔

''جس طرح آپ اپنے مریضوں کے لیے بہتری کے لیے بات کرتے ہیں اُسی طرح آپ کو نسیم صاحب سے بات کرنی چاہیے۔'' انھوں نے اپنے شوہر کو دیکھ کر کہا۔

''نسیم سے؟...... کس بارے میں؟'' مظہر صاحب نے چونک کر پوچھا۔

''سائرہ کے بارے میں۔ وہ ابھی بچّی ہی تو ہے، گھر کا سارا کام اُس پر لاد دینا ٹھیک نہیں۔ جمشید تو بیوقوف ہے وہ کبھی اپنے والدین کے خلاف نہیں بولے گا۔''

شاہین بیگم نے جل کر شکایت کی اور مظہر صاحب مسکرانے لگے اور ان کی طرف دیکھ کر کہنے لگے: ''تو آپ کے خیال میں والدین کے خلاف جو نہیں بولتے وہ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں؟''

''ایسے والدین کے فرماں برداری کر کے بھی کیا فائدہ جو اُن پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں......'' شاہین بیگم نے بُرا سا منھ بنا کر کہا اور مظہر صاحب مسکرا کر کہنے لگے:

''شاہین......کوئی کسی پر ظلم نہیں توڑتا ہے۔گھر کے کام کو سمجھ لینے سے یا ذمہ داری لینے سے کوئی مظلوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی عزت بڑھ جاتی ہے۔تمھاری سائرہ اس عزت کو حاصل کر کے پریشان ہے بس۔''

''ملی تو ہے مجھے یہ عزت، کیا فائدہ ملا مجھے زندگی سے؟'' شاہین بیگم نے گہرا طنز کیا۔

''کیوں بھئی؟......کیا ہم نے آپ کو بیٹا عطا نہیں کیا؟......وہ بھی ڈاکٹر؟'' مظہر صاحب مسکرا کر کہنے لگے۔

''اس میں کیا شک ہے، بیٹا کے ساتھ ایک بھتیجا بھی تو دیا آپ نے۔کس قدر پیارا ہے آپ کا۔'' شاہین بیگم نے جل کر کہا۔

''بھئی بات کا رُخ کہیں اور مت موڑو۔بات صرف اتنی سی ہے کہ سائرہ ایک اچھے گھر کی بہو بنی ہے اور وہاں کے ادب و آداب اُسے سیکھنے پڑیں گے۔ساس سسر کی خدمت کرنے سے اُس پر کوئی ظلم نہیں ٹوٹ رہے۔اب تمھارے گھر بہو آئے گی تو کیا تم نہیں چاہو گی کہ تمھاری بہو تمھاری خدمت کرے؟'' مظہر صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''میں اپنی بہو کو پلکوں پر بٹھا کر رکھوں گی، رانی بنا کر رکھوں گی اسے، کام نہیں کرواؤں گی۔'' انھوں نے اترا کر کہا۔

''یہ تم اظہر کی ہونے والی بیوی کی بات کر رہی ہو یا روحیل کی؟'' انھوں نے ہنس کر پوچھا۔

''ظاہر سی بات ہے اظہر کی۔'' انھوں نے تنک کر کہا۔

''اور روحیل کی بیوی؟'' مظہر صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

شاہین بیگم منھ بنا کر کہنے لگیں:

''لے دیں گے اُسے بھی کوئی اچھا سا فلیٹ۔اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی خود شروع

کرے، کب تک اس گھر کے ٹکڑوں پر پلتا رہے گا۔''

''شاہین...... جب تک میں زندہ ہوں تب تک روحیل اسی گھر کے ٹکڑوں پر ہی پلتا رہے گا، اور ہوسکا تو اس کے بعد بھی...... یہ مت بھولا کرو کہ وہ میرے چھوٹے بھائی کا بیٹا ہے......'' مظہر صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

''ساتھ ساتھ ایک انگریز طوائف کا بیٹا بھی ہے۔'' شاہین بیگم نے دانت پیس کر کہا۔

''شاہین!!......'' مظہر صاحب کو غصہ آ گیا۔

''آواز دھمی رکھیں مظہر صاحب...... آواز تیز میں بھی کرسکتی ہوں...... مگر میں آپ کی اُس عزت اور احترام کی وجہ سے خاموش ہوجاتی ہوں...... لیکن کیا اس عزت کی پروا آپ کے بھائی نے کی؟...... وہ تو آپ کی عزّت اور احترام کو امریکا میں نیلام کر آیا...... جب اُس نے انگریز عورت سے شادی کی۔''

شاہین بیگم جل کر کہتی گئیں اور مظہر صاحب انھیں دیکھنے لگے۔

''رات بہت ہوگئی ہے، گڈ نائیٹ۔''

شاہین بیگم نے خشک لہجے میں کہا اور اٹھ کر چل دی۔ مظہر صاحب پریشان اپنے بستر پر بیٹھے رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر شاہین بیگم کا دل روحیل کے لیے نرم کریں بھی تو کیسے کریں؟

☆......☆

''ہائے ہائے...... ہوئے ہوئے ہوئے...... ہائے ہائے ہائے......''

دوپہر کے تین بج رہے تھے اور وسیم مزے سے بیٹھا ہوا اپنے کمرے میں ٹی وی پر انڈین فلموں کے گانے دیکھ رہا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ ہیروینز بھی ایک سے ایک دکھائی دے رہی تھیں۔

''وسیم!......''

ایسے میں تحسین بیگم کمرے کے اندر آئیں اور وسیم نے چونک کر ٹی وی کا چینل بدل دیا۔

''جج جی امی؟'' وسیم گڑبڑا کر بولا۔

''ہمم...... کیا دیکھا جا رہا تھا ٹی وی پر؟'' انھوں نے منھ بنا کر پوچھا۔

’’کچھ نہیں امی وہ ایک مذہبی پروگرام آرہا تھا وہ دیکھ رہا تھا۔‘‘ وسیم نے گھبرا کر کہا۔

’’لیکن ابھی تو بزنس نیوز آرہی ہے۔‘‘ انھوں نے الجھ کر ٹی وی کو دیکھ کر کہا۔

’’نہیں ایکچیولی وہ جیو پر آرہا تھا۔‘‘ وسیم نے جلدی سے بہانہ بنایا۔

’’جیو میرے لعل، شادی کا تم نے کچھ سوچنا نہیں ہے اور لگے ہو لڑکیاں دیکھنے ٹی وی پر۔ میری سمجھ نہیں آرہا کہ تم شادی کب کرو گے؟‘‘ انھوں نے منھ بنا کر پوچھا۔

’’کیا آپ یہی پوچھنے کمرے میں آئی ہیں؟‘‘ وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’ہاں اس لیے کہ میں تمھاری ماں ہوں، اور تمھارے لیے فکر مند ہوں۔ تمھارے اچھے بُرے کا مجھے ہی سوچنا ہے، کوئی باہر سے آکر پڑوسی تمھارے اچھے بُرے کا نہیں سوچیں گے۔‘‘ تحسین بیگم نے جل کر کہا۔

’’پڑوسی بھلے ہی نا سوچیں...... پڑوسن تو سوچ سکتی ہیں۔‘‘ وسیم نے آنکھ مار کر کہا۔

’’تمھیں میں بیلن سے مار مار کر سیدھا کر دوں گی۔‘‘ تحسین بیگم نے تلملا کر کہا۔

’’اچھا میری ماں میں ہو گیا سیریس، آپ کو پتا ہے کہ مجھے اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنی ہے اور وہ بھی ڈاکٹر لڑکی سے۔ خاندان کے ہر گھر میں ایک ڈاکٹر موجود ہے، صرف ہمارے گھر میں مریض ہیں۔ اس لیے ایک ڈاکٹر کا ہونا بہت ضروری ہے۔‘‘ وسیم نے شوخ لہجے میں کہا۔

’’تو تمھیں کوئی ڈاکٹر لڑکی چاہیے؟‘‘

تحسین بیگم نے خوش ہو کر پوچھا اور اس کے پاس بیٹھیں۔

’’ہر کوئی نہیں......صرف ڈاکٹر اور وہ بھی میری پسند کی۔‘‘ وسیم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

’’وسیم، مجھے یقین ہے کہ تمھیں کوئی مریضہ ہی پسند کر سکتی ہے میرے لعل، مگر ڈاکٹر لڑکی ذرا مشکل ہے۔‘‘ تحسین بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

’’یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔‘‘

حیدر صاحب کی آواز سن کر تحسین بیگم نے چونک کر انھیں دیکھا۔

’’ہاں تحسین اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ ماشاء اللہ سے ہمارا بیٹا اس قدر حسین ہے کہ کوئی بھی اسے اپنی بیٹی دے دے گا۔‘‘ حیدر صاحب نے وسیم کے پاس آکر کہا۔

’’پاپا آپ کا بہت بہت شکریہ۔‘‘ وسیم خوشی سے بولا۔

''خوش فہمیاں ہیں آپ باپ بیٹوں کی، بڈھے لڑکوں کو تو کوئی اپنی بڈھی بیٹی بھی نہیں دیتا۔''تحسین بیگم نے جل کر کہا۔

''بڈھا؟......میں آپ کو بڈھا کب سے لگنے لگا امی؟''وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہوئے نہیں تو ہو جاؤ گے۔جلدی کچھ کرلو اس سے پہلے کہ تمھاری شادی کی خبر لوگوں کو مذاق لگنے لگے،تم شادی کرلو۔''

تحسین بیگم کی بات سن کر دونوں باپ بیٹے ہنسنے لگے......ایسے میں وسیم کا موبائل بجا اور اس نے فون دیکھا۔

''اوہو ان ڈاکٹر صاحب کا بھی فون ابھی آنا تھا۔''وسیم کے منھ سے نکلا۔

''کون؟لڑکی ہے؟''تحسین بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''لڑکی نہیں امی روحیل ہے۔''

وسیم نے منھ بنا کر بتایا اور وہ منھ بنا کر چل دی، حیدر صاحب بھی ہنس کر اپنی بیگم کے ساتھ چل گئے۔

وسیم نے فون اٹھایا اور بولا:

''یہ میں جب بھی شیطان کے بارے میں سوچتا ہوں تمھارا فون کیوں آجاتا ہے؟''

''پتا نہیں،بہتر ہے کہ تم اپنے شیطان چاچُو سے ہی پوچھو۔''میں نے منھ بنا کر کہا۔

''کام کی باتیں بعد میں پوچھ لوں گا پہلے تم اپنی بیکار بات کرو۔''وسیم نے منھ بنا کر کہا۔

''وسیم،کیا تم مجھ سے مل سکتے ہو کیفے پر؟''میں نے دھیرے سے پوچھا۔

''خیریت؟......سب ٹھیک تو ہے؟''وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔''میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا؟''وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ جو آج تک میں نے کہا نہیں۔''میں نے الجھ کر کہا۔

''ابے اوے!......ایک رکھ کر دوں گا کان کے نیچے......میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم Gay نکلو گے!''وسیم نے اُچھل کر کہا۔

''کیسی فضول باتیں کر رہا ہے یار، "I ain't gay okay!" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"I knew it!, you'r bi-sexual" وسیم نے خوش ہو کر کہا۔

''وسیم!......'' میں جھنجلا اُٹھا۔

''اچھا بابا بولو کیا بات ہے؟'' وسیم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''فوراً کیفے کے لیے نکل کھڑے ہو۔ میں پہنچ رہا ہوں۔''

میں نے جلدی سے کہا اور فون بند کیا وسیم نے بُرا سا منہ بنا کر فون کو دیکھا اور بولا:

''ٹھیک ہے پیارے، اگر کوئی فضول بات ہوئی تو پٹرول کے پیسے تجھی سے لوں گا۔''

یہ کہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆

وسیم کیفے میں داخل ہوا اور ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''وسیم!......''

میں نے اُسے آواز دی اور وہ اس نے میری طرف دیکھا پھر چلتا ہوا میری ٹیبل کی طرف آ گیا۔

''ارے واہ...... ویری کوئیک، مجھے یقین نہیں تھا کہ تم ٹھیک پانچ بجے پہنچ جاؤ گے......'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تُو نے بُلایا بھی تو اتنی ایمرجنسی میں ہے۔'' وسیم نے منہ بنا کر کہا پھر بولا:

''کافی کا آرڈر دے دیا ہے؟''

''ہاں بس آتی ہی ہو گی۔'' میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اب بول، کیا بات ہے؟'' وسیم نے مجھے دیکھ کر پوچھا اور میں مسکرانے لگا:

''بات یہ ہے کہ......ایک......اہمم......لڑکی ہے......''

''کیا؟'' وسیم نے حیران ہو کر کہا اور میں ہنس کر اُسے دیکھنے لگا۔

"I can't believe it, you said there is a girl?"

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"Yep!" میرے منہ سے نکلا۔

"Who is she?" وسیم نے مچل کر پوچھا۔

’’ناز،......گل ناز۔‘‘میں نے جواب دیا۔
’’او کے......نام تو بہت حسین ہے۔سین کیا ہے؟‘‘وسیم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔
’’کچھ خاص نہیں۔کچھ دن پہلے او پی ڈی میں ملاقات ہوئی تھی، وہ اپنے ڈیڈی کے لیے آئیں ہوئی تھیں، مجھ سے Insist کرنے لگیں کہ آپ کو گھر پر چلنا ہوگا۔میں ان کے ساتھ چلا گیا، گھر جا کر مجھے پتا لگا کہ وہ کسی اور کی نہیں بلکہ مشہور غزل گلوکار اُستاد غلام حسن صاحب کی دختر ہے......‘‘میں نے اُسے دیکھ کر بتایا۔
’’ارے!! کیا واقعی؟‘‘وسیم نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔
’’ہاں، اُستاد صاحب سے بھی میری ملاقات ہوئی۔کچھ ہی پل میں ہم لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ناز کی امی بھی بہت اچھی خاتون ہیں۔اُن سے مل کر بھی بہت اچھا لگا۔جاتے ہوئے ناز نے مجھ سے اُسکول پر آنے کے لیے کہا۔‘‘میں نے اُسے بتایا۔
’’وہ اسکول میں پڑھتی ہے؟‘‘وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔
’’پڑھتی نہیں پڑھاتی ہیں، وہ بھی Handicap بچّوں کو۔‘‘میں نے بتایا۔
’’او کے او کے، دکھنے میں کیسی ہے؟‘‘وسیم نے الجھ کر پوچھا۔
’’بہت حسین، تمھاری سوچ ہوگی، اس قدر حسین۔‘‘میں نے مسکرا کر بتایا۔
’’تم اس کے اسکول گئے؟‘‘
وسیم نے مجھے دیکھ کر پوچھا اور تب ہی ہمارے سامنے ویٹر نے کافی رکھی۔
’’شکریہ!‘‘
میں نے مسکرا کر ویٹر سے کہا اور وہ چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد میں نے کافی میں چینی ڈالتے ہوئے بتایا:
’’ہاں، میں گیا تھا اس کے اسکول۔وہاں کیا ہوا میں بیان نہیں کر سکتا، مگر وہ جو کچھ بھی تھا کسی سپنے کی طرح تھا۔صرف دو گھنٹے کے ملاقات میں ہم دونوں بہت اچھے دوست بن گئے۔‘‘
’’گریٹ مین!...... یہ تو بہت اچھی بات ہے...... پیار و یار کا کوئی ارادہ ہے؟‘‘وسیم نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔
’’پتا نہیں، مجھے ماننا پڑے گا کہ میں اس کی خوبصورتی پر فدا ہوں۔مگر پیار صرف حسن سے تو

کیا نہیں جاتا۔محبوب کے دل کا حسین ہونا بھی بہت ضروری ہے۔‘‘میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

’’ہاں ورنہ زندگی ماموں جان کی طرح گزر جائے گی۔‘‘وسیم منمنایا۔

’’دیکھ وسیم، میں نے تمھیں بار بار منع کیا ہے ابا کا مذاق اڑانے کے لیے، اب تائی امی ظالم ہیں تو ان کا کیا قصور؟‘‘

’’لیکن میں کیا کروں یہ دل تڑپتا ہے ماموں جان کے لیے۔کاش مامی کبھی تجھے اور انھیں سمجھ سکیں۔‘‘وسیم نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

’’سمجھ جائیں گی وہ بھی۔یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان مجھ سے محبت کرے۔سب کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے، کالج میں مجھے بلال شفیق نہیں پسند تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ میرے لیے دعا گو ہو کر بیٹھ جائے۔‘‘میں نے منھ بنا کر کہا۔

’’مگر وہ تیرا کالج بڈی تھا، یہ تمھاری سگی تائی ہیں۔‘‘وسیم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

’’چلتا ہے یار، میری زندگی میں ایک محبت کرنے والی عورت آجائے، میرے سارے زخم بھر جائیں گے......‘‘میں نے ناز کو سوچتے ہوئے کہا۔

’’وہ تو خیر اب آ ہی گئی ہے، بس ہاتھ پیلے ہونے کی دیر ہے۔‘‘وسیم نے مسکرا کر کہا۔

’’پتا نہیں وسیم، ابھی تو صرف ایک ملاقات ہوئی ہے۔‘‘میں نے الجھ کر کہا۔

’’تو اب کرنا کیا ہے؟‘‘اس نے مچل کر پوچھا۔

’’یہ تو تم مجھے بتاؤ گے، اس لیے تو تمھیں یہاں بلایا ہے۔‘‘

میں نے ہنس کر اُسے دیکھ کے کہا۔

’’تمھارے پاس اس کا نمبر ہے؟‘‘اس نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

’’نہیں۔اس نے اپنا اسکول کا کارڈ دیا تھا، مگر اُس میں اس کا موبائل نمبر نہیں تھا، بس اسکول کا نمبر تھا۔‘‘میں نے وسیم کو تفصیل سے بتایا۔

’’اس کے پاس ہے تمھارا نمبر؟‘‘اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

’’ہاں، میرا نمبر ہے اس کے پاس۔‘‘میں نے ہاں میں سر ہلایا۔

’’گریٹ!...... یہ بہت اچھا ہو گیا۔‘‘وسیم نے ہاتھ مل کر کہا۔

’’مگر یار پچھلے تین دن سے گل ناز نے کوئی رابطہ نہیں کیا مجھ سے۔‘‘

میں نے فکر مند ہو کر بتایا۔

''اس کی فکر مت کرو، وہ کرے گی جلد ہی رابطہ، لیکن یاد رکھنا وہ فون کر کے کچھ بھی کہے کچھ بھی مانگیں تم نے انکار نہیں کرنا ہے۔ او کے۔'' وسیم نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ تو میں نے سوچا ہوا ہے، بس زرا دل گھبرانے لگتا ہے۔ جب وہ میرے سامنے نہیں ہوتیں میں کئی پلان بنا کر رکھتا ہوں، مگر جیسے ہی وہ سامنے آتی ہیں، ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر اپنی کیفیت بیان کی۔

''محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔'' وسیم نے ہنس کر کہا۔

''خیر...... کل میڈکل سیمینار ہے، تم آ رہے ہو؟'' میں نے کافی پیتے ہوئے پوچھا۔

''اوہ شٹ میں تو بھول ہی گیا، ماموں جان اسپیچ دیں گے نا؟'' وسیم نے سر پکڑ کر پوچھا۔

''ہاں۔ اور تم نے آنا ہے ورنہ میں تمھیں کچّا کھا جاؤں گا۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔

''نہیں مجھے کوئی شوق نہیں اپنا گوشت تمھارے منہ میں گھسانے کا۔'' وسیم نے منہ بنا کر کہا۔

''اہم اہم......''

برابر میں کھڑے ویٹر کے منہ سے گھبراہٹ میں نکلا اور وہ تیزی سے چلا گیا۔ میں اور وسیم حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔

''اسے کیا ہوا؟'' وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''پتا نہیں، تم نے تو بس اتنا کہا تھا کہ...... مجھے کوئی شوق نہیں تمھارا گوشت منہ میں گھسانے کا......'' میں نے وسیم کے جملے یاد کیے اور وسیم اُچھل پڑا:

"Did I say that!"

"You just did, you freak!"

میں نے جل کر کہا اور ہم دونوں جھینپ کر بیٹھ گئے۔

☆......☆

Regent Plaza کا ہال نمبر پانچ تالیوں سے گونج اٹھا اور لوگوں نے ڈاکٹر مظہر کا خیر مقدم کیا۔ میڈکل سیمینار شروع ہو چکا تھا اور اسٹیج پر رکھی ٹیبل کے اردگرد اس وقت ابا کے اسپتال کے کئی ڈاکٹر بیٹھے ہوئے تھے جس میں، میں اور اظہر بھی شامل تھے۔ ابا کے دائیں طرف میں

موجود تھا جب کہ اظہر بائیں طرف۔ اس وقت ہم تینوں نے ہی بہترین کالے سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہال میں کرسیوں پر اس وقت ہمارا پورا گھر بیٹھا ہوا تھا۔ سائرہ، جمشید، ابّاں اور امی۔ یہی نہیں بلکہ نسیم صاحب اور بیگم نسیم بھی موجود تھیں۔ ان کے ہمراہ چچا حیدر اور پھوپھو تحسین بھی موجود تھیں۔ وسیم اپنے ڈیجیٹل کیمرے سے تصویریں لے رہا تھا۔ جلد ہی پروگرام کے میزبان مائیک پر تشریف لائے اور نہایت ہی ملائم لہجے میں مخاطب ہوئے:

''معزز خواتین وحضرات۔ السلام علیکم! میں ڈاکٹر ندیم آپ کے سامنے حاضرِ خدمت ہوں، جیسا کے آپ جانتے ہیں کہ ہر سال منایا جانے والا یہ میڈکل سیمینار کراچی میں منعقد ہوتا ہے جس کا اصل مقصد لوگوں میں Awareness ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے نئ بیماریاں بھی سامنے آتی جا رہی ہیں، زیادہ سے زیادہ Deadly Viruses پیدا ہو رہے ہیں جو نا صرف انسان کو معذور کر سکتے ہیں بلکہ اس کی جان تک لے سکتے ہیں۔ کسی بھی بیماری سے بچنے کے لیے سب سے پہلا قدم اُس بیماری کی معلومات کا ہونا ہے۔ جب تک لوگ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ کون سی چیز ان کی صحت اور جان کے لیے نقصان دہ ہوسکتی ہے تب تک بیماری کو جڑ سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں کچھ بیماریوں میں خاصی پُرانی بیماری بھی چلی آ رہی ہے جسے ذیابیطس کہا جاتا ہے۔ یہ بیماری اس قدر پھیل گئی ہے کہ محض پاکستان میں ہر چھٹے شخص کو ذیابیطس ہے، اس لیے ہمیں کچھ کرنا ہے۔''

ڈاکٹر ندیم کہہ ہی رہے تھے کہ ایک ڈاکٹر مائیک پر بول پڑے:

''ڈاکٹر صاحب ہمیں چاہیے کہ ہم اُس چھٹے شخص کو پکڑ لیں۔''

اُن کی بات سن کر محفل میں بیٹھے سب ہی لوگ ہنسنے لگے۔ میں اور اظہر دیگر ڈاکٹر کے ساتھ مل کر ڈیسک بجانے لگے۔

میزبان ڈاکٹر ندیم بھی ہنس کر کہنے لگے:

''جی ہاں یہ بات بھی ہے کہ ہر چھٹے شخص کے بعد اگر اس بیماری کو تھام لیا جائے تو یہ بیماری کم ہوسکتی ہے۔ خواتین وحضرات، اسی بیماری پر آج ہم سے گفتگو کرنے کے لیے، میں سب سے پہلے دعوت دینا چاہوں گا، سہارا اسپتال کے چیئرمین جناب ڈاکٹر مظہر کو...... جو پاکستان کی میڈکل ہسٹری کا بہت بڑا نام ہے۔ "Dr.Mazhar, Ladies and Gentlemen

ڈاکٹر ندیم کا یہ کہنا تھا کہ ہال تالیوں کے شور سے گُونج اٹھا۔ ابا کوٹ کا بٹن لگا کر مائیک کی طرف بڑھے۔ اس لمحے میں اور اظہر بھی لوگوں کے ساتھ مل کر تالیاں بجا رہے تھے۔ سائرہ اور وسیم تو خوشی سے پاگل ہونے لگے، جب کہ امی مسکرا کر اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔ نسیم صاحب اور پھوپھا جان بھی اس لمحے بے انتہا خوش ہو کر ابا کو دیکھ رہے تھے۔

ابا مائیک پر آئے:

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!......'' لوگوں کی ملی جُلی آوازیں آئیں۔

''اصل میں بات یہ ہے جناب کہ میرے محترم ڈاکٹر ندیم صاحب نے یہ تو کہہ دیا کہ ہسٹری کا بہت بڑا نام ڈاکٹر مظہر ہے، مگر میں یہاں اپنے چھوٹے مرحوم بھائی ڈاکٹر مظاہر کا نام بھی لینا چاہوں گا، جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور آج اس مقام پر پہنچا ہوں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ سب مل کر میرے بھائی ڈاکٹر مظاہر مرحوم کے لیے تالیاں بجا دیں۔''

ابا کا یہ کہنا تھا کہ ایک بار پھر حال میں تالیاں گونج اٹھیں۔ میں مسکرا کر تالیاں بجانے لگا کیوں کہ اس وقت ابا نے میرے والد صاحب کا ذکر کیا تھا۔

''آج آپ سب لوگ یہاں آئے ہیں Diabetes Awaresness Program سے علم حاصل کرنے کے لیے، حالاں کہ آپ لوگ چاہتے تو Google بھی کر سکتے تھے۔''

ابا کے یہ کہنے پر ایک بار پھر ہال قہقہوں سے گُونج اُٹھا۔

''لیکن بہتر ہے کہ آپ Google سے دُور ہی رہیں اور اپنی بیماری کا کسی ڈاکٹر سے ہی پوچھیں۔ گُوگل پر تو آپ انگلی کے درد کی وجہ بھی معلوم کرنا چاہیں تو وہ کینسر بتا دیتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ ایکسپرٹ سے جا کر اپنی کنڈیشن کو ڈسکس کیا جائے۔ خواتین و حضرات ذیابیطس ہمارے لیے کوئی نئی بیماری نہیں ہے اور اس کے مریض بھی ہمارے لیے نئے نہیں۔ یہ بیماری بہت قدیم ہے اور اسے دیمک سے مشابہت دی جاتی ہے جو آہستہ آہستہ انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتی ہے۔ دنیا بھر میں ہر جگہ پھیلی ہوئی یہ بیماری دراصل ہارٹ فیلیئر اور دیگر بڑی بیماریوں کی وجہ بنتی ہے جن کی وجہ سے لاکھوں جانیں دنیا بھر میں روزانہ چلی جاتی ہیں۔ جیسا کہ میرے محترم ڈاکٹر ندیم صاحب نے فرمایا کہ Awareness سب سے پہلی سیڑھی ہے کسی بھی بیماری کو ختم کرنے

کے لیے، تو یہ بات بہت حد تک درست ہے۔ مگر بات اگر صرف Awareness کی کی جائے تو شاید دنیا کے چند ہی لوگ ایسے ہوں جو ذیابیطس سے واقف نا ہوں۔ معلومات ہم اور آپ سب کو ہیں، مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس پر Implement کون کون کرتا ہے، کون ہے جو اس بیماری کو سمجھتا ہے......لہٰذا......''

ابا اپنی تقریر کر ہی رہے تھے کہ ایسے میں اظہر کا موبائل فون زور سے بجا اور سب مڑ کر اُسے دیکھنے لگے۔

ابا نے بھی پلٹ کر اظہر کو دیکھا۔ یہی نہیں سائرہ، جمشید اور امی بھی شرمندہ ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔ اظہر نے گھبرا کر کوٹ میں سے فون نکالا اور اٹھ کر اسٹیج کے پیچھے ہو کر کہنے لگا:

''ہیلو؟......ارے......میں ابھی نہیں بات کر سکتا......میں اس وقت سیمینار میں ہوں...... بعد میں بات کرتے ہیں......ہاں ہاں بعد میں......اوکے......بائے......''

اظہر فون بند کر کے واپس گھبرا کر اپنی کُرسی پر بیٹھا۔ سب ڈاکٹر کن اکھیوں سے اُسے دیکھنے لگے۔ میں اس لمحے مسکرا رہا تھا کیوں کہ امی کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔

ابا نے پھر سے اپنی تقریر شروع کی:

''جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کہ جب تک کسی چیز کے اوپر عمل نہیں ہوگا تب تک کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہم اگر ہر دن ورزش کو، چلنے پھرنے کو، کھیل کُود کو بیکار چیزیں سمجھتے رہیں گے تب تک کچھ نہیں ہو سکے گا۔ ایک بڑی مشہور کہاوت ہے کہ انسان اپنی قبر اپنے دانتوں سے کھودتا ہے، ذیابیطس کے مریضوں کے اوپر یہ کہاوت بالکل صحیح بیٹھتی......''

اس بار بڑے زور شور سے میرا موبائل فون بجا اور میں دھک سے رہ گیا۔ اب سب کی گردنیں میری طرف مڑ گئیں۔ اظہر بھی حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ یہی نہیں، ابا، امی، امّاں، سائرہ، جمشید، وسیم وغیرہ بھی مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے گھبرا کر موبائل فون نکالا اور اسکرین پر دیکھا تو کوئی نام لکھا ہوا نظر نہیں آیا۔

"Excuse me"

میں نے گھبرا کر یہ جملے کہے اور فون لے کر بیک اسٹیج کی طرف گیا۔

ابا جھنجلاہٹ میں گردن کو جھٹک کر ایک بار پھر اپنی تقریر شروع کر چکے تھے۔ میں اسٹیج کے

پیچھے آیا اور فون اٹھایا:

''ہیلو؟''

''اہمم روحیل؟''

''دوسری طرف سے ناز کی آواز سن کر میں دھک سے رہ گیا۔

''ناز؟......آپ؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''جی میں، میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' ناز نے پیار سے پوچھا۔

''اہمم نہیں Not at all...Not at all" میں نے ایک دم سے سنبھل کر کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے، آپ نے کل رات دس بجے کے قریب سدا بہار لان پر آنا ہے۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''سدا بہار؟'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''جی، میری سہیلی کی شادی ہے اور میری باقی دوستیں بھی آ رہی ہیں۔ میں آپ کو اُن سب سے ملوانا چاہتی ہوں۔'' ناز نے خوش ہو کر کہا۔

''اہمم ناز میں دس بجے تک او پی ڈی میں ہی ہوتا ہوں۔''

میں نے گھبرا کر ابا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتی، آپ نے آنا ہو گا اور ہر حال میں آنا ہو گا۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا......'' ناز نے ضد کی۔

''ہاں شاید......'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''شاید نہیں یقیناً۔ آپ نے آنا ہو گا روحیل۔'' وہ مضبوط لہجے میں کہنے لگی۔

''ناز میں کچھ کہہ نہیں سکتا، میں کوشش پوری طرح کروں گا۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''نہیں کوشش نہیں آپ نے آنا ہے۔ میں نے اپنی سہیلیوں سے وعدہ کیا ہے کہ آپ کی ملاقات اُن سے ضرور کرواؤں گی، اگر آپ نہیں آئے تو وہ میرا بہت مذاق بنائیں گی۔ پلیز آپ سمجھیں اس بات کو، اور میں جانتی ہوں کہ آپ ضرور آئیں گے۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔ ٹھیک ہے؟'' ناز اپنی بات کہتی چلی گئی۔

''اہمم ٹھیک ہے۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

’’وعدہ مت توڑیے گا۔خدا حافظ۔‘‘

یہ کہہ کرناز نے فون بند کردیا۔ میں ہکّا بکّا کھڑا رہ گیا اور فون کو تکنے لگا۔سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں او پی ڈی چھوڑ کر کس طرح جاؤں گا۔میں اسی سوچ میں محو تھا کہ چونک کر ابا کی طرف دیکھا۔

’’اوہ شٹ!......ابا کی اسپیچ!‘‘

میرے منھ سے نکلا اور واپس اسٹیج پر گیا۔

☆......☆

آخر کار ابا کے بعد کئی اور ڈاکٹروں کی اسپیچ ہوئی اور سیمینار اپنے اختتام کو پہنچا۔اب کچھ گلوکار اسٹیج پر موجود ذیابیطس کے خلاف بے سُرے گانے گا رہے تھے جب کہ ہال میں موجود خواتین وحضرات ہاتھوں میں ڈرنکس لیے ایک دوسرے سے گھل مل گئے تھے۔

"Smile"

سائرہ نے مسکرا کر کہا اور تصویر کھینچی۔ میں نے اور جمشید نے ابا کے ساتھ تصویر بنوائی تھی۔

’’ارے واہ فوٹو سیشن ہو رہا ہے۔‘‘

نسیم صاحب نے قریب آ کر کہا،ان کے ساتھ حیدر صاحب بھی موجود تھے۔

’’جی ڈیڈی، آپ بھی آئیں نا۔‘‘ سائرہ نے خوش ہو کر کہا۔

’’ہاں ہاں بالکل کیوں نہیں، تصویر تو ضرور بنواؤں گا، تا کہ تمھارے باپ کے پاس ثبوت کے طور پر رہ سکے کہ ہم اس کی اسپیچ میں آئے تھے۔‘‘

پھوپھا حیدر نے مستی میں یہ جملے کہے اور سب ہنسنے لگے۔سائرہ نے ان کی بھی تصویر لی۔اسی طرح کئی گروپس بنے، جس میں میری، اظہر کی، ہم دونوں کی پھر میری، اظہر اور جمشید کی تصویر امّاں کے ساتھ۔اس طرح کئی تصویریں لی گئیں۔

’’ہاں جی اب ایک فیملی پکچر ہو جائے؟‘‘ وسیم نے سب کو دیکھ کر پوچھا۔

’’ہاں ہاں بالکل، مظہر کی پوری فیملی ایک ساتھ۔‘‘

نسیم صاحب نے خوش ہو کر یہ جملے کہے اور ہم سب ایک ساتھ ہونے لگے۔ بیچ میں امّاں اور ان کے برابر میں ابا اور امی، ان کے برابر میں موجود میں اور اظہر جب کہ سائرہ اور جمشید گھٹنوں کے بل بیٹھے۔

"Yes, ready, one two three and smile"

وسیم نے خوش ہو کر کہا اور تصویر لی۔

''تھینک یو سو مچ......'' ہم سب کے منھ سے نکلا۔

''اب ایک تصویر ہماری فیملی کی بھی ہو جائے۔'' شاہین بیگم نے وسیم کو دیکھ کر کہا۔

''آپ کی فیملی کی ہی تو تصویر لی ہے مامی۔'' وسیم نے حیران ہو کر کہا۔

''نہیں میرا مطلب صرف ہماری فیملی۔''

شاہین بیگم نے خشک لہجے میں یہ جملے کہے اور سب ایک پل کے لیے دھک سے رہ گئے۔ میں ان کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ فیملی کی تصویر سے میں نکل جاؤں۔ میں اُداس مسکراہٹ چہرے پر چسپاں کر کے کہنے لگا:

''وسیم لاؤ کیمرا مجھے دو، میں ایک تصویر لیتا ہوں۔''

وسیم میرا مطلب سمجھ گیا اور میں نے کیمرا لیا۔ اب تصویر میں امّاں، ابا، امی، اظہر، سائرہ اور جمشید موجود تھے اور یہی امی کی فیملی تھی، جس میں میرا کوئی وجود نہ تھا۔ اس لمحے، پھپھو اور پھوپھا جان نے اس بات کو بہت محسوس کیا۔ محسوس ابا اور اظہر نے بھی کیا مگر وہ کچھ بولے نہیں اور شاید یہی عقلمندی تھی۔ میں نے مسکرا کر انھیں ریڈی ہونے کے لیے کہا اور تصویر لی۔

☆......☆

رات ایک بجے کے قریب میں بیٹھا ہوا کمپیوٹر پر دوپہر میں ہونے والے سیمینار کی تصویریں دیکھنے لگا۔ کالے سوٹ میں ملبوس میں، اظہر اور ابا کافی اچھے لگ رہے تھے۔ تقریب کافی اچھی ہوئی تھی۔ میں اپنے کمپیوٹر کی بورڈ پر Enter دبا کر تصویریں بدل رہا تھا۔ اظہر کا تو دیوانہ پن یہ تھا کہ اس نے ہوٹل سے باہر نکل کر اپنی بائیک کے ساتھ بھی فوٹو سیشن کیا، جسے دیکھ کر میں ہنس پڑا۔ واقعی وہ دیوانہ تھا۔ ایک تصویر میں جمشید اور سائرہ مسکراتے نظر آئے تو میں بھی مسکرا کر انھیں دیکھنے لگا۔ میں نے دوبارہ سے انٹر دبایا تو ہماری فیملی پکچر آ گئی اور اس کے بعد امی کی فیملی پکچر۔ میں اُداس مسکراہٹ کے ساتھ تصویر دیکھ ہی رہا تھا کہ امّاں کی آواز نے مجھے بُری طرح چونکایا:

''بس گھبرا گئے؟''

اُن کی آواز سن کر میں نے پلٹ کر انھیں دیکھا تو وہ مسکراتی نظر آئیں۔
''گھبرا گیا؟...... کس چیز سے امّاں؟'' میں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔
''زندگی کی مشکلات سے...... اس کے کڑوے پن سے...... اس کی تکلیفوں سے اتنی جلدی گھبرا گئے؟'' انھوں نے میرے قریب آ کر پوچھا۔
''گھبرایا تو نہیں اماں...... بس ٹوٹ جانے کا بہت خوف رہتا ہے......''
میں نے جیسے اپنے آپ سے یہ جملے کہے۔
''روحیل......''
انھوں نے میرا نام لیا اور برابر والی کُرسی پر بیٹھیں۔
میں انھیں دیکھنے لگا۔
''دُنیا ایک ایسی جگہ ہے...... جہاں لوگوں پر طرح طرح کے طوفان گرتے ہیں...... طرح طرح کی اذیتیں نازل ہوتی ہیں۔ مگر یاد رکھو...... علی رضی اللہ عنہ کی پریشانی سے بڑی...... نہ تو کوئی پریشانی کسی پر آئی ہے...... اور نہ ہی آئے گی۔ جب وہ اپنے اوپر پڑتی ہوئی مصیبتوں سے نہیں ٹوٹے...... تو تم اتنی معمولی باتوں کی وجہ سے کس طرح ٹوٹ سکتے ہو؟''
امّاں نے ایک خوبصورت بات کہی اور میں سوچنے لگا۔
''زندگی کی عادت ہے امتحان لینے کی۔ یہ ہر پل امتحان لیتی ہے چاہے آپ کتنے ہی پرچے حل کیوں نہ کر چکے ہوں...... ایک کے بعد ایک امتحان آتا ہی رہتا ہے...... بس دیکھنا یہ ہے کہ تم کس حد تک ان امتحانوں سے لڑتے ہو...... اور مجھے یقین ہے...... کہ میرا بیٹا اتنا کمزور نہیں کہ ہار مان جائے۔''
دادی نے پیار سے مجھے دیکھ کر اپنی بات کہی اور میں نے مسکرا کر سر جھکا لیا:
''کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟''
''پوچھو۔'' انھوں نے پیار سے کہا۔
''آپ نے میری ماں کو دیکھا تھا؟''
میرے یہ پوچھنے پر وہ بہت غور سے مجھے دیکھنے لگیں۔
میں ان کے الفاظ کا منتظر تھا۔

سرد آہ لے کر دادی نے مجھے جی بھر کر دیکھا اور کہنا شروع کیا:

"Julianna Joseph ایک خوبصورت امریکن عورت تھی اور اس کی صورت کے ساتھ ساتھ اس کی سیرت بھی حسین تھی۔ وہ ویسٹ میں پلی بڑی، مگر پاکستان کی ثقافت کو سمجھتی تھی، پسند کرتی تھی۔ تمھاری ماں ایک عیسائی عورت تھی مگر وہ اللہ کی بندی تھی، اور اللہ اپنے بندوں سے ستّر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے، شاید اللہ اُس سے اور مظاہر سے بہت پیار کرتا تھا، جبھی دونوں کو اپنے پاس بُلالیا۔ ہیوسٹن میں جب مظاہر اپنی ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کر رہا تھا تب ہی اُسے جولیانا سے محبت ہوگئی۔ اس کا انداز، لہجہ اور شخصیت میں ایک وقار تھا، جیسے انگریز عورتوں کا ہوتا ہے، مگر ساتھ ساتھ انسانیت سے بھرا دل بھی تھا۔ یہی چیز دیکھی تھی مظاہر نے جس کی وجہ سے وہ جولیانا پر فدا ہو گیا تھا۔ ایک انگریز عورت اس گھر کی بہو بنے یہ بات کسی نے برداشت نہیں کی، شاہین شروع سے ہی برداشت نہ کرنے والوں میں اوّل تھی۔ ایک تو وہ غیر مذہب تھی، مگر اصل جلن اس بات سے تھی کہ جولیانا صورت اور سیرت میں شاہین سے بہت بڑھ کر تھی۔ بس یہی ایک بات شاہین سے برداشت نہیں ہو پاتی تھی۔ پھر ایک وقت آیا جب جولیانا اور مظاہر دونوں ہوائی حادثے میں ہلاک ہو گئے اور تم میری گود میں تنہا رہ گئے۔ شاید زندگی کو یہی منظور تھا......''

''امی اور پاپا مجھے چھوڑ کر کیوں گئے؟......کاش مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے......'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اسے تم قدرت کہہ لو۔ تمھاری زندگی لکھی تھی اس لیے تمھیں کچھ نہیں ہو سکا۔ جب سے تم اس دنیا میں آئے ہو تب سے ہی میں نے تمھاری پرورش کی ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جولیانا نے جب تمھیں میری بانہوں میں دیا تھا تو اس نے بہت دھیرے سے مجھ سے کہا تھا۔''

یہاں تک کہہ کر دادی رُک گئیں۔

''کیا کہا تھا دادی؟''

میں نے اشتیاق سے پوچھا اور دادی اُداس مسکراہٹ لبوں پر چسپاں کر کے کہنے لگیں:

"Take a good care of my child, always...."

دادی کی بات سن کر میں حیرت سے انھیں دیکھنے لگا۔ امی کو شاید اس بات کا علم تھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہیں گی اس لیے میری پرورش امّاں کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔ میں سکتے کے عالم

میں اپنی ماں کے بارے میں سوچنے لگا۔

''ارے واہ......تصویریں دیکھی جا رہی ہیں۔''

جمشید کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ پلٹ کر دیکھا تو جمشید اور اظہر چلتے ہوئے آئے۔

''آیئے آیئے......آپ کی بھی تصویریں دکھا دیتے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں مگر روحیل کیا تم میری تصویر کو تھوڑا سا Separate کر سکتے ہو؟''

جمشید نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''کیوں؟ الگ کیوں کرانی ہے؟'' اظہر نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں وہ کیا ہے کہ اگر سائرہ کچھ دیر کے لیے مجھ سے الگ ہو جائے تو میں آسانی سے اپنی آزادی کے دن یاد کر سکتا ہوں۔'' جمشید نے معصومیت سے کہا اور ہم سب ہنسنے لگے۔

''خبردار جو میری بہن کے ساتھ کچھ کیا۔'' اظہر نے اس کا گریبان پکڑا۔

''اظہر منھ توڑ دے اس کا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیوں منھ توڑنے پر تلے ہو میری جان، یہی منھ دیکھ کر تو تم لوگوں نے مجھے اپنی بہن کے لیے پسند کیا تھا......'' جمشید نے منھ بنا کر کہا۔

''اور وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، یہ منھ نہیں دھلا۔'' اظہر نے اس کا چہرہ پکڑ کر کہا۔

''کچھ دیکھ رہی ہیں امّاں؟'' جمشید جل کر بولا۔

''اظہر بیٹا بہت بُری بات ہے۔'' امّاں نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں اور فون بجنا بھی بہت بُری بات ہے اظہر بھائی۔''

سائرہ نے ہاتھ میں کافی کی ٹرے لے کر آتے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ہاں جی اب بولو آپ نے کیا حرکت کی تھی؟'' جمشید نے بڑھ چڑھ کر کہا۔

''اوف وہ اب ختم بھی کرو بھئی، غلطی ہو گئی تھی، سائیلنٹ کرنا بھول گیا تھا۔''

اظہر نے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''غلطی نہیں ہوئی تھی، بس گرل فرینڈز زیادہ ہو گئی ہیں۔'' سائرہ نے منھ بنا کر کہا۔

''ارے یار جمشید سے پوچھو، چھے گرل فرینڈز کیا زیادہ ہوتی ہیں؟''

اظہر نے جمشید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

’’بالکل نہیں۔‘‘ جمشید نے سعادت مندی سے کہا۔

’’کیا!......‘‘ سائرہ نے آنکھیں نکالیں۔

’’کچھ نہیں، کچھ نہیں......‘‘ جمشید گھبرا کر بولا اور سب ہنسنے لگے۔

’’ویسے اظہر بات بہت غلط تھی تمھاری، ابا اسپیچ کر رہے تھے کہ تمھارا موبائل بج پڑا۔‘‘ میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

’’جی آپ بھی کچھ کم نہیں ہیں ویسے، موبائل تو آپ کا بھی بجا تھا۔‘‘ اظہر نے منھ بنا کر کہا۔

’’وہ اہم، وہ اصل میں، وہ پیشنٹ تھا۔‘‘ میں نے گھبرا کر کہا۔

’’بس دیکھ لیا جمشید بھائی آپ نے، پہلے ہم بھی اپنی گرل فرینڈ کو پیشنٹ کہا کرتے تھے۔ اب آپ سمجھ جائیں کہ بھائی صاحب بھی رنگ رلیاں منانے چلے ہیں۔‘‘ اظہر نے شرارتی لہجے میں کہا۔

’’سب سمجھ رہا ہوں اظہر، اس کو سیدھا کرنا پڑے گا۔ ہماری دوستیاں کرائی نہیں اور خود لگ گیا لڑکی کے ساتھ۔‘‘ جمشید نے منھ بنا کر کہا۔

’’جمشید اب میں آپ کو مار بیٹھوں گی۔‘‘

سائرہ نے جل کر کہا جب کہ ہم سب بُری طرح ہنسنے لگے۔

’’ارے کیوں ستا رہے ہو میری بیٹی کو؟......خبردار جو اُسے کسی نے کچھ کہا......‘‘

امّاں نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’جی امّاں آپ بے فکر رہیں، کوئی کچھ نہیں کہے گا، ویسے بھی کہہ کر کیا خود ہی جُوتے پڑوانے ہیں۔‘‘ جمشید نے منھ بنا کر کہا۔

’’مجھ جیسی بیوی آپ کو اگلے سو برسوں میں بھی نہیں ملے گی۔‘‘ سائرہ نے جل کر کہا۔

’’یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔‘‘

جمشید نے ایک دم سے کہا اور سب ہنسنے لگے، اس لمحے سائرہ بھی اپنی ہنسی نہیں روک سکی۔

’’تم سب تو یونہی مستیاں کرتے رہو گے، چلو میں چلی واپس اپنے کمرے میں۔ سائرہ مجھے یاد سے فجر پر اٹھا دینا۔‘‘ امّاں نے اٹھتے ہوئے کہا اور جانے لگیں۔

’’جی امّاں۔‘‘

سائرہ نے پیار سے کہا اور دادی کے ساتھ چلی، اس کی دیکھا دیکھی جمشید بھی چل گیا، ایسے میں میں نے موقع دیکھ کر اظہر سے کہا:

''اظہر......ایک چھوٹا سا کام آ گیا ہے۔''

''بولو کیا ہوا؟'' اظہر نے اپنا فون دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کل تم نے رات کو او پی ڈی سنبھالنی ہوگی۔'' میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''کیا!......''

اظہر چونکا اور پلٹ کر مجھے دیکھنے لگا۔

''ہاں، کل مجھے جانا ہے ایک جگہ۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''آے ہاے میری جانی، مینڈکی کو بھی زکام ہوا، یہ آپ کہاں چل دیے؟''

اظہر نے کمر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا اور میں ہنس کر کہنے لگا:

''تم او پی ڈی میں رہو گے یا نہیں؟''

''رہ لوں گا، بے فکر رہو، میں امی سے بھی کچھ نہیں کہوں گا تم ریلیکس ہو کر جاؤ......''

اظہر نے مسکرا کر کہا۔

''شکریہ بہت بہت آپ کا، میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔''

میں نے خوش ہو کر کہا۔

''احسان کی بات نہیں ہے، یہ سب میں اس لیے کر رہا ہوں کیوں کہ ہفتے کو تم نے او پی ڈی میں بیٹھنا ہے......'' اظہر نے مسکرا کر کہا۔

''کمینے انسان۔''

میں نے دانت پیس کر یہ جملے کہے اور وہ ہنسنے لگا، اس کی ہنسی دیکھ کر میں بھی اپنے آپ کو ہنسنے سے نہیں روک سکا۔ اب میرے ذہن میں صرف ناز تھی اور کوئی نہیں۔

☆......☆

اگلے روز رات کے قریب ساڑھے دس بجے ناز سدا بہار لان کے دروازے پر کھڑی کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس لمحے اُس نے لال شرارہ اور بلاوز پہنا ہوا تھا۔ بالوں میں جُوڑا، ہاتھوں میں چُوڑیاں، پاؤں میں پازیب، جو بھی اُسے دیکھ رہا تھا دیکھتا رہ جاتا۔ اس کی سہلیاں بھی اس کے

ساتھ موجود تھیں اور اُنھوں نے بھی کچھ اسی قسم کے جوڑے پہنے ہوئے تھے۔ سب دوستوں نے مل کر ایک ہی کپڑے پہننے کا فیصلہ کیا تھا۔

''آدھ گھنٹا تو گزر گیا ہے...... تمھارے وہ ڈاکٹر میاں ابھی تک آئے تو نہیں؟''

ایک سہیلی نے منھ بنا کر کہا۔

''بچارہ نجانے کہاں ٹریفک میں پھنسا ہوا ہوگا اور یہاں ہماری شہزادی اس کے انتظار میں تڑپ رہی ہے۔'' ایک سہیلی اترا کر کہنے لگی۔

''جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہے، ہم اچھے دوست ہیں۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''ارے دوستی پیار میں بدلتے کتنی دیر لگتی ہے، اوہ سوری سوری میں تو بھول ہی گئی تھی کہ......''

''یہی تمھاری بُری بات ہے عظمیٰ کہ تم بات بات پر بھولنے لگتی ہو۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''ارے جان یہ محبت بھی نا کسی کام کا نہیں چھوڑتی، جب سے زاہد سے دوستی ہوئی ہے تب سے پتا نہیں کیوں دنیا کو بھولنے لگی ہوں۔'' عظمیٰ نے منھ بنا کر کہا۔

''لیکن یہ آج کل تمھارے فون کو کیا ہو گیا ہے؟، میں رات بھر کال کرتی رہی لیکن فون انگیج رہا۔'' اس کی دوست تہمینہ نے پوچھا۔

''پتا نہیں تہمینہ شاید خراب ہو گیا ہے، اکثر رات میں ریسیور اٹھا کر میں خود بولنے لگتی ہوں، اور مزے کی بات یہ ہے کہ دوسری طرف سے بھی کوئی جواب دینے لگتا ہے۔''

عظمیٰ نے مستی میں کہا۔

''اوہ، یہ تو بہت ہی گمبھیر مسئلہ ہے۔'' تہمینہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''جس پیار میں مسئلے نہیں تو وہ پیار ہی کیا۔'' عظمیٰ نے اترا کر کہا۔

''پتا نہیں کہاں رہ گئے۔'' ناز نے بے چین ہو کر سڑک کی طرف دیکھا۔

''تم تو ایسے بے چین ہو رہی ہو جیسے تمھارے سیّاں جی آنے والے ہوں۔''

تہمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''ہر بات وہیں سیّاں جی پر ہی آ کر ختم ہوتی ہے تم لوگوں کی۔'' ناز نے چڑ کر کہا۔

''اس لیے کہ اس دنیا میں سیّاں اور اللہ میاں سے بڑھ کر ایک لڑکی کے لیے کچھ نہیں

ہوتا۔'' عظمیٰ نے ہنس کر کہا۔

''خدا کے لیے تم لوگ کچھ دیر کے لیے اپنی ٹرٹر بند کرو گی؟'' ناز نے تنگ آ کر کہا۔

''چلو جی اب ہمارے بولنے پر بھی پابندی لگ گئی۔ ویسے ہی آدھے گھنٹے سے کھڑے یہاں پر انتظار کر رہے ہیں اوپر سے گالیاں بھی سُننے کو مل رہی ہیں۔ چلو تہمینہ اب چُپ کر کے کھڑی رہو۔'' عظمیٰ نے منہ بنا کر کہا اور ناز مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی۔

دوسری طرف میں نیشنل اسٹیڈیم سے گاڑی دوڑاتا ہوا سدا بہار کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔ مجھے تیار ہونے میں خاصی دیر لگ گئی تھی اور میں جانتا تھا کہ ناز مجھ سے بہت ناراض ہو جائے گی۔ اس وقت میں نے کالے رنگ کی شیروانی اور سفید شلوار پہنی ہوئی تھی۔ جیل لگا کر بال پیچھے کیے ہوئے تھے اور پیروں میں سینڈل موجود تھے۔ گھڑی پونے گیارہ بجا رہی تھی جسے دیکھ دیکھ کر میرا دل دھڑک رہا تھا، میں واقعی کافی لیٹ ہو گیا تھا۔

آخر کار سدا بہار پہنچا اور پارکنگ کی تلاش میں نظر دوڑانے لگا۔ قسمت کی خرابی یہ تھی کہ اس وقت ہر پارکنگ فل اپ ہو چکی تھی۔ بہر حال جیسے تیسے کر کے گاڑی پارک کی اور میں گاڑی سے اُتر کر لان کی طرف چلا۔ گیٹ پر کوئی موجود نہیں تھا اس لیے مجھے یقین تھا کہ بارات آ چکی ہے۔

میں چلتا ہوا گیٹ پر پہنچا تو یہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا کہ دروازے پر ایک لڑکی تنہا کھڑی ادھر سے اُدھر دیکھ رہی ہے۔ وہ حسین دوشیزہ کوئی اور نہیں ناز تھی جو شاید میرے ہی انتظار میں وہاں موجود تھی۔ میں اس کا حسن دیکھ کر دو پل کے لیے سکتے میں آ گیا۔ جب جب میں اُسے پہلی بار دیکھتا میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں اور سارہ کانفیڈنس ختم ہو کر رہ جاتا۔ جیسے تیسے کر کے میں نے ہمّت کی اور چلتا ہوا اس کے پاس گیا۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی اور نظریں اپنے موبائل فون پر جمائے ہوئی تھی۔ میں اس کے پاس گیا اور مسکرا کر کہا:

''جی میں نے کہا آداب عرض ہے!''

میری آواز سن کر ناز بُری طرح چونکی اور مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق دوڑ گئی:

''آپ! آپ آ گئے!۔''

''آپ نے بُلایا اور میں نا آتا، ایسے تو دن نہیں۔''

میں نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور وہ ہنس کر میری طرف بڑھی۔

”آپ سوچ نہیں سکتے مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہاں دیکھ کر۔“
ناز نے خوشی کے عالم میں کہا۔
”عزت افزائی کے لیے بہت بہت شکریہ، مگر ڈر اس بات کا ہے کہ میزبان مجھے بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ سمجھ کر روانہ نہ کر دیں۔“ میں نے پریشان ہو کر کہا۔
”تو آپ کو دیوانگی سے ڈر لگتا ہے؟“ ناز نے مسکرا کر پوچھا۔
”اس دیوانگی میں اگر کوئی اپنا مل جائے......تو پھر کوئی غم نہیں......“
میں نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور ناز مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔ تب ہی وہ سنبھل کر کہنے لگی:
”آیئے اندر چلتے ہیں......“
”چلیں!۔“
میں نے پیار سے ہاتھ بڑھایا اور وہ مجھے لے کر اندر چلی۔
شادی کا سیٹ اپ بہت خوبصورت کیا گیا تھا۔ حسین ترین لوگ ادھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ خواتین بے انتہا دلکش لگ رہی تھیں جب کہ مرد حضرات بھی دلوں پر وار کر رہے تھے۔ ایسے میں ناز مجھے لے کر غلام حسن صاحب اور فاطمہ بیگم کی طرف چلی۔ کالی شیروانی میں غلام صاحب کی شخصیت الگ ہی لگ رہی تھی۔ اس وقت غلام صاحبان کی بیگم مہمانوں سے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ جلد ہی مہمان کے پاس پہنچے تو ناز نے دھیرے سے کہا۔
”ڈیڈی......امی۔“
اس کے یہ کہنے پر غلام حسن صاحب پلٹے اور مجھے دیکھ کر بُری طرح چونکے:
”اوہو!! ڈاکٹر صاحب آئے ہیں!“
”السلام علیکم سر!“ میں نے مسکرا کر سلام کیا۔
”وعلیکم السلام!“ غلام صاحب نے مجھے گلے لگایا۔
”السلام علیکم آنٹی!“ میں نے فاطمہ بیگم کو بھی سلام کیا۔
”جیتے رہو بیٹے۔“ انھوں نے مسکرا کر جواب دیا۔
اس وقت انھوں نے بھی لال ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔

''بھئی ساجد صاحب، یہ روحیل صاحب ہیں ہمارے ڈاکٹر مظہر کے فرزند ہیں۔کمال کے ڈاکٹر ہیں ماشاءاللہ سے۔''

غلام صاحب نے اپنے سامنے موجود ایک شخصیت سے میرا تعارف کرایا۔

''اچھا اچھا تو آپ ڈاکٹر مظہر کے بیٹے ہیں۔'' ساجد صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''جی......'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تب تو آپ کے آنے سے ہماری محفل میں چار چاند لگ گئے۔''

ساجد صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں سر ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ میں اس طرح بن بلائے آ گیا، پتا نہیں لڑکی والے کیا سوچیں گے۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''لڑکی والے کچھ نہیں سوچیں گے کیوں کہ آپ اس وقت لڑکی کے والد سے ہی ہم کلام ہیں۔'' ساجد صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"Ohh I See.." میں بُری طرح چونک گیا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''تب تو آپ کو شادی بہت بہت مبارک ہو۔'' میں نے ایک دم سے کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو میاں، ان کی شادی کو تو پچیس سال ہو گئے ہیں۔''

غلام حسن صاحب حیران ہو کر بولے۔

''ڈیڈی ڈاکٹر روحیل کا مطلب فائزہ کی شادی سے ہے۔'' ناز نے ہنس کر سمجھایا۔

''لیکن ان کی سمجھ میں کہاں آئے گی یہ بات، انھیں تو بس اپنے طبلے اور ہارمونیم ہی سمجھ میں آتا ہے۔'' فاطمہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''ارے بیگم، سچ کہا ہے کسی نے کہ دنیا لاکھ آپ کو اُستاد کہے مگر بیوی آپ کو طبلچی ہی بنا دیتی ہے......'' غلام حسن صاحب نے مستی میں کہا اور ہم سب نے قہقہہ لگایا۔

''غلام صاحب یہ بتائیں غزل سُنا رہے ہیں یا نہیں؟'' ساجد صاحب نے خوش ہو کر پوچھا۔

''ارے نہیں ساجد صاحب آج کل زرا طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پھر کسی دن سہی۔''

غلام حسن صاحب نے کہا۔

''غلام صاحب بڑی معذرت کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ آپ کا بلڈ پریشر اس وقت

بالکل نارمل ہے اور گلا جیسا آپ کا ہے، شاید ہی دنیا میں کسی کا ہو۔ اس لیے آج ہو جائے ایک غزل۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اماں ڈاکٹر میاں تم ہمارے مہرباں ہو یا ساجد صاحب کے؟''

غلام صاحب نے آنکھیں نکال کر پوچھا اور سب ہنسنے لگے۔

''بس غلام صاحب اب تو ہمارے پاس میڈکل رپورٹ تک آ گئی ہے، اب آپ کو ایک غزل سُنانی ہی ہوگی۔'' ساجد صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''مگر کھانا کھلا دو پہلے، بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔''

غلام صاحب نے منھ بنا کر کہا۔

''چوہوں سے کہیے کہ بس دو منٹ اور صبر کرلیں......'' ساجد صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور سب نے قہقہہ لگایا۔

''آپ لوگوں کی باتیں شروع ہوں گی تو ختم ہونے کا نام نہیں لیں گی۔ روحیل آیئے میں آپ کو اپنی دوستوں سے ملواؤں۔'' ناز نے بااخلاق ہو کر کہا۔

''جی بالکل۔''

میں نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور وہ مجھے لے کر اپنی سہلیوں کی طرف بڑھی۔ جلد ہی وہ مجھے دو لڑکیوں کے پاس لے کر پہنچی۔

''تہمینہ، عظمیٰ۔''

ناز نے انھیں آواز دی اور دونوں چونک کر مڑیں اور پھر مجھے دیکھنے لگیں۔

''ان سے ملیے، یہ ہیں ڈاکٹر روحیل۔ میں نے کہا تھا نا یہ ضرور آئیں گے۔''

ناز نے مسکرا کر کہا۔

''السلام علیکم!' میں نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! آپ اتنے بُرے تو نہیں تو پھر ناز......''

''عظمیٰ......'' ناز نے اُسے گھورا۔

''اچھا معافی بھئی۔'' عظمیٰ بولی اور ہاتھ بڑھا کر بولی:

"Hi, I'm Uzma"

اس لمحے میں ہنس دیا اور عظمیٰ سے ہاتھ ملا کر کہا:

"I'm Dr.Rohail"

"And I'm single" تہمینہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''جی؟'' میں چونک کر بولا۔

''مم......میرا مطلب، میں تہمینہ۔'' اس نے آہیں بھر کر کہا۔

''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی تہمینہ۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کی کوئی گرل فرینڈ ہے؟'' عظمیٰ نے ایک دم سے پوچھا۔

''جی؟'' میں پھر سے چونکا۔

''بتایئے بتایئے آپ کی کوئی گرل فرینڈ ہے؟'' عظمیٰ نے پھر پوچھا۔

''جج......جی نہیں، ابھی تک تو نہیں۔'' میں نے گھبرا کر جواب دیا۔

''تو پھر پلیز میری بہن تہمینہ کو اپنا لیجیے، یہ بچاری کب سے پاگل بنی ہوئی ہے کہ کوئی سپنوں کا راج کمار آئے گا اور اسے لے جائے گا۔ راج کمار کا تو پتا نہیں لیکن یہاں تو دُور دُور تک منوج کمار بھی نہیں آیا۔ لے دے کر آپ پینتالیس منٹ لیٹ آئے ہیں، مگر آئے تو سہی، تو پلیز میری بہن کو اپنا لیجیے۔ جہیز میں ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔''

عظمیٰ بولتی چلی گئی اور ہم ہنسنے لگے۔

''غالباً جہیز لڑکے والے نہیں، لڑکی والے دیتے ہیں۔'' تہمینہ نے جل کر کہا۔

''ارے غالب کا دور گیا، اب زمانہ عاطف اسلم کا ہے دوست۔'' عظمیٰ نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''اس کی باتوں کا بُرا مت مانیے گا، اصل میں جب یہ پیدا ہوئی تھی تو اسے میل نرس سے پیار ہوگیا تھا، بعد میں پتا چلا کہ وہ نرس نہیں بلکہ اسپتال کا جمعدار تھا۔ بس تب سے ہی بہک گئی ہے۔ ویسے آپ تو ڈاکٹر ہیں نا؟''

تہمینہ نے گھبرا کر پوچھا اور میں ناز کے ساتھ ہنسنے لگا:

''جی ہاں میں ڈاؤ میڈکل کالج سے ڈگری ہولڈر جمعدار ہوں۔''

میری بات سن کر تینوں ہنسنے لگیں۔

''روحیل، یہ تو کچھ نہیں ہیں، جب یہ تینوں ایک ساتھ ہوجاتی ہیں تو ہنگامہ کر کے رکھتی

ہیں۔“ ناز نے مسکرا کر بتایا۔
”اہمم تینوں؟“ میں نے ناز کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
”ایک فائزہ ہے، جس کی شادی میں آپ آئے ہیں۔“ عظمٰی نے منہ بنا کر کہا۔
”اوہ اچھا، اچھا۔“ میں نے ہنس کر کہا۔
”آپ کس چیز کے ڈاکٹر ہیں؟“ تہمینہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔
"I am Allopathic Doctor. But I'm looking forward to get specialization in surgical department" میں نے بتایا۔
”کیا آپ اسکن اسپیشلسٹ بھی ہیں؟“ تہمینہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔
”امم...... جی نہیں، لیکن تھوڑی بہت انفارمیشن ہے۔“ میں نے مسکرا کر بتایا۔
”تو پھر زرا یہ دیکھیے نا، میری اسکن پر کیا ہو رہا ہے۔“
یہ کہہ کر تہمینہ نے اپنی آستین اوپر کی اور مجھے اس کے ہاتھ پر سفید دھبّے نظر آئے۔
”کیا یہ کیلشیم کی کمی کی وجہ سے ہے؟“ تہمینہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔
”نہیں۔“ میں نے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
”کہیں یہ Vitiligo تو نہیں ہے؟“۔ وہ پریشان ہو کر کہنے لگی۔
”ارے نہیں نہیں...... وٹیلیگو اس طرح کی نہیں ہوتی...... میرے خیال سے یہ کسی قسم کی فنگس ہے، کیا آپ روزانہ دھوپ میں جاتی ہیں؟“ میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
”جی نہیں لیکن میں سوئمنگ کرتی ہوں۔“ تہمینہ نے مجھے دیکھ کر کہا۔
”پھر یہ بہت حد تک سوئمنگ کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ میں آپ کو ایک ٹیوب تجویز کر دیتا ہوں آپ وہ ٹیوب لے لیجیے گا، ان شاء اللہ اُس سے ٹھیک ہو جائے گا۔“
میں نے اطمینان سے کہا۔
”اہمم آپ مجھے whatsapp کر دیجیے نا۔“ تہمینہ نے دھیرے سے کہا۔
”جی بالکل، بتائیے اپنا نمبر۔“ میں نے اپنا موبائل نکالتے ہوئے کہا۔
”تہمینہ آپ رہنے دیجیے، اس لیے نہیں بُلایا تھا میں نے۔“
ناز نے میرا ہاتھ تھام کر تہمینہ سے کہا۔

’’ارے میں تو بس ٹیوب کا پوچھ رہی ہوں۔‘‘ تہمینہ منمنانے لگی۔

’’ہاں ہاں تم یہاں سے چلنا میں بارہ کلو ٹیوب دلا دوں گی۔ ابھی رہنے دو۔‘‘

ناز نے جل کر یہ جملے کہے اور پھر کہنے لگی:

’’آئیے روحیل میں آپ کو فائزہ سے ملواؤں۔‘‘

’’اہمم میں ناز کو ٹیوب کا نام میسج کر دوں گا آپ ان سے لے لیجیے گا۔‘‘

میں نے ناز کے ساتھ جاتے ہوئے تہمینہ سے کہا اور تہمینہ حسرت سے دیکھتی رہ گئی۔

"Hes cute na?" عظمیٰ نے خوش ہو کر پوچھا۔

"Yeah! he got amazing ass too"

تہمینہ نے آہیں بھر کر یہ جملے کہے اور عظمیٰ اُسے دیکھنے لگی۔

دوسری طرف میں ناز کے ساتھ چلتا ہوا اسٹیج کے پاس آیا۔ دولھا دلھن مہمانوں کے ساتھ تصویر بنوا رہے تھے۔ جوڑا پیارا تھا اور دیکھتے ہی لگا کہ ایک دُوجے کے لیے بنے ہیں۔ دونوں اس لمحے بے حد خوش لگ رہے تھے۔ میں مسکرا کر یہ منظر دیکھنے لگا۔

’’بس یہیں رُکیے، جب دولھا دلھن کی تصویر بن جائے تو ہم اوپر جائیں گے۔‘‘ ناز نے مجھے دیکھ کر کہا۔

’’ہاں ٹھیک ہے، تب تک میں تہمینہ کو نمبر دے آتا ہوں، بچاری کو ٹیوب کی ضرورت ہے......‘‘ یہ کہہ کر میں پلٹا۔

’’کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو کچھ کرنے کی۔‘‘ ناز نے جل کر میرا ہاتھ پکڑا۔

’’لیکن اس میں پرابلم کیا ہے؟ تہمینہ بچاری سنگل ہے، اکیلی ہے اور اُسے ایک ڈاکٹر کی بھی ضرورت ہے......‘‘ میں نے مستی میں کہا۔

’’کبھی میری بات بھی پوری اتنی آسانی سے کرلیا کیجیے۔‘‘ ناز نے منھ بنا کر کہا۔

’’عاطفن میں آپ کے ہی بُلانے پر آیا ہوں۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔

’’عاطفن؟، یہ عاطفن کیا ہے؟‘‘ ناز نے چونک کر پوچھا۔

’’جیسا کہ عظمیٰ نے کہا کہ غالب کا زمانہ نہیں رہا تو غالباً سے بہتر مجھے عاطفن لگا کیوں کہ اب زمانہ عاطف اسلم کا ہے۔‘‘

میں مستی میں کہتا گیا اور ناز کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔
جلد ہی دولھے اور دلھن کی تصویریں بن گئیں اور ناز مجھے لے کر اسٹیج پر پہنچی۔
''فائزہ ان سے ملو، یہ ہیں ڈاکٹر روحیل۔ ڈاکٹر مظہر کے فرزند۔''
ناز نے اسٹیج پر جا کر میرا تعارف کرایا۔
''السلام علیکم!'' فائزہ نے مجھے سلام کیا۔
''وعلیکم السلام!، شادی بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔''
میں نے مسکرا کر اُسے مبارکباد پیش کی۔
''شکریہ!'' دلھن نے دھیرے سے جواب دیا۔
''اور یہ ہیں جہانزیب احمد، فائزہ کے نئے نویلے اور اکلوتے شوہر۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔
''السلام علیکم، آپ کی احمد جہانزیب سے کوئی رشتہ داری تو نہیں ہے؟''
میں نے مسکرا کر دولھا سے پوچھا۔
بس اس حد تک ہی ہے کہ وہ احمد جہانزیب ہیں اور میں جہانزیب احمد۔''
دولھے نے مسکرا کر کہا اور ہم سب ہنسنے لگے۔
''ویسے کیا آپ لوگ رشتے دار ہیں؟'' دولھے نے ہمیں دیکھ کر پوچھا۔
''یہ میرے بہت اچھے دوست ہیں، اور فیملی ڈاکٹر بھی ہیں۔ پاپا بہت بڑے فین ہیں ان کے......''

ناز نے مسکرا کر میرا تعارف کرایا اور لبوں پر مسکراہٹ چسپاں ہوگئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں اور ناز دوست بن گئے اور ہمیں پتا ہی نا چلا۔ ہمارے اس تعلق کو نام مل گیا تھا، جسے حاصل کر کے مجھے بہت خوشی تھی۔

جلد ہی کھانا کھل گیا اور مہمان کھانے کی طرف بڑھے۔ غلام صاحب کی فرمائش پر میں نے ان کے اور ساجد صاحب کے ہمراہ کھانا تناول فرمایا، جب کہ ناز اپنی سہلیوں کے ساتھ ایک کونے میں کھڑی کھانا کھا رہی تھی۔ زلفوں کو جھٹک کر ایک ہاتھ میں پلیٹ اور دوسرے ہاتھ سے جب وہ روٹی کا نوالہ توڑتی تو اس قدر حسین لگتی جس کی کوئی حد نہیں۔ ہر ادا ناز کی دیکھنے والی تھی، وہ واقعی قُدرت کا ایک الگ ہی کرشمہ تھی۔ میں واقعی آہستہ آہستہ اس کا دیوانہ ہو رہا تھا۔

آخر کار کھانے کے بعد دولھا دلھن سے کچھ دُور ایک چھوٹا سا اسٹیج تیّار ہوا جہاں طبلے کا سیٹ، ستار اور ہارمونیم کسی کا منتظر نظر آیا۔ غلام حسن صاحب یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حیرت کے عالم میں ساجد صاحب کی طرف دیکھنے لگے۔ ساجد صاحب نے ان کے لیے یہ ایک بہت بڑا سرپرائز کیا تھا۔ جب سب لوگوں نے دیکھا کہ غلام صاحب غزل سُنانے والے ہیں تو پورا لان تالیوں کی آواز سے گُونج اٹھا۔

جلد ہی طبلہ نواز اور ستار نواز بھی آ کر بیٹھ گئے تو غلام صاحب کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ اسٹیج کی طرف بڑھے۔ اس لمحے۔ تہمینہ اور عظمیٰ دیگر لڑکیوں کے ساتھ مل کر شور مچانے لگیں۔ جب کہ میں مسکرا کر صوفے پر بیٹھا ہوا انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ بیگم بھی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں اور اُسی صوفے سے ٹیک لگائے نازانہی کے برابر میں بیٹھی تھی۔ آخر کار غلام صاحب ہارمیونیم پر بیٹھے اور مائیک پر مخاطب ہوئے:

''معزز خواتین و حضرات، السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!'' سب نے مل کر جواب دیا۔

''اگرچہ شادی میں سلامی میں لفافے یا تحفے دولھا اور دلھن کے لیے نظر کیے جاتے ہیں، مگر میں لفافے کے ساتھ ساتھ ایک غزل بھی ان بچّوں کو سلامی کے طور پر پیش کرنے لگا ہوں، اگر آپ سب کی اجازت ہو تو......''

''ضرور......ضرور......''

کئی آوازیں گونجیں۔ اس وقت دولھا اور دلھن بھی نیچے آ گئے تھے اور ان کی نظریں غلام حسن صاحب پر مرکوز تھیں۔

''میرا گلا واقعی کچھ ٹھیک نہیں ہے، اگر غزل کہتے ہوئے کوئی خطا ہو جائے تو ناچیز کو معاف کر دیجیے گا......''

غلام حسن صاحب نے عاجزی کے ساتھ یہ جملے کہے اور اسی لمحے ان کی انگلیاں ہارمونیم پر جادُو بکھیرنے لگیں۔ اب سب غور سے غلام صاحب کے سنگیت کو سُننے لگے۔ طبلہ نواز نے بھی اپنا جادُو شروع کیا اور ستار نواز بھی سرُوں کو بیتاب کرنے کے لیے بے چین ہو گیا...... یہ پہلا اتفاق تھا کہ میں غلام صاحب کی غزل سامنے بیٹھ کر سُن رہا تھا۔

غلام صاحب نے راگ لگانا شروع کیے اور ان کے راگ ہمارے کانوں میں رس گھولنے لگے۔ ایک منظر بندھ گیا۔ ایسے میں ان کے لب ہلے:

''جھوم کے جب، رندوں نے پلا دی۔''

''واہ واہ وا!......''

پہلی ہی لائن سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ غلام صاحب کا گلا ایک دم صحیح ہے، کئی لوگوں کے واہ کے لیے ہاتھ اٹھ گئے اور میں خوش ہو کر اُستاد صاحب کو دیکھنے لگا جو غزل انھوں نے شروع کی تھی وہ میری بہت پسندیدہ تھی۔ محفل میں ایک الگ ہی رنگ بکھر گیا اور سب انہی کی طرف متوجہ ہوئے۔

''جھوم کے جب رندوں نے پلا دی، شیخ نے چُپکے چُپکے دعا دی

جھوم کے جب رندوں نے پلا دی''

غلام صاحب کے منھ سے الفاظ پھول بن کر نکل رہے تھے اور لوگ محو ہونے لگے۔ اس لمحے فاطمہ بیگم بھی اپنے شوہر کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ناز مسکرا کر اپنے ڈیڈی کی طرف دیکھ رہی تھی جب کہ میں کن اکھیوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے جھوٹا وعدہ کر کے

آپ نے جھوٹا وعدہ کر کے

آج ہماری عمر بڑھا دی

آج ہماری عمر بڑھا دی

جھوم کے جب رندوں نے پلا دی''

''واہ وا!......''

لوگوں نے دل کھول کر داد دی، محفل اس حد تک بہک چکی تھی کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ سب غلام صاحب کے سُروں میں بہہ رہے تھے۔ اب ستار نواز اپنا جادُو ستار پر بکھیر رہا تھا اور میری نظروں کے سامنے جیسے ناز سما گئی، دو پل کے لیے ایسا لگا جیسے یہ نظر، یہ لوگ، یہ محفل یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ بس میں اور ناز اس محفل میں ہیں۔ میں بیٹھا ہوا ناز کو تک رہا ہوں اور وہ میرے پیار میں دیوانوں کی طرح جھوم رہی ہے۔ ناز کی بات ہی سب سے الگ تھی، پاکستانی ثقافت، اُردو کا حُسن اور شاعری کا گہنا ناز میں بسا ہوا تھا۔ کوئی کیوں کر نا ناز کو چاہے؟ اس لمحے میں

بالکل محو ہو گیا، ہوش تب آیا جب غلام صاحب کے الفاظ میرے کانوں میں پڑے:

''تیری گلی میں سجدے کر کے

تیری گلی میں سجدے کر کے

ہم نے عبادت گاہ بنادی

ہم نے عبادت گاہ بنادی

جھوم کے جب رندوں نے پلادی''

''آہا آہا......واہ وا......''

لوگوں نے پھر داد دی اور محفل مہکنے لگی۔ میں نے گردن گھما کر ناز کو دیکھا تو وہ وہ بھی محو نظر آئی، اس لمحے وہ اپنے ڈیڈی کو تک رہی تھی۔ سنگیت سے اُسے کس قدر لگاؤ تھا اس بات کا اندازہ مجھے ہو رہا تھا۔ مسکرا کر میں غلام صاحب کو دیکھنے لگا، مگر اس لمحے غلام صاحب کے چہرے پر مجھے کئی الجھنوں کے بادل نظر آئے۔ وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے، شاید انھیں اگلا شعر یاد نہیں آرہا تھا۔ میں پریشان ہو کر انھیں دیکھنے لگا، اگلا مصرع مجھے اچھی طرح یاد تھا اور وہی میرا پسندیدہ تھا مگر شاید غلام صاحب کے ذہن میں یہ مصرع موجود نہیں تھا۔ طبلے والا بھی بچارہ بار بار رول دے کر غلام صاحب کو غزل میں لانے کی کوشش کرنے لگا مگر اس لمحے وہ بالکل لائنز کو بھول چکے تھے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میں مسکرایا اور اٹھ کر اگلا شعر کہا:

''ایک کمی تھی......تاج محل میں......''

میرا یہ گانا تھا کہ غلام صاحب نے چونک کر مجھے دیکھا۔ وہی نہیں بلکہ محفل میں موجود ہر شخص نے مجھے چونک کر دیکھا۔ ناز کے چہرے پر خوشی دوڑ گئی اور وہ مجھے دیکھنے لگی۔

''ڈاکٹر صاحب یہاں آیئے......''

غلام صاحب نے مائیک پر مجھے اسٹیج پر بُلایا اور میں پریشان ہوا۔ کئی مہمان مجھے اسٹیج پر بھیجنے لگے اور میں گھبرا کر اُٹھا۔ محفل میں ایک بار پھر تالیاں بج گئیں۔ تہمینہ اور عظمیٰ بھی مسکرا کر مجھے دیکھنے لگیں۔ فاطمہ بیگم، اور ساجد صاحب کا حال بھی کچھ مختلف نہیں تھا۔ میں مسکرا کر چلتا ہوا غلام صاحب کی طرف بڑھا اور ان کے برابر میں بیٹھا۔ غلام صاحب نے مائیک میری طرف کیا، میں نے گھبرا کر مائیک پر کہا:

”ایک کمی تھی تاج محل میں
ایک کمی تھی تاج محل میں“
میں نے ناز کا چہرہ دیکھا تو وہ مجھے ہی دیکھتی نظر آئی۔ میں مسکرایا اور گایا:
”ہم نے تیری تصویر لگا دی“
”واہ وا......“
لوگوں نے دیوانوں کی طرح میرے اس شعر پر داد دی!...... ناز مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی، فاطمہ بیگم بھی مسکرا کر کبھی مجھے تو کبھی اپنی بیٹی کو دیکھنے لگیں۔ شاید وہ ہمارے دلوں کا حال سمجھ رہی تھیں۔ تہمینہ اس لمحے محو ہو کر مجھے دیکھ رہی تھی۔ عظمیٰ نے جب یہ دیکھا کہ اس کا منہ کھلا ہوا ہے تو اپنے ہاتھ سے اس کا منہ بند کر دیا۔
میں نے دوبارہ شعر کہا اور اس بار غلام صاحب نے بھی میرا ساتھ دیا:
”ہم نے تیری تصویر لگا دی“
”شیخ نے چپکے چپکے دعا دی
جھوم کے جب رندوں نے پلا دی
جھوم کے جب رندوں نے پلا دی“
محفل تالیوں کی گونج سے کھل اُٹھی۔ میں غلام صاحب کے برابر بیٹھا ہوا غزل گا رہا تھا۔ ایسا لگا جیسے میرا کوئی ادھورا خواب پورا ہو گیا ہو، اُستاد غلام حسن کے برابر میں بیٹھ کر غزل سنانا ایک بہت بڑی بات تھی اور اس کی سعادت میں اس وقت حاصل کر رہا تھا۔ ناز کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ شاید یہ اس کی زندگی کا سب سے حسین پل تھا جسے وہ بھی خوب جی رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی زلف کو جھٹک کر میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک چاہت میرے دل میں بھی تڑپ اٹھی تھی اور وہ چاہت ناز کی محبت کی چاہت تھی۔ میں ناز پر مر مٹا تھا...... ہاں مجھے اُس سے پیار ہو گیا تھا۔ میں اُسے دیوانوں کی طرح چاہنے لگا تھا۔ اس لمحے میں اپنی زندگی کا چہرہ تک رہا تھا جو محو ہو کر مجھے دیکھ رہ تھی، اس کی آنکھوں میں جو خوشی مجھے نظر آ رہی تھی وہ میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی...... کبھی نہیں دیکھی تھی۔

☆......☆

ایک روز شاہین بیگم اپنے گھر میں اپنی دوست بیگم فہمیدہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھیں۔شام کا یہ وقت بہت حسین لگ رہا تھا اور اس وقت دونوں خواتین لان میں موجود تھیں۔فہمیدہ بیگم ایک بہت ہی نک چڑی قسم کی عورت تھیں۔دُبلی پتلی مگر اُدھیڑ عمر۔جوان لگنے کی پُوری کوشش تھی مگر مہنگے میک اپ کے بعد بھی عمر چھپ نہیں رہی تھی۔لمبا چہرہ اور لمبی گردن۔آنکھوں میں دوسروں کے لیے حقّارت اور غرور۔فہمیدہ بیگم کراچی کے ایک بہت بڑے بزنس مین کی بیوی تھیں۔اولاد تو تھی نہیں اس لیے نظر دوسروں کے گھروں پر ٹکی رہتی۔فہمیدہ بیگم نے سگریٹ پیتے ہوئے شاہین بیگم کو دیکھا تو وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آئیں۔فہمیدہ بیگم نے پُراسرار لہجے میں پوچھا:

''شاہین......آج کل تم کافی چُپ چُپ رہنے لگی ہو؟ کیا بات ہے؟''

شاہین بیگم نے انھیں ایسے دیکھا جیسے کسی نے انھیں گہری نیند سے بیدار کیا ہو۔انھوں نے گہرا سانس لیا اور کہا:

''جب اپنا ہی گھر پرایا لگنے لگے تو ایسا ہو جاتا ہے فہمیدہ۔''

''خیریت؟......ایسا بھی کیا؟......کیا مظہر بھائی سے......کوئی بات ہوگئی؟''فہمیدہ بیگم نے انھیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’میری اوران کے بیچ میں آج تک نہ تو کبھی کوئی آیا ہے اور نا ہی آئے گا، یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہوں۔مگر ہمیشہ سے ایک دیوار میرے اور مظہر کے بیچ میں رہی ہے، ایک ایسی دیوار...... جسے نہ تو میں پار کرسکتی ہوں اور نا ہی گرا سکتی ہوں۔سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔‘‘

شاہین بیگم نے پریشان کُن لہجے میں یہ جملے کہے۔

’’شاہین...... دیوار اگر گرنے کا نام نہیں لے رہی......تو اُس دیوار کو قبول کرکے...... نئے رستوں کے لیے دروازے کھولنے کی کوشش کرو......‘‘ فہمیدہ بیگم نے انھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

’’نہیں فہمیدہ، یہ دیوار یا تو ساری زندگی رہے گی، یا پھر ایک دن ڈھا دی جائے گی۔مجھے بس اُس ایک دن کا انتظار ہے۔اسی ایک دیوار کی وجہ سے مجھے اپنا گھر پرایا لگتا ہے، اپنے بچّے پرائے لگتے ہیں، اپنا شوہر اپنا نہیں لگتا۔‘‘

شاہین بیگم گہری سوچ میں کہتی چلی گئیں اور فہمیدہ بیگم خاموش ہوگئیں۔کچھ پل اسی خاموشی کی نظر ہوئے تو انھوں نے کہا:

’’تم اظہر کی شادی کیوں نہیں کرادیتیں؟‘‘

’’اظہر کی شادی؟‘‘ شاہین بیگم نے انھیں دیکھا۔

’’ہاں اظہر کی شادی، گھر میں بہو لے آؤ تو کم از کم اظہر تو تمھارا اپنا ہو ہی جائے گا۔‘‘

فہمیدہ بیگم نے انھیں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

’’شادی کے بعد کون سا بیٹا ماں کا ہو کر رہتا ہے سب بیوی کے پلّو سے بندھ کر رہ جاتے ہیں۔‘‘ انھوں نے منھ بنا کر کہا۔

’’سچ کہا...... اولاد تب تک اپنی ہے...... جب تک گھر میں بہو نہیں......جس دن بہو نے قدم رکھا...... اولاد نے اُسی کا دامن پکڑنا ہے...... یہ تو ہو کر رہے گا......اور اس نظام کو تم بدل بھی نہیں سکتیں...... ہاں اگر تم چاہو.....تو اولاد کو بھلے ہی دامن پکڑنے دو...... پر جس کا دامن وہ پکڑ رہے ہیں......تم اس کا گلا دبوچ لو............‘‘ فہمیدہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

’’کیا مطلب؟‘‘ شاہین بیگم نے چونک کر انھیں دیکھا۔

فہمیدہ بیگم مسکرائیں اور کہنے لگیں:

’’اظہر ایک رومینٹک لڑکا ہے، لڑکیوں کے آنچل پر ہی فدا ہوجاتا ہے، اگر گھر کی بہو آ کر گھر

کی دیوار کو تڑوانے کی بات کر دے تو اظہر بھی وہی کرے گا۔ اور جب گھر کے بہو بیٹے ایک ہی بات کہیں گے تو نہ شہناز بیگم کچھ کر سکتی ہیں نا ہی مظہر بھائی۔ فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے۔''

''فہمیدہ میں اظہر کو جانتی ہوں، وہ اپنی ہی پسند کی شادی کرے گا، اور اس کی پسند کس طرح کی لڑکی ہوگی میں نہیں جانتی۔ بھلا میں اُسے کچھ کس طرح سمجھا سکتی ہوں......''

شاہین بیگم نے الجھ کر کہا۔

''اس کی تم فکر کیوں کرتی ہو؟، ایک بار اظہر کی شادی کر دو پھر دیور پر الزام لگانا معمولی سی بات ہوتی ہے۔ عورت کے پاس اگر کوئی دولت نہ ہو تب بھی اس کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے، ایسا بہت کچھ جس کے لیے مرد ترستا پھرتا ہے۔ بس کچھ ایسا ثابت ہو جائے، تمھاری بہو کا شوہر خود اپنے ہاتھوں سے اس کے دیور کو دھکّے مار مار کر نکال دے گا۔ اور تمھارا گیم صاف ہو جائے گا۔''

فہمیدہ بیگم نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور شاہین بیگم کی آنکھوں میں چمک دوڑ گئی۔

''سوچو نہیں شاہین، میری مانوں ابھی سے ہی اپنی بہو کی تلاش شروع کر دو۔ خدا نا خواستہ اگر تمھاری بہو کا دیور کسی کو پسند کر کے گھر پر لے آیا......تو گھر تو جائے گا ہی...... ساتھ ساتھ جائیدادیں بھی جائیں گی۔''

فہمیدہ بیگم نے گہری بات کہی اور چائے کا کپ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شاہین بیگم اس لمحے سوچتی رہ گئیں کہ فہمیدہ بیگم انھیں کیا بتا کر چلی گئی ہیں۔

☆......☆

میں آج بڑی خاموشی سے اپنی او پی ڈی میں مریضوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرا دھیان نہ تو مریضوں کی بیماریوں پر تھا اور نا ہی ان کے پرابلمز پر۔ رہ رہ کر شادی کا وہ منظر اور وہ لمحے یاد آ رہے تھے جو ناز کے ساتھ بتائے تھے۔ غلام حسن صاحب کے ساتھ غزل گانا اور ناز کا خوشی سے جگمگاتا چہرہ دیکھنا میرے لیے ایک بہت بڑی بات تھی، اس قدر پیار اور محبت کے لمحے میری زندگی میں بہت کم آئے تھے، اس لیے میں اپنے ان پلوں کو سمندر پر پڑی سیپیوں کی طرح چُن رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاب؟''

موٹی سی خاتون جو میرے سامنے بیٹھی تھیں اس نے چونک کر مجھے آواز دی پر میں اپنے نوٹ پیڈ کو ہی تکتا رہا۔

”ڈاکٹر صاب؟“

اس بار اس کی آواز سن کر میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

”ڈاکٹر صاب آپ ٹھیک تو ہیں؟“ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”اہم......جی جی میں ٹھیک ہوں......کیا نام بتایا آپ نے؟“

میں نے نوٹ پیڈ پر لکھتے ہوئے مریضہ کا نام پوچھا۔

”دُردانہ۔“ اُس نے جواب دیا۔

”مردانہ؟“ میں نے چونک کر انھیں دیکھا۔

”مردانہ نہیں دُردانہ۔“ وہ دوبارہ بولیں۔

”او کے مس دُردانہ یہ کچھ ادویات میں نے لکھی ہیں، آپ ان شاءاللہ صحت یاب ہو جائیں گی باقی شیخ چپکے چپکے دعا کرے گا۔“ میں کہتا چلا گیا۔

”شیخ چُپکے چُپکے دعا کرے گا؟......کون شیخ ڈاکٹر صاحب؟“

دُردانہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”اہمم وہ آئی ایم سوری، میرا مطلب میں آپ کے لیے دعا کروں گا۔آپ جا کر رندوں سے دوا لے کر پی لیں۔“ میں پھر جلدی میں کہہ گیا۔

”رندوں سے دوا؟...... شیخ سے دعا؟...... ڈاکٹر صاحب آپ کہیں روحانی علاج تو نہیں کرتے؟“ دُردانہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”اوفوہ......اہم......مس دُردانہ ایسی کوئی بات نہیں ہے......میرا دماغ اس وقت کچھ تھکا ہوا ہے اس لیے منھ سے عجیب عجیب باتیں نکل رہی ہیں آپ پلیز بُرا مت مانیں۔“ میں نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔

”ڈاکٹر صاحب آپ کا دماغ تھکا ہوا ہے؟“ دُردانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں کیوں؟“ میں نے الجھ کر کہا۔

”مجھے تو کسی نے کہا تھا کہ ڈاکٹر بہت اچھا ہے، مگر آپ تو دماغ سے تھکے ہوئے ہیں۔“ دُردانہ نے حیران ہو کر کہا۔

”آپ کا مطلب کیا ہے؟“ میں نے انھیں گھُور کر پوچھا۔

''نہیں جی میرا مطلب یہ ہے کہ شیخ کی دعا سے آپ کے سامنے موجود مریضہ بہت اچھی گھریلو ڈاکٹر ہے، میں چاہوں تو آپ کی تھکن منٹوں میں اُتار دوں۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ارے کچھ نہیں، آپ بس نیم گرم پانی میں چلغوزے اُبالیں پھر اُس میں گلاب کی پتیاں ڈال کر اُسے اچھی طرح مکس کر لیں، پھر اُس میں لونگ، پستہ، ثابت کالی مرچ اور شکر ڈالیں اور پھر ہلائیں......''

''گلاس کو؟'' میں نے حیرت کے عالم میں پوچھا۔

''نہیں جی اپنے آپ کو۔ جب آپ پیلیں تو کمر کو ایسے ایسے ہلائیں کہ پانی جسم میں ہر طرف پھیل جائے۔ جس طرح مالی پودوں پر پانی ڈالتا ہے پیٹ میں بھی پانی ویسے ہی پھیل جائے، ان شاء اللہ آپ کی تھکن کم ہو جائے گی۔'' دُردانہ نے دانت نکال کر کہا۔

''اور اتنا سب کچھ کرنے کے بعد جب مجھے تھکن ہو گی اس کا کیا؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''پھر ایک گلاس اور بنا لیں جی۔ ویسے کیا عجیب اتفاق ہے، میں آئی تھی اپنے علاج کے لیے، اور علاج کا مشورہ دے رہی ہوں ڈاکٹر کو، میری امّاں کہا کرتی تھیں کہ بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی، آج وہ زندہ ہوتیں تو کتنا خوش ہوتیں۔'' وہ خوش ہو کر کہتی چلی گئی۔

''بی بی میں آپ کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا، اب آپ جا سکتی ہیں۔''

میں نے منھ بنا کر کہا۔

''اچھا جی، خدا حافظ!''

دُردانہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور چل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میرے لبوں پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ میں نے انٹر کام اٹھا کر کہا:

"Next"

اب میں فائلز دیکھنے لگا۔ جلد ہی دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا۔

''تشریف رکھیے اور بتائیے کیا مسئلہ ہے؟'' میں نے فائل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی کھانا کھاتا ہوں تو پیٹ بھر جاتا ہے اور پھر صبح ناشتے کی طلب ہوتی ہے۔''

وسیم کی آواز سن کر میں نے چونک کر چہرہ اٹھا کر اُسے دیکھا تو وہ منھ بنائے نظر آیا۔

’’ابے تُو ؟ تُو یہاں کیسے؟، تجھے پتا نہیں ہے یہ میرا او پی ڈی کا ٹائم ہے۔‘‘
میں نے مسکرا کر پوچھا۔
’’جی ہاں، اس لیے با قاعدہ پرچی کٹا کر آیا ہوں۔ اس وقت میں آپ کا پیشنٹ ہوں۔‘‘
وسیم نے ٹیبل پر پرچی رکھ کر کہا اور میں ہنس کر بولا:
’’تم نہیں سدھرنے والے۔‘‘
’’اور تم بھی نہیں سدھرنے والے، آگے اسٹوری میں کیا ہوا کچھ پتا ہی نہیں چلا ہمیں۔ ابے بتانا شادی میں گیا تھا یا نہیں؟‘‘ وسیم نے ہاتھ پھیلا کر پوچھا۔
’’ہاں گیا تھا، اور وہ کچھ ہوا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔‘‘ میں نے خوش ہو کر بتایا۔
’’کیا ہوا؟‘‘ اس نے مچل کر پوچھا۔
’’یار میں نے غلام حسن صاحب کے ساتھ غزل کہی۔‘‘ میں نے جوشیلے انداز میں بتایا۔
’’ارے واہ!، تیرا تو سپنا پورا ہو گیا۔‘‘ وسیم نے خوش ہو کر کہا۔
’’ہاں شاید، مگر انسان کی خصلت بہت عجیب سی ہے، یہ ہر دن نئے سپنے پال لیتا ہے، اب میرا سپنا کچھ اور ہے۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔
’’اور وہ سپنا کیا ہے؟‘‘
وسیم نے مسکرا کر پوچھا اور میں ہنسنے لگا۔ سر کو جھکا کر میں نے ناز کو یاد کرتے ہوئے کہا:
’’اُس رات جب میں گھر لوٹا تو یہ بات جان گیا تھا...... کہ میں ناز سے محبت کرنے لگا ہوں...... دیوانہ ہو گیا ہوں اس کا...... مجھے اب ایک فیصد بھی شک نہیں...... کہ میں ناز سے محبت کرنے لگا ہوں......وسیم...... میں گل ناز سے نکاح کرنا چاہتا ہوں......‘‘
’’سبحان اللہ!......آج کے دن کی خوبصورت بات سُنی ہے میں نے۔‘‘
وسیم نے خوش ہو کر یہ جملے کہے اور میں ہنسنے لگا۔
’’تو کب کر رہے ہو نکاح ؟‘‘ وسیم نے خوش ہو کر پوچھا۔
’’جلد ہی کروں گا، سوچ رہا ہوں پہلے اُس سے جواب مانگ لوں، پھر ابا سے بات کروں گا۔ ڈر بس اس بات کا ہے کہ وہ انکار نا کر دے۔‘‘ میں نے پریشان ہو کر کہا۔
’’سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ تجھے انکار کرے۔ تُو اس کا دوست بن گیا ہے تم دونوں کی

دوستی آسمانوں پر بات کر رہی ہے اور تو اور تُو ایک اچھا داماد بن سکتا ہے یہ بات غلام حسن صاحب کو بھی محسوس ہوگئی ہے، تو پھر بھلا یہ شادی کیوں کر نہیں ہوگی۔'' وسیم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''کاش کے ایسا ہو جائے، بس مجھے اپنی قسمت کا پتا ہے، کب کیا ہو جائے میں نہیں جانتا۔''

میں نے پریشان ہو کر یہ جملے کہے اور تب ہی میرا موبائل بجا۔ میں نے فون نکال کر دیکھا تو ناز لکھا ہوا نظر آیا۔

''تمھاری بھابھی کا فون۔''

میں نے مسکرا کر بتایا اور وسیم خوش ہونے لگا۔

کال ایکسیپٹ کی:

''ہیلو؟''

''روحیل؟'' دوسری طرف سے ناز کی فکر مند آواز آئی۔

''ناز؟ سب ٹھیک تو ہے؟'' میں نے اس کی آواز سن کر پریشان ہو گیا۔

''کچھ ٹھیک نہیں ہے روحیل، ڈیڈی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ کیا آپ مجھے ابھی اس وقت Sunset Cafe پر مل سکتے ہیں؟'' ناز نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ناز خیریت تو ہے؟'' میں فکر مند ہو گیا۔

''میں آپ کو ان کی رپورٹ دکھانا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز آ جایئے۔''

ناز نے پریشان کُن لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

''ہیلو......ہیلو۔'' میں نے فون پر کہا اور پھر فون تکنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ناز نے مجھے ابھی ابھی سنسیٹ کیفے پر بلایا ہے۔ سمجھ نہیں آتا کہ کیسے جاؤں۔ باہر مریضوں کی لائن لگی ہوئی ہے اور میرا جانا بھی بہت ضروری ہے۔'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔

''اوہ......اب کیا کریں؟'' وسیم نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''سمجھ نہیں آ رہا، رُکو میں اظہر سے بات کرتا ہوں۔'' میں نے پریشان ہو کر کہا اور فون نکالا۔

''نہیں اظہر سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک کام کرتے ہیں۔ جلدی سے اپنا کوٹ مجھے دو۔'' وسیم نے میرا ڈاکٹر والا کوٹ مانگا۔

’’کیا؟‘‘ میں چونکا۔

’’ابے دونا!......جلدی!......‘‘

وسیم نے مچل کر مانگا اور میں نے اپنا سفید میڈکل کوٹ اُتار کر اُسے دیا۔ وسیم نے جلدی سے میرا کوٹ پہنا اور خوشی سے بولا:

’’یار اب لگ رہا ہوں نا ڈاکٹر؟‘‘

’’تُو کیا پاگل ہو گیا ہے!......‘‘ میں اُچھل پڑا۔

’’ابے یار کچھ نہیں ہوگا، میں کہہ دوں گا کہ میں کچھ دیر کے لیے یہاں موجود ہوں، اتنے میں مریضوں کو بھی دیکھ لوں گا۔ ویسے بھی آج سارے مریض نئے آئے ہیں، کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔‘‘ وسیم ہاتھ چلا کر کہتا چلا گیا۔

’’دماغ خراب ہے؟ کس مریض کو کیا دوا دینی ہے تمھیں کیا پتا!‘‘ میں نے جل کر کہا۔

’’ابے کوئی مسئلہ نہیں ہے، ناک، کان، نزلہ، زُکام کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے یہاں پر کیا!۔ سب کی دوا مجھے پتا ہے، میں پیناڈال وغیرہ لکھ کر دے دوں گا۔ تم نکلو یہاں سے، دیر مت کرو۔ جاؤ!‘‘ وسیم نے مجھے دھکا دے کر کہا۔

’’سوچ لو وسیم، کہیں بہت بُرے نا پھنسیں۔ ابا کو پتا چل گیا تو وہ میرا خون کر دیں گے......‘‘ میں نے گھبرا کر کہا۔

’’اور اگر تم جلدی نہیں گئے تو میں تمھارا خون کر دوں گا۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا، تم جاؤ اب۔ مگر جلدی آنا۔ اوکے۔‘‘

وسیم نے مجھے سمجھایا اور میں گہرا سانس لے کر سر ہلا کر رہ گیا:

’’ٹھیک ہے دوست، خیال رکھنا اپنا۔ خدا حافظ!‘‘

’’خدا حافظ!‘‘ وسیم نے خوش ہو کر کہا پھر چونک کر بولا:

’’ابے سُن سُن سُن!‘‘

’’کیا ہو گیا؟‘‘ میں نے بریک لگا کر پوچھا۔

’’یہ اسٹیتھو اسکوپ تو دے کر جا یار۔‘‘

وسیم نے چڑ کر کہا اور میں نے چونک کر گلے میں ٹنگا اسٹیتھو اسکوپ اتارا اور

مسکرا کر وسیم کو دیا۔

''چلو میں جا رہا ہوں......'' میں دروازے کی طرف بڑھا۔

''ابے!! نہیں سُن !!......'' وسیم میری طرف آیا۔

''اب کیا ہوا؟'' میں نے تنگ آ کر پوچھا۔

''باہر تمھیں جاتے ہوئے سب دیکھ لیں گے، مریض بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم ایک کام کرو، اندر کی کھڑکی سے نکل کر باہر ہال میں جاؤ۔'' وسیم نے جلدی جلدی کہا۔

''اوہ ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔''

میں چونکا اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔ کھڑکی کھول کر میں نے ہال میں جھانکا تو دیگر نرسیں ادھر اُدھر جاتے ہوئے نظر آئیں۔ میں نے گردن باہر نکال کر دیکھا تو دروازے پر کچھ مریض بیٹھے ہوئے نظر آئے۔

''موقع اچھا ہے، جاؤ!''

وسیم نے چپکے سے کہا اور میں نے کھڑکی میں سے پاؤں باہر نکالا اور پھر دوسرا۔ جلد ہی میں کھڑکی پار کر گیا اور وسیم نے کھڑکی بند کری۔

''ارے ڈاکٹر صاب!......''

دُردانہ کی آواز سن کر میں بُری طرح اُچھلا۔

''آپ اور کھڑکی سے باہر نکل رہے ہیں؟ سب ٹھیک تو ہے؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ وہ وہ اہم...... وہ اہم ایکچیولی میرے سر میں کافی درد ہو رہا تھا، اس لیے تازہ ہوا کے لیے باہر آ گیا۔'' میں نے ایک دم سے کہا۔

'''تازہ ہوا؟......مگر یہ تو اسپتال کا کوریڈور ہے، یہاں سے تازہ ہوائیں نہیں بلکہ تازہ بیماریاں گزرتی ہیں......'' دُردانہ نے الجھ کر کہا۔

''دیکھیے ڈاکٹر میں ہوں یا آپ۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

''آپ تو پُورے ڈاکٹر ہیں ڈاکٹر صاب، لیکن ہم بھی آدھے ڈاکٹر ہیں، ہماری دادی تو بچپن سے ہی میڈیکل کرنا چاہتی تھیں، بعد میں انھیں ہم نے ایم اے کرا دیا۔'' اُس نے خوش ہو کر بتایا۔

''دادی میڈکل میں تھیں تو ایم اے کیسے؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ اس لیے کہ ان کا بی اے (B.A) ہو گیا تھا ناجی۔'' دُردانہ نے دانت نکال کر کہا۔

''اچھا او کے خدا حافظ!''

میں چڑ گیا اور باہر کی طرف چلا۔

دُردانہ الجھ کر بولی:

''کچھ گڑ بڑ ہے۔''

میں چہرہ چُھپا کر نکل رہا تھا کیوں کہ نرسز مجھے پہچانتے تھے۔ایک موڑ مُڑا تو مجھے ابا اور اظہر دیگر ڈاکٹر کے پاس کھڑے نظر آے۔

''اوشٹ۔'' میرے منھ سے نکلا اور پلٹ کر جانے لگا۔

''روحیل؟''

اظہر نے مجھے آواز دی اور میں نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔

''زرا یہاں آنا۔''

اظہر نے مجھے بُلایا اور میں مرے ہوئے منھ سے پلٹ کر اس کی طرف چلا۔

''آؤ روحیل، یہ ڈاکٹر صفدر ہیں اور ان کی ٹیم ہے۔یہ ہمارے اسپتال میں Physiotherapy سینٹر بنانا چاہتے ہیں......'' اظہر نے مسکرا کر ڈاکٹر صفدر کا تعارف کرایا۔

"Please to meet you" میں نے اُن سب سے ہاتھ ملا کر کہا۔

''روحیل ہمارا بہت ہی زبردست ڈاکٹر ہے، مریضوں کی بیماریاں منٹوں میں ختم ہو جاتی ہیں۔'' ابا نے مسکرا کر میری تعریف کی۔

''اوہ اچھا آپ ڈاکٹر ہیں، تو کیا آپ کی ڈیوٹی ختم ہو گئی؟''

ڈاکٹر صفدر کے سوال پر میں دھک رہ گیا۔

''ارے روحیل تمھارا کوٹ کہاں ہے؟'' ابا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ وہ وہ......ابا وہ......ایکچیولی مریض نے میرے اوپر الٹی کر دی تھی اس لیے سارہ کوٹ گندہ ہو گیا اس لیے نیا لینے جا رہا تھا، اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا اس لیے کوٹ نہیں ہے۔'' میں نے جلدی جلدی کہا۔

”سمجھ گیا۔“ اظہر نے سر ہلایا۔
”کیا سمجھ گئے؟“ میں نے بوکھلا کر پوچھا۔
”یہی کہ تم نے آج ”اس لیے اس لیے“ کی گردان کرنے کا پلان بنایا ہے۔“
اظہر نے منھ بنا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔
”ہی ہی ہی......میں جاؤں؟......مریض انتظار کر رہے ہوں گے۔“
میں نے جھینپ کر کہا۔
”ہاں ہاں بالکل، ہم اپنے مریضوں کے معاملے میں Compromise نہیں کرتے۔“
ابا نے فخریہ انداز میں یہ جملے کہے اور میں سب سے ایکسکیوز ہو کر چل دیا۔ میں نے کوریڈور کو پار کیا اور پھر دوڑ لگا گیا۔

☆......☆

میں نے اپنی گاڑی سنسیٹ کیفے کی پارکنگ میں پارک کی اور جلدی سے اُتر کر کیفے کی طرف دوڑا۔ سمندر پر بنا یہ کیفے بے حد حسین تھا اور کئی حسین جوڑے ٹیبلز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسین موسم میں یہاں کا منظر اور بھی حسین ہو گیا تھا۔ میں گھبرا کر ادھر اُدھر نظر دوڑانے لگا۔
”روحیل......“
ناز کی آواز سن کر میں نے چونک کر دائیں طرف دیکھا تو وہ ایک ٹیبل پر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ زلفیں کھلی ہوئی، نیلا کُرتا، گلے میں سفید دوپٹہ اور سفید شلوار میں وہ ہر دن کی طرح بے انتہا دلکش لگ رہی تھی۔ میں ناز کی طرف گیا اور کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:
”السلام علیکم، کہیے کیا ہوا غلام حسن صاحب کو؟“
”وعلیکم السلام، پہلے آپ اطمینان سے بیٹھ تو جائیں۔“ ناز نے مسکرا کر کہا۔
”یہ لیجیے، بیٹھ گیا اطمینان سے، اب کہیے۔“ میں نے فکر مند ہو کر پوچھا۔
”سب سے پہلے تو میں معذرت چاہوں گی کہ میں نے آپ سے جھوٹ کہا۔“
ناز نے مسکرا کر کہا۔
”کیا!......“ میں دھک سے رہ گیا اور وہ ہنسنے لگی۔
”اس کا مطلب غلام صاحب بالکل ٹھیک ہیں؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی بالکل ٹھیک ہیں، اصل میں فائزہ کی شادی کے بعد سے آپ سے ملاقات نہیں ہو پائی، اس لیے آپ کو بلانے کا اس سے اچھا طریقہ میرے پاس نہیں تھا۔''

ناز نے نظریں جھکا کر کہا۔

''ناز...... میں کیا کہوں آپ کو......''

میں سر پکڑ کر رہ گیا پر لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

''اُمید ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے۔'' وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ نے کوئی خطا نہیں کی، سچ بات یہ ہے کہ میرا بھی او پی ڈی میں دل نہیں لگ رہا تھا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا، اس کی وجہ تہمینہ ہے یا عظمٰی؟'' ناز نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''اپنے دل سے پوچھیے، کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

میں نے دھیرے سے پوچھا اور ناز مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر میرا روں روں مچل اُٹھا اور میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔

☆......☆

''اوکے...... اوکے...... میں کر سکتا ہوں۔''

وسیم نے ادھر اُدھر ٹہلتے ہوئے یہ جملے اپنے آپ سے کہے۔ اس وقت وہ ڈاکٹر بنا پھر رہا تھا مگر اُسے ڈاکٹری کی الف بے تک نہیں آتی تھی۔ ایسے میں انٹر کام بجا اور وسیم نے چونک کر انٹر کام اٹھایا: ''ہیلو؟''

''ڈاکٹر مریض باہر انتظار کر رہے ہیں۔'' نرس کی آواز آئی۔

"Ahmm.. bring them inside"

وسیم نے فوراً کہا اور نرس نے انٹر کام رکھا۔ اب وسیم کُرسی پر بیٹھا اور اپنے ہاتھ پیروں کو دیکھنے لگا، ٹیبل پر پڑے موٹے شیشے میں اپنے چہرے کا عکس دیکھنے لگا کہ وہ کس حد تک ڈاکٹر لگ رہا ہے۔ جلد ہی مریض داخل ہوا تو اس نے وسیم کو ٹیبل میں گھسے ہوئے پایا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وسیم بدستور ٹیبل کے اندر گھسا ہوا تھا اور اُسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ کون اس وقت اس کے سامنے آ گیا ہے۔ مریض کچھ دیر تک وسیم کو دیکھتا رہا پھر گھبرا کر پوچھ بیٹھا:

”آپ ڈاکٹر ہیں یا مستری؟“

وسیم بُری طرح چونکا اور مریض کا چہرہ دیکھنے لگا:

”ڈاکٹر!......ہم خاندانی ڈاکٹر ہیں!......آپ کو میرے حُلیے سے نہیں لگ رہا؟“

یہ کہہ کر وہ اٹھ کر ماڈلنگ کرنے لگا۔

”جی ہاں اب کچھ کچھ لگ رہا ہے۔“ مریض نے گھبرا کر کہا۔

”خیر جی، آیئے کہیے کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟“ وسیم نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

”جی یہ ایکس رے۔“

مریض نے اُسے ایکس رے شیٹ دے کر کہا اور وسیم نے ایکس رے نکال کر ٹیوب لائٹ کی طرف کیا۔

”اہمم کیا آپ کے پاس ایکس رے کے لیے لائیٹ نہیں ہے؟“

مریض نے حیران ہوکر پوچھا اور وسیم روبوٹ کی طرح گردن گھما کر ایکس رے بورڈ کو دیکھنے لگا جہاں ایکس رے رکھ کر بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔

”جی نہیں......دراصل ایکس رے بورڈ کی لائیٹ فیوز ہوگئی ہے۔“

وسیم نے ایک دم سے یہ جملے کہے اور مریض چونک کر پیچھے ہوا۔ اب وہ ایکس رے دیکھنے لگا اور کچھ ہی دیر بعد منھ بنا کر کہنے لگا:

”چچ......چچ......کیا حال بنا لیا ہے آپ نے اپنا، سگریٹ پی پی کر آپ نے اپنے پھیپھڑے گلا لیے، میری سمجھ میں نہیں آتا جب سگریٹ کے ڈبّوں پر بڑا بڑا لکھا ہوتا ہے کہ تمباکو نوشی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے تو پھر آپ کیوں پیتے ہیں سگریٹ؟ اب دیکھیے......اس ایکس رے رپورٹ کو دیکھ کر میں آپ کو کیا دوں، خیر...... مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا......“

”پر...... پر......“ مریض نے کچھ کہنا چاہا۔

”ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ یہی کہیں گے کہ میں تو سگریٹ شوقیہ پیتا تھا، لیکن آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کا یہ شوق آپ کو کس طرح دیمک کی طرح کھا گیا ہے۔“

وسیم نے جذباتی ہوکر کہا۔

”پر...... پر......“ مریض نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

”اہمم بہر حال میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کے پھیپھڑوں پر سے یہ گند ہٹ جائے...... میں آپ کو ایک سیرپ لکھ دیتا ہوں، اُمید ہے کہ کام......تمام ہو جائے گا۔“

وسیم نے نوٹ پیڈ پر لکھتے ہوئے کہا۔

”ارے چھوڑو کاہے کا کام !......۔“

مریض ہاتھ چلا کر چلّا اٹھا اور وسیم ڈر کر پیچھے ہوا۔

”یہ ایکس رے میری ساٹھ سالہ بوڑھی ماں کا ہے اور میری بوڑھی ماں کیا سگریٹ پیئے گی؟“ اس نے آنکھیں نکالیں۔

”بب......بب...... بیڑی تو پی سکتی ہیں......“ وسیم نے ڈر کر کہا۔

”ارے چھوڑو!!......تم جعلی ڈاکٹر ہو!......میں تو اس اسپتال کو ہی بند کرادوں گا...... بڑے آئے میری ماں پر الزام لگانے والے۔“

وہ تلملا کر بولا اور چلا گیا۔ وسیم نے کسی روبوٹ کی طرح انٹرکام اٹھایا اور بولا:

”......نیکسٹ......“

☆......☆

دوسری طرف میں اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھی بند کیے بیٹھا تھا اور ناز میرے ہاتھ تھامے ہوئے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ آنکھیں میری بھی بند تھیں، پر میں نہیں جانتا تھا کہ ناز کیا کرنا چاہ رہی ہے۔ میں نے ایک آنکھ کھول کر ناز کو دیکھا:

”کچھ ہوا؟“

”شش۔“

ناز نے مجھے چُپ کرایا اور میں خاموش ہو گیا۔ جلد ہی وہ مسکرائی اور کہنے لگی:

”ہو گیا......آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔“

”پانچ بچّے؟ اس مہنگائی میں؟“ میں نے آنکھیں نکالیں۔

”جی۔“ وہ ہنس کر کہنے لگی۔

”پر پانچ بچّے ہوں گے یہ کیسے پتا لگا؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”بہت آسان ہے، اگر سیدھے ہاتھ کی نبض تین بار زور سے دھڑکے تو لڑکے، اور اُلٹے ہاتھ

کی نبض زور سے دھڑکے تو لڑکیاں۔'' وہ مسکرا کر بتانے لگی۔

''تو یہ فُل اسٹاپ کب ہوتا ہے؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جب دونوں رگیں ایک ساتھ دھڑکتی ہیں۔'' ناز نے مسکرا کر بتایا۔

''واؤ!......آپ نے تو الٹرا ساؤنڈ اور دیگر مشین کو فیل کر کے رکھ دیا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''جی ہم آدھے ڈاکٹر بھی ہیں۔'' ناز نے اترا کر کہا۔

''آج صبح سے مجھے آدھے ڈاکٹر مل رہے ہیں، اب میں سوچ رہا ہوں کہ میں نے پوری ڈاکٹری کر کے بہت غلط کیا۔''

میں نے منہ بنا کر کہا اور ناز کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ غزل بھی خوب کہتے ہیں آپ۔'' ناز نے ہنس کر کہا۔

''بڑی نوازش آپ کی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ویسے آپ کے غزل کہنے کے انداز سے اس بات کا اندازہ مجھے ہو گیا ہے کہ آپ کو محبت پر یقین ہے۔'' ناز نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کوئی زنجیر ہو اس کو محبت توڑ سکتی ہے، جدھر چاہے یہ باگیں زندگی کی موڑ سکتی ہے، محبت روک سکتی ہے کسی گرتے ستارے کو، کسی جلتے شرارے کو، فنا کے استعارے کو، یہ چکنا چور آئینے کی کرچیں جوڑ سکتی ہے، کوئی زنجیر ہو اس کو محبت توڑ سکتی ہے۔'' میں نے مسکرا کر شعر کہا۔

''واہ!......امجد اسلام امجد؟......ہیں نا؟''

ناز نے مسکرا کر پوچھا اور میں نے ہنس کر ہاں میں سر ہلانے لگا۔

''اس غزل پر مجھے پروین شاکر کی وہ غزل یاد آئی۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''کون سی؟'' میں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''چہرہ میرا تھا، نگاہیں تھیں اس کی، خاموشی میں بھی، وہ باتیں تھیں اس کی، میرے چہرے پہ غزل لکھتی گئی، یہ کہتی ہوئی آنکھیں اس کی۔'' اُس نے مسکرا کر غزل کہی۔

''واہ......بہت زبردست، مگر امجد اسلام امجد کی بات الگ ہے۔''

میں نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے، خواتین نے بھی غضب کے شعر کہے ہیں، ضروری نہیں کہ ہر کام میں

مرد ہی سب پر حاوی ہوں۔‘‘ ناز نے ہاتھ چلا کر کہا۔

’’لیکن آپ کی اس غزل کو چار چاند مردوں نے ہی لگائے ہیں جب 1989 میں Vital Signs گروپ نے اس غزل کو گیت کی شکل دی تھی۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔

’’جنید جمشید کی بات کر رہے ہیں؟‘‘ ناز نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

’’جی بالکل۔‘‘ میں نے کہا۔

’’وہ اُن مردوں میں سے ہوں گے جو عورت کے کلام کو سمجھتے ہیں۔‘‘ ناز نے اترا کر کہا۔

’’مگر مردوں کے کلام میں جو دل لگی ہے وہ عورتوں کی کہی ہوئی غزل میں نہیں ہیں۔‘‘ میں نے منھ بنا کر کہا۔

ناز نے مجھ کو گُھور کر دیکھا، اپنی آستینیں اوپر کیں اور جوش میں کہنے لگی:

’’بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہو گئے، موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفّاک ہو گئے، بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں، کیسے بلند شجر خاک ہو گئے۔‘‘

"Is that Ahmed Faraz?" میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

’’پروین شاکر۔‘‘ ناز نے منھ بنا کر کہا۔

’’کہیں تم مجھے چیلنج تو نہیں کر رہی؟‘‘ میں نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔

’’چیلنج نہیں کر رہی اس لیے کہ آپ ہار جائیں گے۔‘‘ ناز نے اترا کر کہا۔

’’اوہ اچھا......تو امجد صاحب کا ایک اور کلام ملاحظہ فرمایئے۔‘‘ میں نے آگے ہو کر کہا۔

’’ارشاد۔‘‘ وہ مسکرا کر کہنے لگی۔

’’ہر الجھن اور شکوے کی بنیاد کوئی تو ہوتی ہے، درد مسافت کی آخر میعاد کوئی تو ہوتی ہے، جیسے ہر اک شب کی سحر ہے......جیسے پانی بیچ بھنور ہے......آنے والے سو دروازے جانے والا کوئی نہیں، دل کا گھر بھی کیسا گھر ہے۔‘‘ میں نے مسکرا کر شعر کہا۔

’’کہیں کرتے نہیں اظہار چُپ ہیں، ہمیں تو حکم ہے سرکار چپ ہیں، کہانی کچھ بتانا چاہتی ہے، مگر اس کے سبھی کردار چُپ ہیں۔‘‘ ناز نے بھی پلٹ کر شعر کہا۔

’’دوبارہ پروین شاکر؟‘‘ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

’’نوشی گیلانی۔‘‘ ناز نے منھ بنا کر بتایا۔

''اوہ اچھا، پھر جون ایلیا صاحب کا کلام ہو جائے۔'' میرے منھ سے نکلا اور شعر کہا:

''دل کی تکلیف کم نہیں کرتے، اب کوئی شکوہ ہم نہیں کرتے، جانِ جاں تجھ کو اب تری خاطر، یاد ہم کوئی دم نہیں کرتے، دوسری ہار کی ہوس ہے سو ہم، سر تسلیم خم نہیں کرتے، وہ بھی پڑھتا نہیں ہے اب دل سے، ہم بھی نالے کو نم نہیں کرتے، جرم میں ہم کمی کریں بھی تو کیوں، تم سزا بھی تو کم نہیں کرتے۔''

''واہ......'' ناز نے مسکرا کر تعریف کی پھر کہنے لگی:

''گُلاب رُت کے پلٹنے کا تو بہانہ ہے، محبتوں نے کسی کو پھر آزمانا ہے، وفا کا دل نے تعاقب کیا تو اُس نے کہا، حدودِ وقت سے آگے مرا ٹھکانہ ہے، ہم اک زمانے تلک تجھ کو دوش دیتے رہے، اب آ کے ہم پہ کھلا بے وفا زمانہ ہے، اسے ہتھیلی پہ رکھنا ہے احتیاط کے ساتھ، دیے کو تیز ہواؤں سے بھی بچانا ہے، ابھی ستاروں کو پلکوں پہ ٹانکنا ہے بتول، ابھی تو چاند کو مٹھی میں بھی چُھپانا ہے۔''

''واہ......وا......''

میرے منھ سے نکلا۔اب آس پاس کے لوگ بھی مسکرا کر ہماری اس محفل کو دیکھ رہے تھے۔تب ہی میرے منھ سے نکلا:

''ابھی کچھ اور کرشمے غزل کے دیکھتے ہیں، فراز اب ذرا لہجہ بدل کے دیکھتے ہیں، جدائیاں تو مقدّر ہیں پھر بھی جانِ سفر، کچھ اور دُور ذرا ساتھ چل کے دیکھتے ہیں، تُو سامنے ہے تو پھر کیوں یقین نہیں آتا، یہ بار بار جو آنکھوں کو مل کے دیکھتے ہیں، بہت دنوں سے نہیں ہے، کچھ اس کی خیر خبر، چلو فراز کوائے یار چل کے دیکھتے ہیں۔''

''یا میرے خدا......'' ناز نے الجھن کے عالم میں کہا پھر کہنے لگی:

''اب کیا ہے جو تیرے پاس آؤں؟''

''یہ شعر ہے یا آپ پوچھ رہی ہیں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''شعر ہے بھئی، پروین شاکر کا۔'' اُس نے اُکتا کر بتایا۔

''اوہ اچھا اوکے۔'' میں نے سعادت مندی سے کہا۔

''اب کیا ہے جو تیرے پاس آؤں، کس مان پہ تجھ کو آزماؤں، زخم اب کے تو سامنے سے

کھاؤں، دشمن سے نا دوستی بڑھاؤں، تتلی کی طرح جو اڑ چکا ہے، وہ لمحہ کہاں سے کھوج لاؤں، اے میرے لیے نا دکھنے والے، کیسے ترے دکھ کو سمیٹ لاؤں۔'' ناز نے شعر کہا۔

''واہ واہ وا......''

ٹیبلز پر بیٹھے لوگوں نے واہ کی اور سب ہنسنے لگے۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا:

''عشق سمجھے تھے جس کو وہ شاید، تھا بس اک نارسائی کا رشتہ، میرے اور اس کے درمیاں نکلا، عمر بھر کی جدائی کا رشتہ۔''

''واہ وہ وا......''

کیفے میں موجود لڑکیوں نے میرے لیے واہ کہی اور تالیاں بھی بجائیں۔ اب باقاعدہ مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔

''آنکھوں آنکھوں میں لے اُڑا کوئی......'' ناز نے شعر کہا۔

''واہ واہ وا......'' لوگ داد دینے لگے اور میں مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔

''آنکھوں آنکھوں میں لے اُڑا کوئی دل کا ملتا نہیں پتا کوئی، مسکرا کے مرے تصوّر میں، درد دل کا بڑھا گیا کوئی، ہر کلی مسکرا کے کہتی ہے، ابتدا کی ہے انتہا کوئی، دونوں ہاتھوں سے دل کو پکڑ لیتی، کاش سُنتا مری صدا کوئی، دل تمھارا تھا دے دیا تم کو، ہم نے احسان کب کیا کوئی، چھیڑ دے کربلا کا ذکر رِدا، پڑھ عقیدت سے مرثیہ کوئی۔''

''واہ واہ واہ وا......''

لوگوں نے تالیاں بجا کر داد دی، کئی لوگ تو سیٹیاں تک بجانے لگے۔ ایسے میں ناز مسکرائی:

''دیکھ لیا آپ نے......عورتوں کے کلام کا جذبہ؟''

''اس سے پہلے کے بے وفا ہو جائیں......'' میں نے مسکرا کر احمد فراز کا شعر کہا۔

''واہ واہ واہ وا......''

لڑکیوں نے داد دی اور ناز مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی۔

''اس سے پہلے کے بے وفا ہو جائیں، کیوں نا اے دوست ہم جُدا ہو جائیں، تو بھی ہیرے سے بن گیا پتھر، ہم بھی کل جانے کیا سے کیا ہو جائیں، ہم بھی مجبوریوں کا عذر کریں، پھر کہیں اور

مبتلا ہوجائیں، اب کے گرتُو ملے تو ہم تجھ سے، ایسے لپٹیں تری قبا ہوجائیں، بندگی ہم نے چھوڑ دی ہے فراز۔ کیا کریں لوگ جب خدا ہوجائیں۔"

"واہ واہ واہ وا......"

لڑکیوں کی طرف سے بھاری داد وصول کر کے میں نے مسکرا کر شکریہ میں سر خم کرنے لگا۔ کیفے کا ماحول اب بالکل بدل چُکا تھا۔

ناز نے اُکتا کر شعر کہا:

"کیسے آئے گا تیرے خدّوخال کا موسم، قسمتوں میں لکھا ہے جب زوال کا موسم۔"

"بے دلی کیا یونہی دن گزر جائیں گے، صرف زندہ رہے ہم تو مر جائیں گے۔"

میں نے شعر کہا۔

"تُو نہیں تو یادوں سے رابطہ سا رہتا ہے، اب بھی تیری اُلفت کا سلسلہ سا رہتا ہے۔" ناز نے شعر کہا۔

"عمر بھر کون نبھاتا ہے تعلق اتنا، اے مری جان کے دشمن ...... تجھے اللہ رکھے......" میں نے مسکرا کر شعر کہا۔

"یہ کیسا خوف تھا رختِ سفر بھی بھول گئے، وہ کون لوگ تھے جو اپنے گھر بھی بھول گئے۔" ناز نے بھی شعر کہا۔

"اس کے اور اپنے درمیاں میں اب، کیا ہے بس روبرو کا رشتہ ہے، ہائے وہ رشتہ ہائے خاموشی، اب فقط گفتگو کا رشتہ ہے۔" میں نے بھی شعر کہا۔

"روحیل......" ناز چڑ کر بولی۔

"ناز......" میں نے بھی چڑ کر کہا۔

"ارے بس کرو!......"

ایک آواز نے ہم دونوں کو بُری طرح چونکایا۔ ہم ہی کیا کیفے میں موجود بیٹھا ہر شخص چونک کر اُس آواز کی سمت میں دیکھنے لگا جہاں ایک بزرگ ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ اب سب سوالیاں نظروں سے انھیں دیکھ رہے تھے۔ بزرگ نے سب پر ایک نظر ڈالی اور کہنے لگے:

"نہ کسی عورت کا کلام نہ کسی مرد کا کلام، فقط زندہ ہے بس اُس اللہ کا کلام، جو اندھیروں میں

بھٹکے ہوؤں کو روشنی دکھادے، اے مردا ے عورت!، تجھے یہ خدا عاشقی سکھا دے۔''

''واہ واہ واہ وا!!......''

پورا کیفے کھڑا اب بزرگ کی تعظیم کے لیے اپنے پیروں پر آ گیا اور سب تالیاں بجانے لگے۔ بزرگ نے ایک خوبصورت شعر کہہ کر مردوں میں اور عورتوں میں یہ جنگ ختم کرادی تھی۔ اس لمحے میں مسکرا کر ناز کی طرف دیکھ رہا تھا جب کہ ناز چہرہ نیچے کر کے مسکرائے جا رہی تھی۔ شاید جو آگ میرے دل میں لگی تھی......اُس طرف بھی برابر موجود تھی۔

☆......☆

وسیم سر پکڑے بیٹھا تھا، اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہیں۔ اب تک وہ چار پانچ مریض دیکھ چُکا تھا اور اُن سب کے لیے بس یہی کہا جا سکتا تھا کہ اب انھیں دوا کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔ ایسے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت آواز اس کے کانوں میں پڑی: ''کیا میں اندر آ سکتی ہوں ڈاکٹر؟''

وسیم نے چونک کر جو دروازے کی طرف دیکھا تو لٹّو ہو گیا۔ اس کے سامنے ایک بیس اکیس سال کی لڑکی کھڑی تھی جو نہایت ہی سیکسی اسٹائل میں وسیم سے ہم کلام تھی۔ اُسے دیکھتے ہی وسیم کے کانوں میں محمد رفیع کے گانے گُونجنے لگے:

''احسان تیرا ہوگا مجھ پر......دل کہتا ہے وہ کہنے دو......مجھے......تم سے محبت ہوگئی ہے...... مجھے......پلکوں کی چھاؤں میں رہنے دو......احسان تیرا ہوگا مجھ پر......''

لڑکی چونک کر اُسے دیکھنے لگی پر وسیم اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

''ڈاکٹر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔'' لڑکی نے دوبارہ پوچھا۔

''جب سوال اتنا خوبصورت ہو تو جواب لاجواب ہو جاتا ہے۔''

وسیم نے رومانی انداز میں کہا۔

''جی؟'' وہ چونک کر بولی۔

''اہمم......کچھ نہیں کچھ نہیں، تشریف رکھیے۔'' وسیم نے اپنی گود کی طرف اشارہ کیا۔

''جی؟'' وہ پھر سے چونکی۔

''ممم......مم میرا مطلب یہاں تشریف رکھیے۔''

وسیم نے گھبرا کر کُرسی کی طرف اشارہ کیا اور لڑکی کُرسی پر بیٹھ گئی۔

''جی کہیے، کیسی طبیعت ہے آپ کی؟، سب ٹھیک تو ہے؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''اگر ٹھیک ہوتی تو آپ کے پاس آتی۔'' وہ منھ بنا کر کہنے لگی۔

''ہاں یہ تو ہے، کیا نام ہے آپ کا؟'' وسیم نے پیار سے پوچھا۔

''جی، شائستہ۔'' وہ شائستگی کے ساتھ بولی۔

''تو کہیے مس 'جی شائستہ' کیا ہوا ہے آپ کو؟'' وسیم نے مسکرا کر پوچھا۔

''بس مجھے سکون نہیں ہے، دن بھر کمر پکڑتی پھرتی ہوں، رات بھر آہیں بھرتی ہوں، کروٹیں بدلتی ہوں، کسی کو سوچتی ہوں کسی کی ہو جاتی ہوں، دل دھڑکتا رہتا ہے اور سانسیں بند ہو جاتی ہیں۔ بس یہ ہو رہا ہے۔''

اس نے ایسے جواب دیا جیسے وہ اپنے آپ سے ہی مخاطب ہو اور وسیم سکتے میں اُسے دیکھنے لگا۔ ''ڈاکٹر؟''

وہ حیران ہو کر بولی اور وسیم نے بُری طرح چونک کر ہاتھ چلائے تو ٹیبل پر رکھے ہوئے پین اور رجسٹر گرے......

''آئی ایم سوری۔''

وسیم نے گھبرا گیا اور ایک ایک چیز اٹھا کر رکھنے لگا۔ شائستہ حیران ہو کر اس کے پاگل پن کو دیکھ رہی تھی۔ جلد ہی وہ اس کام سے فارغ ہوا:

''میں آپ کی بیماری کو بخوبی سمجھ گیا ہوں۔''

''سمجھ گئے ہیں؟ وہ کیسے؟'' اُس نے حیرت کے عالم میں پوچھا۔

''کسی کو دل سے سمجھنے کے لیے دن اور ہفتوں کی ضرورت نہیں پڑتی، کبھی کبھی ہم ڈاکٹر شکل دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں۔ اصل میں آپ کی کمر میں مسئلہ ہے۔ آپ ایک کام کریں، زرا کھڑی ہو جائیں۔'' وسیم نے اک دم سے کہا۔

''جی......'' وہ بولی اور کھڑی ہو گئی۔

''اچھا......اب زرا کُرتا اوپر کیجیے۔''

وسیم نے دھڑکتے دل کے ساتھ یہ جملے کہے اور شائستہ نے اُسے دیکھتے ہوئے کُرتا اوپر کیا۔

''زرا اور اوپر......'' وسیم نے اس کی کمر دیکھتے ہوئے کہا اور شائستہ منھ بنا کر کُرتا اوپر کرنے لگی۔ جلد ہی اس کا برہنہ پیٹ نظر آنے لگا۔

"Aaah.. slow down honey" وسیم کے منھ سے نکلا۔

''جی؟'' وہ چونک کر بولی۔

''اہمم......نہیں کچھ نہیں۔''

وسیم نے گھبرا کر کہا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے برہنہ پیٹ کو دیکھنے لگا۔ اس کے اندر کا بندر بُری طرح مچل رہا تھا اور وسیم سکتے کے عالم میں لڑکی کی کمر دیکھنے لگا۔

''زرا ادھر اُدھر مڑیں۔''

وسیم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور لڑکی ادھر اُدھر ہونے لگی۔ اس کی ہلتی ہوئی کمر دیکھ کر وسیم کا دل نکل کر حلق میں آ گیا۔

''کچھ نظر آیا ڈاکٹر؟'' شائستہ نے پلٹ کر پوچھا۔

''بہت کچھ......'' وسیم دھڑکتے دل کے ساتھ بولا۔

''کیا؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اہمم مجھے بیماری کا اندازہ ہو گیا ہے۔ آپ پریشان نا ہوں ایسا کچھ خاص نہیں ہے، اصل میں کام کی وجہ سے آپ کی کمر چوک کر گئی ہے اس لیے یہ درد موجود ہے۔'' وسیم نے سنبھل کر کہا۔

''لیکن ڈاکٹر میں تو کوئی کام کرتی ہی نہیں۔'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''ایکچیولی کام نا کرنا بھی ایک کام ہے، اب دیکھیے نا، آپ آرام سے بستر پر لیٹی ہیں اور لوگ آپ کو اٹھانے پر تلے ہوں مگر آپ اپنی ضد کو برقرار رکھ کر نہیں اٹھ رہے تو یہ بھی ایک کام ہوا، اس طرح آپ کی کمر پر اور اثر پڑتا ہے۔'' وسیم کہتا چلا گیا۔

''تو اب میں کیا کروں؟'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''آپ وہ کریں جو میں کہوں۔ زرا جھکیے گا۔'' وسیم نے اس کے پیچھے جا کر کہا۔

''جی......'' وہ بولی اور جھکنے لگی۔

''آہ...... بالکل ایسے ہی پنجوں پر ہاتھ لگائیں اپنے۔''

وسیم نے مچل کر کہا اور شائستہ پنجوں پر ہاتھ لگانے لگی۔ وسیم بالکل اس کے عین پیچھے موجود

تھا اور اس کے جھکے ہوئے بدن کو دیکھنے لگا۔شائستہ کا جسم دیکھنے والا تھا اور اس کی ٹانگیں بھاری بھرکم تھیں، جو وسیم کو کچھ بھاری بھرکم خیالات دلا رہی تھیں۔

ایسے میں دُردانہ نے او پی ڈی کا دروازہ کھولا اور اندر جھانکا تو اُچھل پڑی!......اس نے صاف دیکھا کہ ڈاکٹر کھڑے ہوئے ہیں جب کہ ایک مریضہ بالکل ان کے عین سامنے جھکی ہوئی ہے۔

''یااللہ!!......اب اسپتال میں یہ بھی ہونے لگا!''

دُردانہ نے آنکھیں پھاڑ کر یہ جملے کہے اور پلٹ کر دوڑ لگا گئی جلد ہی وہ اوپر والی منزل میں پہنچی جہاں بڑے ڈاکٹروں کی میٹنگ چل رہی تھی۔میٹنگ رُوم میں بیٹھے ڈاکٹر مظہر اور ڈاکٹر اظہر، ڈاکٹر صفدر کی ٹیم کے ساتھ بیٹھے Phisyotherapy Center کے بارے میں بات کررہے تھے۔ماحول کافی خوش گوار چل رہا تھا،سب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''آپ بالکل بے فکر رہیں ڈاکٹر صفدر ہمارے اسپتال میں مریضوں کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔''اظہر نے مسکرا کر اپنے مہمانوں سے کہا۔

''یہی دیکھ کر تو ہم آپ کے اسپتال میں اپنا تھراپی سینٹر کھولنا چاہتے ہیں کہ یہاں مریضوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہوتی۔''ڈاکٹر صفدر نے مسکرا کر کہا۔

''اس کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مریضوں کو ٹائم پر دوا، انجکشن اور کھانا ملتا ہے۔میرے دونوں بیٹے اسپتال کی نگرانی خود کرتے ہیں۔اب اگر اظہر یہاں میرے پاس ہے تو اس وقت او پی ڈی میں روحیل موجود ہے۔''ڈاکٹر مظہر نے مسکرا کر کہا۔

ایسے میں شیشے کے دروازے پر دُردانہ نے دستک دی۔

سب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو ایک موٹی تازی عورت دروازہ پیٹتی ہوئی نظر آئی۔

''لگتا ہے کوئی مریض ہے۔''ڈاکٹر صفدر نے الجھ کر کہا۔

''ہاں ہاں ایمرجنسی ہوگی، اظہر تم دیکھو جا کر۔''

مظہر صاحب نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور اظہر اپنا کوٹ صحیح کرکے دروازے کی طرف بڑھا۔جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا دُردانہ اندر آ کر دھاڑنے لگی:

''غضب ہو گیا! ......غضب!......''

''کتنے پاؤنڈ کا؟'' اظہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی؟'' دُردانہ گھبرا کر پلٹی۔

''اب دیکھیے نا...... ہمارا اسپتال ہے یہاں لڑکی ہوتی ہے......لڑکا ہوتا ہے......آپ کے ہاں غضب ہوا ہے تو اس لیے پوچھا کتنے پاؤنڈ کا؟'' اظہر نے خوش ہو کر پوچھا۔

''اظہر انھیں بولنے دو، ہاں ہاں بی بی کہو کیا بات ہے؟'' مظہر صاحب نے پیار سے پوچھا۔

''آپ کی او پی ڈی میں ایک جوان خوبصورت لڑکی کے ساتھ......''

''اظہر انھیں مت بولنے دو!'' مظہر صاحب ایک دم سے بولے۔

''بی بی!! بی بی!!......کیا کہہ رہی ہیں آپ! ہوش میں تو ہیں؟'' اظہر نے بوکھلا کر کہا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں......غضب ہو جائے گا، وہ بھی نو مہینے بعد۔ جلدی کچھ کیجیے، ڈاکٹر روحیل بہک چکے ہیں۔'' دُردانہ نے روتے ہوئے کہا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے ڈاکٹر مظہر؟'' ڈاکٹر صفدر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''جی بس ایک منٹ۔'' ڈاکٹر مظہر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

''ایک منٹ وغیرہ کچھ نہیں، بچّی کی عزّت بچا لو اور اپنے وحشی کو بند کر کے رکھو۔''

دُردانہ نے روتے ہوئے کہا۔

''آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں، ہمارے اسپتال میں ایسا ویسا کچھ نہیں ہوتا مجھے پُورا یقین ہے۔'' اظہر نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''یقین نہیں آتا تو خود چل کر او پی ڈی میں دیکھ لو۔ بیالیس سال کی ہوں میں، لگتی چھتیس کی ہوں، دنیا دیکھی ہوئی ہے میں نے، مجھے پتا ہے کہ کب کیا ہو جاتا ہے اور کہاں کہاں کیا ہوتا ہے؟'' دُردانہ نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''کیا ہوتا ہے؟'' ڈاکٹر صفدر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اے لے، یہ تو حال ہے ڈاکٹری کا۔''

دُردانہ ہاتھ چلا کر بولی اور ڈاکٹر صفدر جھینپ سے گئے۔

''اظہر؟''

مظہر صاحب نے سوالیہ انداز میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''ابا چل کر دیکھ لیتے ہیں، تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔''

اظہر نے پریشان ہو کر کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے چلو چلتے ہیں، ڈاکٹر صفدر آپ سب لوگ یہیں بیٹھے میں اور اظہر ذرا او پی ڈی دیکھ کر آتے ہیں۔'' مظہر صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، ہم بھی چل کر دیکھتے ہیں، آخر ہم بھی تو دیکھیں کہ او پی ڈی میں کیا ہو رہا ہے۔'' ڈاکٹر صفدر آنکھ مار کر کہنے لگے اور ان کی ٹیم سر ہلانے لگی۔

''جیسا آپ چاہیں ڈاکٹر صفدر، آیئے۔''

مظہر صاحب نے بے بس ہو کر یہ جملے کہے اور وہ سب کے سب دُردانہ کے پیچھے چل پڑے۔

☆......☆

''اوپر! نیچے!......اوپر!......نیچے!......''

شائستہ اب پاگلوں کی طرح اپنا دھڑ اوپر نیچے کر رہی تھی اور وسیم محو ہو کر اُسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں ہاں کرو شائستہ بس ہونے والا ہے۔'' وسیم نے مچل کر کہا۔

''ڈاکٹر میں بہت تھک گئی ہوں۔'' شائستہ نے تھکن کے مارے کہا۔

''ارے ابھی کہاں، ابھی تو تم جوان ہو۔'' وسیم نے بزرگوں کی طرح کہا۔

''جی؟'' شائستہ چونک کر بولی۔

''مم......مم......مم میرا مطلب تم ابھی بوڑھی کہاں ہوئی ہو، تھکتے تو بوڑھے لوگ ہیں، چلو جلدی سے کرو، کمر کا درد بس جانے والا ہے۔''

وسیم نے مچل کر یہ جملے کہے اور شائستہ تھک کر اوپر نیچے ہونے لگی۔

دوسری طرف سے ڈاکٹروں کی ٹیم چھاپہ مارنے آ رہی تھی اور دیگر چھوٹے موٹے ڈاکٹر اور نرسز کھڑے ہو کر انھیں سلوٹ کرنے لگے۔ اس لمحے جمدار بھی اٹینشن ہو گئے تھے۔

آخر کار ڈاکٹر اظہر اور ڈاکٹر مظہر جب دروازے پر پہنچے تو انھیں اندر سے آواز آئی:

''ہاں ہاں......بس یہی اور اوپر......ہاں......''

وہ سب اُچھل پڑے!۔

''ڈاکٹر میں بہت تھک گئی ہوں۔'' اندر سے لڑکی کی آواز آئی۔

''بس تھوڑی دیر اور، پھر تو ہر درد ختم ہو جائے گا اور تم چین کی نیند سو سکو گی۔''

اندر سے آواز آئی۔

''لیکن آپ مجھے بہت ستا رہے ہیں۔'' وہ ناراض ہو کر بولی۔

''ارے پگلی یہ ستانا نہیں ہوتا، یہ تو ہر غم اور ہر درد کو ختم کر دیتا ہے، بس تم تھوڑا اوپر آؤ۔''

اندر سے آواز آئی۔

''کیا!؟!......'' ڈاکٹر صفدر کے منھ سے نکلا اور وہ اندر کی طرف جانے لگے۔

''ڈاکٹر ڈاکٹر!!......رُکیے!!'' اظہر اور مظہر صاحب نے انھیں دیکھا۔

''جانے دو مجھے اندر......پلیز جانے دو!'' ڈاکٹر صفدر روتے ہوئے بولے۔

''سنبھالیے اپنے آپ کو ڈاکٹر، یہ سب اس عمر میں دیکھنا ٹھیک نہیں۔''

اظہر نے بھی روتے ہوئے کہا۔

''ہاں کم از کم انھیں کپڑے تو پہننے دیں۔'' مظہر صاحب پریشانی میں کہہ گئے۔

''کیا!؟!......'' صفدر صاحب کی ٹیم چلّائی۔

''ممم......مم میرا مطلب کچھ اور تھا۔''

مظہر صاحب پریشان ہو کر بولے اور تب ہی اندر سے آواز آئی:

''اوفو......تم نیچے ہی صحیح تھیں چلو جاؤ نیچے۔''

''میں آرہا ہوں!!......'' ڈاکٹر صفدر چلّائے اور او پی ڈی میں گھسے۔

وسیم اور شائستہ نے جب ایک شخص کو اندر آکر گرتے ہوئے دیکھا تو خود بھی اُچھل پڑے۔ اب سب کے سب اندر آگئے اور آنکھیں پھاڑ کر انھیں دیکھنے لگے۔

''وسیم تم؟'' اظہر کے منھ سے نکلا۔

''اظ ظ......اظہر۔'' وسیم اٹکنے لگا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' مظہر صاحب نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''اہمم وہ اہمم......Physiotherapy'' وسیم نے ایک دم سے کہا۔

''کیا؟'' سب چونکے۔

''جی ہاں، میں پیشنٹ شائستہ کی Physiotherapy کر رہا تھا۔''

وسیم نے خوش ہو کر کہا۔

''جی ہاں، اور مجھے بہت تھکا دیا، مگر کمر کا درد صحیح ہو گیا۔''

شائستہ نے رومانی انداز میں کہا اور وسیم گھبرا گیا۔

Excelent!!....Wonderful!! ڈاکٹر مظہر میں نے ایسے Physiotherapy کبھی اپنی زندگی میں دیکھی نہ سُنی ......'' ڈاکٹر صفدر خوش ہو کر بولے۔

''وسیم روحیل کدھر ہے؟'' اظہر نے الجھ کر پوچھا۔

''اہم وہ......اہم......'' وسیم گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''وہ تو جی باہر چلے گئے ان کو بٹھا کر۔''

دُردانہ نے اک دم سے آ کر بتایا اور وسیم نے اپنا ماتھا پیٹا۔

''کیا!......روحیل وسیم کو بٹھا کر چلا گیا؟'' ڈاکٹر مظہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں جی، شکل پر تارے بج رہے تھے ان کے اور یہ کُرسی پر بیٹھ گئے۔'' دُردانہ نے بتایا۔

''ارے چھوڑو ہم کسی روحیل وحیل کو نہیں جانتے، ہم تو بس انھیں جانتے ہیں۔ آج سے آپ میرے ہی Physiotherapy Center میں کام کریں گے، کیا نام ہے آپ کا ڈاکٹر؟'' ڈاکٹر صفدر نے وسیم سے پوچھا۔

''جج جی انجینئر وسیم۔''

وسیم نے اٹک کر بتایا اور ڈاکٹر صفدر حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگے اور اپنی ٹیم کو۔ اظہر اور مظہر صاحب نے اس لمحے اپنے سر پکڑ لیے۔

☆......☆

بارش برس رہی تھی اور کراچی مزید نکھر گیا۔ میں نے اپنا کوٹ اپنے سر پر لیا ہوا تھا اور گولے گنڈے والے سے دو گولے گنڈے بنوائے۔ جلد ہی سر پر کوٹ رکھ کر میں سڑک کراس کرتا ہوا ہاتھوں میں گولے گنڈے لے کر ناز کی طرف بڑھا۔ ناز اس لمحے ایک ٹین کی چھت کے نیچے کھڑی ہنستی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھی۔ آخر کار میں اس کے پاس پہنچ ہی گیا۔

''یہ لیجیے......آپ کی فرمائش۔''میں نے اُسے گولا گنڈا دیتے ہوئے کہا۔

''شکریہ......'' ناز نے ہنستے ہوئے گولہ گنڈا لیا اور مزے سے کھانے لگی:

''امم......بہت ٹیسٹی ہے۔''

''ٹیسٹی تو خیر ہے......لیکن صحت کے لیے بالکل نہیں ٹھیک۔''میں نے مسکرا کر کہا۔

''یہ کراچی ہے ڈاکٹر صاحب...... یہاں آپ کو مزیدار کھانے کے لیے صحت کی قُربانی دینی پڑے گی۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''یہ بات تو آپ نے بالکل صحیح کہی......''

میں نے گولہ گنڈا کھاتے ہوئے کہا پھر چہرہ نکال کر آسماں کی طرف دیکھا:

''To be hell with this rain''

''ارے!......بارش تو اللہ کی رحمت ہوتی ہے......''

ناز نے گولہ گنڈا کھاتے ہوئے مجھے ٹوکا۔

''کراچی والوں کے لیے تو بس زحمت ہی ہو کر رہ جاتی ہے۔''

میں نے منھ بنا کر کہا اور ناز ہنس کر کہنے لگی:

''زندگی میں کچھ مشکلیں اچھی لگتی ہیں......بس ایک دوجے کا ساتھ ہونا چاہیے۔''

اس کی بات سن کر میں مسکرا دیا:

''کہیں آپ پھر سے شاعری کے مُوڈ میں تو نہیں ہیں؟''

''نہیں...... کیوں کہ اس لمحے خدا کا مزاج کچھ شاعرانہ ہے...... وہ ان بوندوں میں اپنے شعر کہہ رہا ہے......اور ہم سُن رہے ہیں......'' ناز نے دھیرے سے کہا۔

''ہم؟......آپ کو یقین ہے کہ یہ شاعری مجھے بھی سنائی دے رہی ہے؟''

میں نے پلٹ کر اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

''جی......''

اُس نے دھیرے سے یہ جملہ کہا اور میں اُس کو محو ہو کر دیکھنے لگا۔ بھیگے موسم میں اس کا چہرہ اور خدا کی رحمت جب سب کچھ ایک ساتھ مل گیا تو میرے دل کا بہہ جانا لازمی تھا۔ میں نے اس کا حسین چہرہ دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا:

’’کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟‘‘

’’پوچھیے......‘‘ وہ مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی۔

’’کیوں اس قدر حسین ہیں آپ؟‘‘

میں نے محو ہو کر پوچھا اور وہ کھلکھلا کر ہنسی......اس کی ہنسی قیامت کی تھی......اور اس کی ادا سب سے جُدا......وہ قُدرت کا ایک انمول کرشمہ تھی۔

’’یہ تو آپ بتائیں......آپ ڈاکٹر ہیں۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے مجھے دیکھ کر کہنے لگی۔

’’لگتا ہے آنٹی جی نے بچپن میں آپ کو وٹامن کافی دیں ہیں۔‘‘

میرا ڈاکٹروں والا جواب سن کر وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔اب میں دل تھام کر قدرت کے اس کرشمے کو دیکھ رہا تھا......وہ بے حد حسین تھی...... بے حد حسین۔

’’روحیل......کبھی کبھی آپ مجھے بہت ہنساتے ہیں۔‘‘

ناز نے ہنستے ہوئے کہا اور میں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ٹین کی چھت سے چہرہ باہر نکالا اور آسماں کو دیکھنے لگا۔میں نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور کہا:

’’چلیے......‘‘

’’کہاں؟‘‘ اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

’’قُدرت کی اُس شاعری کو سُننے......جس کا مزاج آپ سے اور مجھ سے کچھ الگ ہے۔‘‘

یہ کہہ کر میں مسکرا کر برستی ہوئی بارش میں چل دیا۔

’’ارے ارے کیا کر رہے ہیں آپ؟‘‘ ناز نے چونک کر پوچھا۔

’’کچھ خاص نہیں......بس زرا اوپر والے کی شاعری کو محسوس کر رہا ہوں...... اور کچھ بھی نہیں......کچھ بھی نہیں......‘‘

میں نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور ہاتھ پھیلا کر بارش میں کھڑا ہو گیا۔ناز سکتے کے عالم میں مجھے دیکھنے لگی۔وہ مجھے دیوانہ ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی اور میں اپنے چہرے پر پڑھنے والی بوندوں کو محسوس کرنے لگا۔دھوراجی کی اس سڑک پر جہاں کئی گاڑیاں،موٹر سائیکلیں گزر رہی تھیں،لوگ سر چھپانے کے لیے ادھر اُدھر ہو رہے تھے،وہیں میں اپنی بانہیں کھولے قدرت میں ڈوبا ہوا تھا...... جہاں میرے پاس کوئی اور نہیں......صرف میرا وجود اور میری ناز تھی۔اک پل میں ہی دُنیا اپنی سی

لگنے لگی، وہ شہر جہاں میں پلا بڑا تھا، نیا سا لگنے لگا، ہر چیز اچھی لگ رہی تھی۔ جو بارش کبھی مجھے فکر دیا کرتی تھی، آج میں اُسے محسوس کر رہا تھا، جو سڑکیں مجھے اُکتاہٹ کا شکار کرتی تھیں، آج وہ سڑکیں حسین لگ رہی تھیں...... کسی نے سچ کہا ہے...... محبت میں ایک الگ نشہ ہے...... ایک ایسا نشہ...... جو کبھی انساں کو بیدار نہیں ہونے دیتا...... یہ بات میں جان گیا تھا...... اب اس دل میں اور کوئی نہیں آئے گا...... یہ دل، ...... یہ زندگی، ...... یہ جان، ...... ناز کے سامنے قُربان کر دی...... اپنی محبت کی کتاب...... اس کے نام پر بند کر دی...... یہ بہتر تھا کہ کوئی مت پوچھے مجھ سے میری دیوانگی کا سبب...... محبت میں ویسے بھی...... سوالوں کے جواب نہیں ہوتے...... اور میں محبت میں بہہ رہا تھا...... جھوم رہا تھا...... گُنگنا رہا تھا...... اس لمحے ناز بھی مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی، دیوانگی کے بارے میں اس نے خوب سُنا تھا...... مگر دیوانگی کے بارے میں شاید وہ کچھ نہیں جانتی تھی...... مگر آج...... میری دیوانگی دیکھ کر...... وہ جان گئی...... وہ مان گئی...... کہ ہاں...... دیوانگی کا وجود ہے...... کسی کے وجد میں ہو کر رہ جانا...... حقیقت ہے...... کسی کا ہو کر رہ جانا...... سچ ہے...... ناز دھڑکتے دل کے ساتھ...... مجھے دیکھتی رہی...... اور میں بارش میں جھومتا رہا......

☆......☆

جہاں میں نے وسیم سے ایک گھنٹے میں آنے کا وعدہ کیا تھا وہیں مجھے رات کے نو بج چُکے تھے۔ راستے بھر میں بھیگا ہوا گاڑی چلاتا رہا اور ناز خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ ہم دونوں نے کوئی بات نہیں کی، بس خاموش رہے۔ بندوں کی شاعری تو ہم دونوں ہی سُن چکے تھے...... آج خدا کی شاعری کو سُنا تو احساس ہوا...... زندگی کس قدر حسین ہے...... جلد ہی میری گاڑی غلام صاحب کے گھر کے سامنے پہنچی...... ناز بنا کچھ کہے گاڑی سے اُتری اور دروازے پر پہنچی...... پلٹ کر مجھے دیکھا اور ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا...... بدلے میں میں بھی بس ایک مسکراہٹ ہی دے سکا...... ناز کو باخیریت پہنچا کر...... میں نے گاڑی چلا دی...... اور بھیگی ہوئی سڑکوں پر سے ہوتا ہوا میں گھر کی طرف رواں دواں ہوا...... میرے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی...... میں نے فیصلہ کر لیا تھا...... کہ شادی کے بعد...... شاید ہی کوئی ایسا دن ہو...... جب ناز میری بانہوں سے جُدا ہو...... محبت تو شاید چھوٹا سا ایک لفظ ہے...... دل اب اس کی عبادت کرنا چاہتا ہے...... میں نے اپنی زندگی میں خدا کو اپنے بہت قریب محسوس کیا ہے...... پر خدا کا چہرہ...... محبوب کے چہرے میں

دیکھا...... مجھے اپنی زندگی ناز کا ہاتھ تھام کر بسر کرنی تھی......جلد ہی دو پیارے پیارے بچّے ہماری بانہوں میں ہوں گے...... ہمارا چھوٹا سا ایک گھر ہوگا......ایک حسین آنگن ہوگا...... جہاں صرف محبت، عشق، شاعری اور اُردو کی گنجائش ہوگی...... میں اپنے بچّوں کو بہت محبت دُوں گا...... ایک باپ کیسا ہوتا ہے...... والدین کی محبت کیسی ہوتی ہے...... یہ سب اپنے بچّوں کو دُوں گا...... ان شاء اللہ...... میرے بچّے یتیم نہیں ہوں گے...... کوئی میرے بچّوں پر ترس کھا کر......انھیں نوالہ نہیں دے گا...... وہ میرے بچّے ہوں گے......ڈاکٹر روحیل مظاہر کے...... ان کا والدان کے پاس ہوگا......ان کی والدہ ان کے ساتھ ہوگی...... ناز کی پرورش سے میرے بچّے......احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوں گے...... وہ مضبوط ہوں گے......اس ملک کے لیے ایک اچھے شہری بنیں گے......ملک کا اثاثہ بنیں گے......اور میں ......اپنی ناز کا ہاتھ تھام کر......صرف اتنا کہوں گا......کہ ہم کامیاب ہوئے......ہم کامیاب ہوئے---

مستقبل کی نجانے کتنی باتیں سوچتا ہوا میں گاڑی چلاتا رہا اور ناز کے ساتھ اپنی زندگی کو سوچتا چلا گیا۔ اس دُور کی سوچ میں گھر اتنی جلدی قریب آجائے گا احساس نہیں ہوا، میں اطمینان سے گاڑی اندر لے کر پہنچا تو اُسی دوران میں وسیم کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ وسیم کو دیکھ کر میں بُری طرح چونکا اور جلدی سے اُسے آواز دی:

''وسیم!......''

میری آواز سن کر وسیم نے بوکھلا کر میری طرف دیکھا۔ میں جلدی سے گاڑی سے اُتر کر اس کے سامنے آیا۔

''ارے روحیل میرا یار!۔''وسیم جھینپا جھینپا سا محسوس ہوا۔

''یار کو مارو گولی پہلے یہ بتاؤ او پی ڈی صحیح تو رہی؟''میں نے اُسے دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

''ہاں ایک دم صحیح۔''وسیم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''کسی کو کچھ پتا تو نہیں لگا؟''میں نے ڈر کر پوچھا۔

''ہاں نا پتا لگ گیا نا۔''وسیم نے عجیب سا جواب دیا۔

''کیا!......کس کو؟''میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اظہر کو۔''وسیم نے اطمینان سے کہا۔

''شٹ......اور؟''میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

''اور ماموں جان کو بھی پتا چل گیا۔''وسیم نے سر ہلا کر کہا۔

''کیا!!......''میں دھک سے رہ گیا۔

''ہاں مگر پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، مریضوں کو کچھ نہیں ہوا۔''وسیم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''مریضوں کو مارو گولی یہ بتاؤ ابا کا مُوڈ خراب ہے کیا؟''میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں مُوڈ کافی خراب ہے۔''وسیم نے سوچتے ہوئے کہا۔

''وسیم میں تمھارا گلا گھونٹ دوں گا! مجھے صحیح صحیح بتاؤ!''میں نے چڑ کر کہا۔

''اندر جا کر پتا چل جائے گا، میں تو جا رہا ہوں۔ خدا حافظ!''

وسیم نے دانت نکال کر کہا اور پھر گھبراتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف دوڑ لگا گیا۔

میں نے سرد آہ لی اور گھر کے اندر چلا۔

☆......☆

گھر کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ مجھے گھر کا ماحول کافی گرم محسوس ہوا۔ میری سوچ سے زیادہ خوفناک۔ ہال میں اظہر اور امی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر دونوں نے بہت بُرے منھ بنائے۔

''السلام علیکم......!''

میں نے اطمینان کے ساتھ سلام کیا پر سب خاموش رہے۔ امی کے چہرے پر نفرت کچھ زیادہ بڑھ گئی تھی۔

''ناراض ہیں آپ لوگ؟''میں نے دھیرے سے پوچھا۔

''نہیں ہم تو یہاں بھنگڑا کرنے والے ہیں آپ کے استقبال کے لیے۔''اظہر نے چڑ کر کہا۔

''آئی ایم سوری اظہر۔''میرے منھ سے نکلا۔

''سوری کے بچّے میں تمھاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ تم اس طرح او پی ڈی چھوڑ کر کیسے چلے گئے؟''اظہر نے حیران ہوکر پوچھا۔

''اظہر میں مانتا ہوں کہ میری غلطی ہے مگر......''

''مگر کیا؟......تم سے اور اُمید بھی کیا رکھی جا سکتی ہے روحیل؟''

امی نے جلے کُٹے انداز میں یہ جملے کہے اور میں نے انھیں دیکھا۔

''تمھارا باپ جو کر گیا سو کر گیا، کم از کم تم تو میرے شوہر کا نام بدنام نہ کرو۔''

اپنی تائی کے یہ جملے سن کر میرا خون کھول گیا۔ اس لمحے میرا دل چاہا کہ انھیں بہت کچھ کہوں مگر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اظہر نے جب دیکھا کے معاملہ کچھ بگڑ رہا ہے تو اک دم سے آگے بڑھ کر کہنے لگا:

''امی آپ کچھ نہ کہیں...... روحیل؟......تم اوپر جاؤ، امّاں اور ابا تمھارا انتظار کر رہے ہیں......''

اظہر نے اکھڑے ہوئے لہجے میں مجھے بتایا اور میں نے نوٹ کیا کہ اس کا غصہ مصنوعی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنے بھائی پر بہت پیار آیا۔ میں اس کی بات سن کر ہاں میں سر ہلا کر رہ گیا اور سیدھا اوپر کی طرف جانے لگا کہ اظہر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا:

''روحیل؟''

''کچھ کہیں تو خاموش رہنا۔ اوکے۔''

اظہر نے سرگوشی میں مجھے سمجھایا اور میں سر ہاں میں ہلا کر اوپر کی طرف چلا گیا۔

میرے جانے کے بعد اظہر پلٹا اور اپنی والدہ سے مخاطب ہوا:

''آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟......کیوں بار بار پُرانی باتوں کو دوہراتی ہیں؟''

''میں دوہراتی ہوں؟......میں؟'' امی نے آنکھیں نکالیں۔

''جی آپ......نجانے آپ کو کیا ملتا ہے یہ سب کر کے؟'' اظہر نے جل کر کہا۔

''اظہر تمھارا چچازاد بھائی حرکتیں کر کے آ رہا ہے میں نہیں!'' امی نے جل کر کہا۔

''ایسا کچھ بُرا بھی نہیں کیا ہے اُس نے۔ اس سے کہیں زیادہ حرکتیں میں نے کی ہیں۔ میں او پی ڈی چھوڑ چھوڑ کر بھاگا ہوں، روحیل نے آج ایک بار یہ حرکت کر لی تو اس میں کوئی قیامت نہیں آ گئی۔'' اظہر نے چڑ کر کہا۔

''لیکن اظہر......''

امی نے کچھ کہنا چاہا کہ اظہر نے ہاتھ کے اشارے سے اُنھیں چُپ کرایا:

''بس امی۔ میرے اور ابا کے جیتے جی روحیل کے ساتھ کوئی بدسلوکی سے پیش نہیں آئے گا، یہ بات نہ تو میں برداشت کروں گا نا ابا۔ اس لیے آئندہ خیال رکھا جائے۔''

یہ کہہ کر اظہر اوپر کی طرف چل گیا۔ امی کے دل میں اس وقت آگ لگ گئی تھی۔

☆......☆

میں نے آہستہ سے لائبریری کا دروازہ کھولا اور دیکھا، بڑے دو صوفوں پر امّاں اور ابا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں جان گئے تھے کہ لائبریری میں میں داخل ہوا ہوں۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

میں نے دھیرے سے پوچھا۔ مجھے بنا دیکھے ابا نے کرخت لہجے میں کہا:

''آؤ۔''

ابا کی آواز سن کر میری روح کانپ گئی۔ آج میری جان بہت بُری طرح پھنسی تھی اور اس بات کو میں محسوس کر گیا تھا۔ میں اندر آیا تو ابا کو کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے پایا جب کہ امّاں صوفے پر بیٹھی مجھے گھور رہی تھیں۔

''السلام علیکم!'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''وعلیکم السلام! بیٹھو......''

امّاں نے خشک لہجے میں مجھے حکم دیا اور میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرا سر اب خم تھا۔ کمرے میں کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ جب کچھ پل خاموشی کی نظر ہوئے تو میں نے کچھ کہنے کی ہمّت کی:

''ابا...... امّاں...... میں معافی چاہتا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ میں نے بہت غلط کیا مگر...... میں تھوڑا پھنس گیا تھا...... اس وجہ سے......''

''ایسے کہاں گئے تھے تُم؟'' ابا نے اک دم سے مجھ سے پوچھا۔

''اہمم...... پیش...... پیشنٹ دیکھنے گیا تھا......'' میں نے گھبرا کر جواب دیا۔

''اسٹیتھو اسکوپ اور میڈکل بریف کیس اسپتال میں چھوڑ کر؟''

ابا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا اور میں خاموش ہو گیا۔

امّاں اس لمحے بالکل خاموش تھیں۔

”روحیل...... تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔تم نے اپنی جگہ وسیم کو ڈاکٹر بنا کر بٹھا دیا، اگر وہ کسی مریض کو غلط دوا دے دیتا تو کیا سے کیا ہو جاتا، ہمارا سہارا اسپتال تک بند ہو سکتا تھا۔کیس ہو سکتا تھا ہم پر۔“

ابا غصیلے لہجے میں کہتے چلے گئے اور میں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

”تم نے آج تک اس قسم کی بچکانہ حرکت نہیں کی مگر اس کے باوجود تمھیں اس گھر میں گالیاں سُننے کو ملتی ہیں، طعنے سُننے کو ملتے ہیں، یہ میرا اور امّاں کا ہی ظرف ہے جو آج تک تمھیں بچاتے آئے ہیں۔مگر تم دیوانوں جیسی حرکتیں کرو گے تو کون بچائے گا تمھیں؟“

ابا نے بھڑک کر مجھے ڈانٹا اور میں سر جھکائے رہا۔

”تم نے آج مجھے بہت دکھ دیا ہے روحیل، مجھے یہ سوچنے پر مجبور مت کرو کہ شاہین صحیح کہتی ہے۔“

ابا نے دکھی لہجے میں بڑی بات کہی اور میں سکتے کے عالم میں انھیں دیکھنے لگا۔امّاں بھی اس لمحے خاموش رہیں۔

”خیر...... رات بہت ہو گئی ہے، مجھے یقین ہے کہ اب تم اپنی ڈاکٹری کو سنجیدگی سے لو گے اور ہمیں مایوس نہیں کرو گے......“

یہ کہہ کر ابا دروازے کی طرف بڑھ گئے۔میں خاموشی سے انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔وہ دروازہ کھول کر چلے گئے۔اب کمرے میں، میں اور امّاں اکیلے موجود تھے۔

”ہمم......“

امّاں کے منھ سے نکلا اور وہ مجھے دیکھنے لگیں۔اس لمحے میں ساکت کھڑا تھا۔امّاں چلتی ہوئیں میرے پاس آئیں اور میرا چہرہ تکنے لگیں۔میں سر جھکائے کھڑا تھا۔

”کون تھی وہ؟“

امّاں کے سوال پر میں دھک سے رہ گیا اور حیران ہو کر میں انھیں دیکھنے لگا:

”جی؟“

”میں نے کہا کون تھی؟“ انھوں نے شرارت سے پوچھا اور میں حیران ہو کر انھیں دیکھتا رہا۔

''زیادہ بھولے بننے کی ضرورت نہیں ہے اب، مجھے پتا ہے کہ آپ کسی حسینہ کے ساتھ تھے۔'' امّاں نے مسکرا کر کہا۔

''تو کیا آپ غصے میں نہیں ہیں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اوفوہ میری ہنسی کا یہ مطلب نہیں کہ میں غصے میں نہیں ہوں۔ آفکورس مجھے غصہ ہے مگر یہ سوچ کر خوش ہوں کہ چلو آپ کی زندگی میں بھی کوئی آیا۔''

امّاں نے ہنس کر یہ جملے کہے اور میرے لبوں پر اُداس ہنسی آ گئی مگر سنبھل کر شرمسار ہو کر کہنے لگا: ''آئی ایم سوری امّاں...... مجھ سے غلطی ہوئی......''

''جانتی ہوں، غلطی ہوئی ہے، معاف بھی کر دوں گی، لیکن میں یہ سوچ کر حیران ہوں کہ ایسی کون سی حسینہ ہے جس نے آپ کو یہ حرکت کرنے پر مجبور کیا؟ کچھ تو خاص ہوگا اُس میں...... عام سی لڑکی نہیں ہوگی وہ......'' امّاں نے مسکرا کر پوچھا۔

''خاص تو ہے امّاں۔'' میں نے شرما کر بتایا۔

''خوبصورت ہے؟''

امّاں نے خوش ہو کر پوچھا اور میں نے ہاں میں سر ہلایا۔

''چلو یہ تو اچھی بات ہے کہ خوبصورت ہے...... پر ہے کون؟'' امّاں نے الجھ کر پوچھا۔

''امّاں......''

میں نے ان کے ہاتھ تھامے:

''میں آپ کو کچھ دنوں میں سب کچھ بتاؤں گا، میرے خیال سے ابھی صحیح وقت نہیں آیا...... جیسے ہی صحیح وقت آئے گا...... آپ کو بتاؤں گا......''

''ہممم...... پر مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تمھیں یہ امانت دینے کا صحیح وقت آ گیا ہے۔''

امّاں نے مسکرا کر جیسے اپنے آپ سے کہا ہو اور میں نے چونک کر انھیں دیکھا:

''امانت؟...... کیسی امانت امّاں؟''

میرے سوال پوچھنے پر وہ مسکرا کر واپس صوفے کی طرف بڑھیں اور اپنا پرس اُٹھایا۔ میں امّاں کو دیکھتا رہا۔ امّاں نے اپنا پرس کھولا اور ایک خوبصورت ہیرے کی انگوٹھی نکالی۔ وہ چلتی ہوئیں میرے پاس آئیں:

”یہ لو......“

انھوں نے مجھے دی اور میں ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔اب جو انگوٹھی کو دیکھا تو یہ ایک حسین سی ہیرے کی انگوٹھی تھی۔

”یہ مظاہر نے خریدی تھی، جولیانا کے لیے۔یہ تمھاری ماں کی انگوٹھی ہے۔“

امّاں نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ بتایا اور میں حیران ہو کر اُس انگوٹھی کو دیکھنے لگا۔

”میرے بیٹے نے یہ انگوٹھی جولیانا کی انگلی میں پہنائی تھی اور اُسے اپنی بیوی بنایا تھا۔جولیانا اسے ہر وقت اپنے انگلی میں پہنی رہتی تھی۔پلین کریش کے بعد ہمیں ان کا کوئی اور سامان تو نہیں مل سکا، ہاں پر یہ انگوٹھی جولیانا کی انگلی میں رہ گئی۔مرتے دم تک اس نے اپنے پیار کا ساتھ نا چھوڑا تھا۔“

امّاں نے غمگین لہجے میں بتایا اور میں انھیں دیکھنے لگا۔

”تم یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھو، اور صحیح موقع دیکھ کر میری ہونے والی بہو کی انگلی میں پہنا دو۔کیوں کہ اس انگوٹھی پر صحیح حق تمھاری بیوی کا ہوگا۔“

انھوں نے مسکرا کر کہا اور میں پیار سے انگوٹھی کو دیکھنے لگا۔

”بس صحیح وقت کا انتظار کرو، کسی کو جیون ساتھی بنانے میں جلد بازی کا فیصلہ مت کرنا، جب تک تمھارا دل سو فیصد اس کے بارے میں یقین نہیں کر لیتا تب تک کوئی قدم نہیں اٹھانا۔اگر تمھاری جگہ اظہر ہوتا تو شاید میں اُسے اس بات کی تلقین نہیں کرتی مگر تمھارے بہت دشمن ہیں میرے لعل۔کب تک میں اور مظہر زندہ رہیں گے...... تمھیں بہت سی تکلیفوں کو ابھی برداشت کرنا ہے، اس لیے اپنے جیون ساتھی کو اپنی زندگی میں شامل کرنے سے پہلے دوبارہ یہ سوچ لینا...... کہ جو تکلیفیں تمھاری زندگی میں خدا نے لکھ دی ہیں وہ اُسے نا جھیلنی پڑیں۔“

امّاں مجھے سمجھاتی چلی گئیں اور میں سوچنے لگا۔

”محبت بہت خوبصورت چیز ہے، مگر ایسی محبت کا کوئی فائدہ نہیں جہاں ہمیں دوسروں کی زندگی کی پروا نا رہے۔مریضوں کو حقیر مت سمجھو، وہ بھی انسان ہیں، اگر وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہیں تو انھیں شفا دینے والا اللہ ہے، تم تو بس اُس شفا کا ذریعہ ہو۔خدا کی اس عطا کا شکر ادا کرو اور اپنے کام کو سنجیدگی سے انجام دو۔ایسے اپنے کام کو انجام دو کہ تمھارے مریض پریشان ہوں اور نہ ہی

تمھاری محبت ۔ٹھیک ہے؟''
امّاں نے پیار سے سمجھایا۔
''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امّاں، میں اب سے اپنے کام کو بہت سنجیدگی سے لوں گا۔افسوس اس بات کا ہے کہ ابا مجھے پرایا کر گئے۔''میں نے سرد آہ لے کر کہا۔
''کسی نے تمھیں پرایا نہیں کیا ہے۔وہ تم سے بہت پیار کرتا ہے،کوئی تمھیں بیٹا سمجھے نہ سمجھے اس نے بیٹا ضرور سمجھا ہے۔اس لیے تمھارا فرض بنتا ہے کہ وہ کرو جو ہر اچھا بیٹا اپنی غلطی کے احساس ہونے کے بعد کرتا ہے۔''امّاں نے مجھے دیکھ کر کہا۔
''وہ کیا امّاں؟''میں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔
''جاؤ......جا کر اُسے سوری بولو۔''
امّاں نے پیار سے مجھے تلقین کی اور میں سوچنے لگا۔شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔

☆......☆

ابا اپنے بستر پر لیٹے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے جب کہ امی اپنی الماری ٹھیک کر رہی تھیں۔امی اس لمحے مکمل خاموش تھیں، وہ جانتی تھیں کہ ان کے شوہر کا غصہ اس وقت آسمانوں سے بات کر رہا ہے، اس لیے انھوں نے بھی کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ویسے بھی آج اتنے عرصے بعد اُس بیٹے کو ڈانٹ پڑی تھی جسے وہ کبھی ترجیح نہیں دیتی تھیں، اس لیے وہ اس لمحے خوش تھیں۔
ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی
امی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔
ابا نے بھی نظر اُٹھا کر دروازے کو دیکھا اور خشک لہجے میں کہا:
"Come In"
ابا کا حکم سن کر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔امی نے مجھے دیکھا تو جل کر کہنے لگیں:
''اب کیا چاہیے؟''
''شاہین۔''
ابا کے منھ سے سرد لہجے میں نکلا اور وہ خاموش ہو گئیں۔
میں سر خم کر کے امی کو اور ابا کو دیکھنے لگا۔

”کہو؟......کیا چاہیے؟“ ابا نے خشک لہجے میں مجھ سے پوچھا۔
ان کا سوال سن کر میں چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔ بستر پر بیٹھ کر پیار سے ان کے پاؤں پر ہاتھ رکھا:

”آیم......آئی ایم سوری ابا......میں نے آپ کا دل دکھایا......آئی ایم سوری......“
میں نے رنجیدہ ہو کر معافی مانگی اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
ابا اس لمحے مجھے دیکھنے لگے۔

”ابا......میں نے جب سے ہوش سنبھالا......اپنے والدین کو کھو دیا...... مجھے پتا ہی نہیں کہ میری ماں کی لوریاں کیسی تھیں......میرے باپ کی شفقت کیسی تھی...... مجھے اندازہ ہی نہیں کہ ایک باپ...... جب اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے......تو اس کے دل میں کس قدر پیار ہوتا ہے......اور جب وہ غصہ کرتا ہے تو کس قدر دکھ......تنہائی کے عالم میں ہوش سنبھالا......آپ کے اندر باپ کو تلاش کرتا گیا......امّاں میں اپنی ماں کو دیکھتا گیا......میں دل سے یہ بات جانتا ہوں اور آپ بھی جانتے ہیں......کہ میں آپ کو دکھ نہیں پہنچا سکتا......کیوں کہ دکھ میں آپ کے غصے کو ......کہیں آپ خود......کہیں میں......یا کہیں دوسرے لوگ کچھ غلط نہ سمجھ بیٹھیں......یہ نا سمجھ بیٹھیں کہ ایک باپ اور ایک بیٹے کے بیچ دیوار آ گئی......اس لیے ساری زندگی غلطی نہ کرنے کی قسم کھا لی......مگر آج مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوئی......اور میں نے آپ کو بہت دکھ پہنچایا...... مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا......مگر خوشی بھی ہے......کہ آج میں نے آپ کے اندر واقعی اپنے باپ کی جھلک دیکھی ہے......آج میں نے واقعی یہ محسوس کیا ہے......کہ آپ کے دل میں میرے لیے کس قدر پیار ہے......“

میں کہتا گیا اور ابا مجھے دیکھنے لگے، ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔
امی بھی مجھے کن اکھیوں سے دیکھ رہی تھیں۔

”میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں ابا......میں اب دوبارہ ایسی غلطی نہیں کروں گا......میں اب کبھی او پی ڈی درمیان میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا......میں آپ کو ہر دم خوش رکھنے کی کوشش کروں گا......ہاں مگر غلطی سے اگر کوئی غلطی ہو جائے......تو پلیز ڈانٹیئے گا ضرور...... چاہیں تو تھپڑ بھی مار دیجیے گا......مگر خدا کے واسطے...... مجھے اپنے سے الگ مت کیجیے گا......آپ نے اگر مجھے الگ

کر دیا......تو میں کہاں جاؤں گا......کہاں جاؤں گا......‘‘

یہ کہہ کر میں زار و قطار رونے لگا اور ابا نے تڑپ کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔

’’کوئی تمھیں الگ نہیں کرے گا......سمجھے......کوئی الگ نہیں کرے گا......‘‘

ابا نے بھی روتے ہوئے یہ جملے کہے اور میں ان کے سینے سے لگا رہا۔

امی خاموشی سے ہم دونوں کو دیکھنے لگیں اس لمحے کچھ نا کہا۔

’’تم میرے بیٹے ہو......اس گھر کے چھوٹے بیٹے ہو تم......میرے بھائی کی نشانی ہو......تم ہم سے چاہتے ہوئے بھی الگ نہیں ہو سکتے روحیل......سُنا تم نے......تم چاہتے ہوئے بھی الگ نہیں ہو سکتے......میں تمھیں کبھی اپنے سے الگ نہیں کروں گا......کبھی نہیں......اور اگر تم مجھ سے الگ ہوئے......تو میں مر جاؤں گا بیٹے......مر جاؤں گا میں......‘‘

ابا نے یہ کہہ کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور مجھے جیسے سہارا مل گیا۔

ایسے میں کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو اظہر اُداس مسکراہٹ کے ساتھ نظر آیا۔ میں ابا کی بانہوں سے نکل کر تڑپ کے اظہر کے گلے لگا اور اس نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس لمحے دروازے پر امّاں بھی موجود تھیں جو آنکھوں میں آنسو لیے مجھے پیار سے دیکھ رہی تھیں، جب کہ امی سر جھکائے نفرت سے منھ پھیرے کھڑی تھیں۔

☆......☆

رات ایک بجے اظہر اپنے کمرے میں آیا تو اس کے چہرے پر الجھنوں کے بادل تھے۔ بستر پر بیٹھ کر وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا کہ ایسے میں اس کا موبائل فون بجا۔ اظہر نے فون دیکھا اور اسکرین پر نام پڑھا۔ اس نے آن کا بٹن دبایا:

’’ہاں بولو......ہاں میں خفا ہوں......تمھیں نہیں پتا گھر میں کیا ہنگامہ ہوا ہے......میں جتنا چاہتا ہوں کہ وہ اکیلا پن محسوس نہ کرے......وہ اُتنا ہی اکیلا ہو رہا ہے......میں کیا سنبھالتا......اُسے شک ہو جاتا......خیر......بس میری یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم چاہ کیا رہی ہو......تمھیں لگتا ہے کہ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گی؟......ہاں مجھے بھی اپنی محبت پر پورا یقین ہے......ٹھیک ہے......تم اپنا خیال رکھنا......ہو سکے تو جلد از جلد یہ بات کہہ دو......ٹھیک ہے......اوکے......میں فون رکھتا ہوں......آف کورس مجھے تم سے بے حد پیار ہے......ہاں......اوکے......خدا حافظ......

خدا حافظ......!"

یہ کہہ کر اظہر نے فون بند کیا اور بستر پر فون رکھ کر سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر الجھنوں کے بادل دوڑ رہے تھے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح آیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ اسی حالت میں بڑبڑایا:

"کہیں روحیل کو...... محبت تو نہیں ہو گئی؟"

اس نے اپنے آپ سے یہ سوال کیا اور پریشان ہو کر سوچنے لگا۔

☆......☆

دوپہر کے وقت جمشید اپنے گھر میں موجود لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا، کچھ ٹائپ کرتا اور اس کے بعد نوٹ پیڈ پر لکھتا۔ ایسے میں نسیم صاحب آئے تو اپنے بیٹے کو دیکھ کر مسکرانے لگے:

"واہ بھئی آج تو بڑا کام کیا جا رہا ہے۔"

"جی پاپا، میں نے دراصل ادویات کا ڈیٹا بیس بنا لیا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ کون سی ادویات موجود ہیں ہمارے پاس۔" جمشید نے مسکرا کر اپنے والد کو بتایا۔

"چلو یہ تو بہت اچھا کام کیا ہے تم نے، کلینک کیسا چل رہا ہے؟"

انھوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا جا رہا ہے پاپا، ویسے بچے آج کل بیمار ہی نہیں پڑ رہے۔" جمشید نے منھ بنا کر کہا۔

"ارے یہ تو خوشی کی بات ہے کہ بچے بیمار نہیں پڑ رہے، تمھیں تو اللہ کا شکر کرنا چاہیے۔" نسیم صاحب نے ہنس کر کہا۔

"اگر اللہ نے بیماریاں ختم کر دی نا پاپا تو میں آپ کو سڑکوں پر بھیک مانگتا ہوا نظر آؤں گا۔" جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اسے کہتے ہیں اللہ کی قدرت۔ کسی کی بیماری کسی کے گھر کا چولہا جلاتی ہے۔ Circle of Life چلتا رہتا ہے، یہ کبھی نہیں رُکنے والا۔"

نسیم صاحب نے سوچتے ہوئے کہا پھر کہنے لگے:

"ایک بار کیا ہوا کہ کسی شہر میں فساد ہوئے اور قریب قریب پچاس لوگ مارے گئے۔ شہر بھر میں سوگ تھا، سب اُداس تھے۔ لوگوں نے رات تاریکی میں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اُسی

رات گورکن نے اپنی بیوی کو کہا کہ آج بچّوں کے لیے بریانی پکانا، کام کافی آیا ہے، پیسے اچھے ملیں گے۔''نسیم صاحب کے کہنے پر جمشید سوچنے لگا۔

''خدا کا نظام اس قدر اعلیٰ ہے کہ کسی کی موت کسی کے لیے زندگی بن جاتی ہے۔سینکڑوں سالوں سے یہی کچھ ہوتا آرہا ہے۔''انھوں نے کہا۔

''لیکن ایک دن یہ نظام رُکے گا پاپا، اور وہ دن قیامت کا ہوگا۔''

جمشید نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں، قیامت کا دن، جب ہم سب کا حساب ہوگا۔''

نسیم صاحب نے کمرے کی چھت کو دیکھ کر یہ جملے کہے۔

''ویسے پاپا، ہم جنّت میں کریں گے کیا؟......ہم بور نہیں ہوجائیں گے؟''

جمشید نے ہنس کر پوچھا۔

''تو تم دوزخ میں چلے جانا......، وہاں تو ویسے بھی تمھارے مطلب کے لوگ ہوں گے......''انھوں نے مسکرا کر کہا۔

''پاپا بتائیں نا، جنت میں ہر قسم کا آرام اور آسائش ہے تو پھر مزا کیا رہے گا......''

جمشید نے منھ بنا کر کہا۔

''بھئ دنیا اُسی اللہ کی بنائی ہوئی ایک جگہ ہے، اور حضرت علیؑ کا قول ہے کہ اگر تم لوگوں کو جنّت کی ہلکی سی جھلک بھی دکھادی جائے تو تم لوگ اپنی اپنی قبروں میں جا کر لیٹ جاؤ گے اور مرنے کی دعا کرو گے۔تو ذرا سوچو اللہ نے وہاں بھی کیا انتظام کر رکھا ہوگا۔''

انھوں نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہا۔

''آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں بھی گاڑیاں، شاندار سڑکیں، شاپنگ سینٹر اور اسٹیڈیم وغیرہ ہوں گے؟''وسیم نے مسکرا کر پوچھا۔

''بالکل!!......سو فیصد ہوں گے۔جب یہ دنیا اس قدر ڈیجیٹل ہے حالاں کہ یہ ہمارا عارضی ٹھکانا ہے تو ذرا سوچو جنّت کیا ہوگی جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔''نسیم صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ہمم...... یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔''جمشید کے منھ سے نکلا۔

''پاپا، چائے۔''

ایسے میں سائرہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے لے کر آئی۔

''بھئی چائے تو ہم پی لیں گے پر یہ بتاؤ آپ کی ساس کدھر ہیں؟''

نسیم صاحب نے اپنی بہو سے پوچھا۔

''آ رہی ہوں، اتنی بھی کیا بے چینی ہو جاتی ہے آپ کو۔ اب عمر کے اس حصے میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والی۔''

بیگم نسیم کی آواز آئی اور سب ہنسنے لگے۔

''شکیلہ زندگی میں پہلی بار آپ نے اپنی عمر کے بارے میں صحیح بات کہی ہے۔'' نسیم صاحب نے خوش ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔ ایسے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔

''میں دیکھتی ہوں......''

سائرہ نے مسکرا کر کہا اور اٹھ کر گئی۔ جمشید اور باقی سب چائے پینے لگے۔ جلد ہی سائرہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا۔

''کیا ہے سائرہ؟ جمشید نے پوچھا۔

''کینیڈا ایمبیسی سے خط آیا ہے۔'' سائرہ نے مچل کر بتایا۔

''کیا! دکھاؤ جلدی!''

جمشید مچل گیا اور جلدی جلدی لفافہ چاک کیا۔ نسیم صاحب اور بیگم نسیم بھی انھیں کو دیکھنے لگے۔ جلد ہی جمشید نے خط نکالا اور پڑھنے لگا۔

''کیا لکھا ہے؟'' نسیم صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''پاپا ہم سب کا امیگریشن ہو گیا ہے!...... ہمارا کینیڈا کا امیگریشن ہو گیا ہے!......'' جمشید نے خوشی کے عالم میں بتایا۔

''ارے مبارک ہو!......''

نسیم صاحب نے خوشی کے عالم میں یہ جملے کہے اور اٹھ کر جمشید کے گلے لگے۔ سائرہ نے بھی ہاتھ بلند کر کے شکرانہ ادا کیا۔

''جمشید ٹھیک سے پڑھو سب کا ہوا ہے نا؟'' بیگم نسیم نے جوشیلی آواز میں پوچھا۔

''ہاں امی، آپ کا، میرا، پاپا کا اور سائرہ کا۔ ہم سب کا امیگریشن ہو گیا ہے۔ بس اب جا کر

پاسپورٹ جمع کرانے ہیں اور پھر حاصل کرنے ہیں۔'' جمشید نے خوشی کے عالم میں بتایا۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' بیگم نسیم نے شکرانہ ادا کیا۔

''میں امی کو فون کر کے بتاتی ہوں۔'' سائرہ نے موبائل اٹھا کر کہا۔

''ہاں ہاں بالکل مگر امّاں کو مت بتانا۔'' جمشید نے گھبرا کر کہا۔

''کیوں کیوں؟'' سائرہ نے چونک کر پوچھا۔

''بھئی امّاں کو ہمارا کینیڈا جانا پسند نہیں ہے نا۔'' جمشید نے ڈر کر کہا۔

''ارے بتانے دو اُسے۔''

نسیم صاحب نے ہنس کر کہا اور سائرہ فون ملانے لگی۔ جلد ہی سلسلہ ملا۔

''ہیلو......'' شاہین بیگم کی آواز آئی۔

''امی آپ کو خوش خبری سُنانی ہے۔'' سائرہ نے چہک کر کہا۔

''ارے کہیں کینیڈا کا تو نہیں ہو گیا؟'' شاہین بیگم نے ہنس کر پوچھا۔

''جی ہاں بالکل!......ہم سب کا امیگریشن ہو گیا ہے۔'' سائرہ نے خوشی کے عالم میں کہا۔

''مبارک ہو بہت بہت!......سدا خوش رہو میری شہزادی۔''

شاہین بیگم نے خوش ہو کر کہا۔

''یہ لیں ممی سے بات کریں۔'' سائرہ نے خوشی سے کہا اور فون نسیم بیگم کو دیا۔

''ہیلو شاہین؟''

''السلام علیکم بھابھی!، مبارک ہو بہت بہت۔'' شاہین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''خیر مبارک بھئی، کیسی ہو تم؟'' نسیم بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں اچھی ہوں بھابھی آپ سنایئے، اب تو آپ پینٹ شرٹ پہن کر گھوما کریں گی۔''

شاہین بیگم نے ہنس کر کہا اور نسیم بیگم بھی ہنسنے لگیں:

''نہیں خیر تمھارے بغیر نہیں پہنوں گی، یہ بتاؤ تم کب آ رہی ہو کینیڈا؟''

''بس جلد ہی آؤں گی۔'' شاہین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''ارے امی انھیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم بھی انھیں بلوا سکتے ہیں۔'' جمشید نے پیچھے سے کہا۔

”ہاں بالکل، داماد ساس کو تو بُلا ہی سکتا ہے۔“نسیم بیگم نے ہنس کر کہا۔

”جانتی ہوں بھابھی، مگر یہاں ان دو مردوں کو اکیلے کس پر چھوڑ کر جاؤں، ......روحیل تو جیسے تیسے اپنا کر لے گا......مگر اظہر اور مظہر کے لیے میں بہت پریشان ہو جاتی ہوں......“

شاہین بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

”شاہین، تمھاری آواز میں مجھے آج پھر پریشانی محسوس ہو رہی ہے۔کیا بات ہے؟“

نسیم بیگم نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔

”کیا بتاؤں بھابھی، گھر کے حالات تو ایسے بگڑ رہے ہیں کہ ٹھیک ہونے کا نام تک نہیں لے رہے، کچھ دن پہلے روحیل کی وجہ سے گھر میں پھر ایک فساد کھڑا تھا اور سب نے مجھے ہی قصوروار ٹھہرایا، میں تو تنگ آ گئی ہوں اس زندگی سے۔“ شاہین بیگم نے جل کر کہا۔

”تم جب تک میری بات نہیں مانو گی تمھیں ساری زندگی یہ برداشت کرنا پڑے گا۔“

نسیم بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

”پر بھابھی اظہر کی شادی کروں بھی تو کہاں کروں؟“ شاہین بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”جہاں وہ کرنا چاہتا ہے وہاں کرو۔“نسیم بیگم نے پیار سے کہا۔

”ہاں امی! اب ہمارے کینیڈا کا بھی ہو رہا ہے اس لیے جلد از جلد بھائی جان کی شادی کر دیں۔میں اپنے ارمان پورے کر کے جانا چاہتی ہوں۔“ سائرہ نے پیچھے سے کہا۔

”سُن لو اپنی بیٹی کی باتیں۔“نسیم بیگم نے ہنس کر کہا۔

”آپ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں آج ہی اظہر سے بات کر کے یہ شادی طے کرتی ہوں۔“

شاہین بیگم نے سوچتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔

☆......☆

ایک دوپہر ناز اپنی سہلیوں کے ہمراہ عظمیٰ کے گھر پر موجود تھی۔آج بہت دن بعد وہ اپنی سہلیوں کے ساتھ گھل مل کر بیٹھی تھی۔جب سے فائزہ کی شادی ہوئی تھی تب سے ان تین سہلیوں کا گینگ رہ گیا تھا۔ناز اس لمحے بے انتہا خوش تھی اور تینوں مستی مذاق کیے جا رہی تھیں۔

”اچھا؟......تو تمھیں پیار ہو گیا ہے؟“ناز نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”ہاں یار، مجھے چھٹا پیار ہو گیا ہے اور اس بار بالکل صحیح والا ہوا ہے......“

تہمینہ سکتے کے عالم میں کہنے لگی۔

”یہ تو تم نے کوچنگ سینٹر میں بھی کہا تھا جب تم نے پہلی مرتبہ احمد کو دیکھا تھا۔“عظمیٰ نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”کیا کہا تھا؟“ تہمینہ نے الجھ کر پوچھا۔

”یہی کہ یہ تمھارا سچا پیار ہے۔ میرے خیال سے اُس چھٹے پیار کے بعد تمھیں ساتواں، آٹھواں اور نواں پیار بھی ہو چکا ہے۔“عظمیٰ نے منھ بنا کر کہا۔

”مگر میں حیران ہوں کہ یہ ڈاکٹر روحیل سے پیار کرنے لگی ہے۔“ ناز نے ہنس کر کہا۔

”ارے یار تم نہیں جانتیں مگر کہیں نہ کہیں اس دل میں کچھ ہے جو مچلتا رہتا ہے۔ یار وہ ڈاکٹر ہے بھئی...... تجھے پتا ہے ڈاکٹر کی ڈیمانڈ کیا ہے!۔“ تہمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

”ڈاکٹر ہیں تو کیا ہوا؟“ ناز نے مسکرا کر پوچھا۔

”ارے تم یہ دیکھو کل کو کلینک کھول لے گا، دن میں اگر دس بیس مریض بھی دیکھے گا تو ماہانہ اسّی ہزار کما لے گا۔“ تہمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

”چلو جی، انھوں نے تو پلاننگ بھی کرنا شروع کر دی۔“عظمیٰ نے منھ بنا کر کہا۔

”اور نہیں تو کیا، ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے، اور ماشاءاللہ سے خدا نے مجھے بہت عقل دی ہے۔“ تہمینہ نے اترا کر یہ جملے کہے۔

”وہ تو نظر آ رہا ہے۔“

ناز مسکرا کر کہنے لگی اور عظمیٰ نے ہنس کر اس کے ہاتھ پر تالی ماری۔

”تُو سب چھوڑ یار بس میرا چکّر چلا دے اُس سے۔“ تہمینہ نے مچل کر کہا۔

”میں پاگلوں والے کام نہیں کرتی، چکر چلانا ہے تو خود چلا لو۔“ ناز نے ہاتھ چلا کر کہا۔

”لیکن پلیز تم اُس کو یہاں تو بُلا سکتی ہو۔“ تہمینہ نے گزارش کی۔

”کیوں نا کسی کیفے چلا جائے؟ روحیل کو بھی بُلا لو؟ ویسے بھی موسم حسین ہو رہا ہے۔“ عظمیٰ نے خوش ہو کر تجویز پیش کی۔

”ارے ہاں یہ ٹھیک رہے گا، ویسے بھی کافی کا دل کر رہا ہے، سنسیٹ کیفے پر کافی بھی پی

لیں گے اور بل بھی وہی دے گا۔'' تہمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''چچ...... چچ...... چچ...... کتنی واہیات محبت ہے تمھاری......'' ناز نے منھ بنا کر تہمینہ کو دیکھا۔

''گندی ہو یا اچّھی، تم فون کر کے اُسے بُلا لو۔ ویسے بھی وہ تمھاری بات نہیں ٹالتا۔''

تہمینہ نے خوش ہو کر کہا اور ناز مسکرانے لگی۔

''ہاں اس بات کی تو میں بھی گواہ ہوں! ، مجال ہو جو ڈاکٹر روحیل، ناز کی کسی بات کو ٹال دیں۔ یہ ایک کال کرتی ہے اور وہ دوڑے چلے آتے ہیں۔'' عظمیٰ نے ناز کہنی مار کر کہا۔

''آوچ!...... لگ گئی پاگل۔'' ناز نے منھ بنا کر عظمیٰ کو گھورا۔

''تم فون کر رہی ہو یا نہیں؟'' عظمیٰ نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''اچھا بابا کرتی ہوں فون...... تم لوگ اتنے تیّار ہو......''

ناز نے ہنس کر کہا اور وہ دونوں خوش ہونے لگیں۔

ناز نے اپنا فون نکالا اور نمبر ملانے لگی۔

☆......☆

کچھ دن خاموشی کے ساتھ بیت چکے تھے۔اس دوران میرے اور ناز کے درمیان میں خاموشی رہی تھی۔ میں نے اُسے کال کی نہ ہی ناز نے مجھے میسج کیا۔شاید...... ناز بھی ان دنوں اپنے کام میں مصروف تھی۔مگر میرے ذہن میں اس وقت ابا سے کیا ہوا وعدہ چل رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ میں اسپتال کی زندگی معمول پر لانا چاہتا تھا۔دل لگا کر میں او پی ڈی میں کام کرنے لگا اور مریضوں کو دیکھتا رہا۔خدا نے میرے ہاتھ میں شفا عطا کی تھی جس وجہ سے ابا بھی جلد خوش ہوئے اور ساتھ ساتھ مریض بھی۔ میں اپنے کام کو بہت سنجیدگی سے لے رہا تھا اور کوشش یہی تھی کہ کوئی غلطی مجھ سے سرزد نہ ہو۔

ان تین دنوں میں اظہر شام میں اپنی او پی ڈی سے حسب عادت غائب ہوتا رہا مگر کسی نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ میں نے بھی کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔اپنا کام کرتا چلا گیا۔ڈاکٹر صفدر بھی اپنی ٹیم کے ساتھ اسپتال کا ایک چوتھائی حصہ Physiotherapy کے لیے بنوا رہے تھے اور بے حد خوش تھے۔ جب کبھی میری اُن سے ملاقات ہوتی تو ایک ہی سوال بڑے اشتیاق سے پوچھتے:

''انجینئر وسیم کہاں ہیں؟''

ان تین دنوں میں میری روٹین گھر سے اسپتال اور اسپتال سے گھر تھا۔دوپہر کو میں اپنے مریضوں کو بخوبی دیکھ رہا تھا، کچھ فائلز لے کر میں ابا کے دفتر کی طرف بڑھا۔

اُن کے دروازے پر پہنچ کر میں نے دستک دی۔

"Come In"

اندر سے ابا کی آواز آئی اور میں دروازہ کھول کر اندر گیا:

''السلام علیکم ابا، یہ وہ پُرانی ہرنیہ (Hernia) مریضوں کی فائلز ہیں جو ہمارے اسپتال میں سرجری کرا کر گئے تھے۔''

میں نے انھیں فائلز دیتے ہوئے یہ جملے کہے۔

''بہت بہت شکریہ یہ فائلز دینے کا،ان کا مطالعہ بہت ضروری تھا۔''

ابا نے فائلز دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور بھی کچھ چاہیے ہوتو آپ مجھے کہہ دیجیے گا،، میں ریکارڈ خود چیک کرلوں گا۔'' میں نے انھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ریکارڈ کیپر کہاں ہے؟'' ابا نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''ابا جب تک وہ فائل ڈھونڈتے تب تک میں ایسی دس فائلز آپ کو لا کر دے سکتا ہوں......'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں یہ تو ہے، ریکارڈ کیپر کافی بوڑھے ہوگئے ہیں اب۔اظہر کہاں ہے؟'' انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''پرائیوٹ وارڈ میں ہے۔'' میں نے بتایا۔

''اچھا ٹھیک ہے،شام کو تو وہ ہوگا نا یہاں پر؟''

ابا نے فائل دیکھتے ہوئے پوچھا اور میں خاموش ہوگیا۔میری طرف سے جواب نا پا کر ابا نے مجھے چونک کر دیکھا اور پھر مسکرا کر کہنے لگے:

''کہیں صاحبزادے پھر سے غائب تو نہیں ہو رہے اسنوکر کھیلنے کے لیے؟''

اُن کے اس طرح کہنے پر میں مسکرانے لگا۔

''پتا نہیں کیا ہوگا اس لڑکے کا، دنیا بس تم غریب کی ہی دشمن ہے۔'' ابا نے مسکرا کر کہا۔

’’دشمن ہونا بھی نعمت ہے۔‘‘

میں نے ہنس کر یہ جملے کہے اور ابا زور سے ہنسے۔

جلد ہی میں ان کے دفتر سے نکلا اور اپنی او پی ڈی کی طرف بڑھا۔ایک بار پھر سے مریضوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔میں ایک مریض کا بلڈ پریشر دیکھ رہا تھا کہ ایسے میں میرا موبائل فون بجا۔

میں نے فون دیکھا تو ناز کا نام لکھا ہوا نظر آیا۔میں نے فون اٹھایا:

’’ہیلو......؟‘‘

’’السلام علیکم۔‘‘ناز کی آواز آئی۔

’’وعلیکم السلام،کیسی ہیں آپ مس شاعرہ؟‘‘میں نے مسکرا کر پوچھا۔

’’شاعرہ؟...... یہ آپ نے مجھے شاعرہ کب سے کہنا شروع کر دیا؟‘‘

ناز نے ہنس کر پوچھا۔تہمینہ اور عظمیٰ بھی ہنسنے لگیں۔

’’جب سے شاعری میری اور آپ کی زندگی میں آگئی ہے، میں شاعر ہوگیا اور آپ شاعرہ۔‘‘میں نے مسکرا کر کہا۔

’’کیوں ڈاکٹری چھوڑ کر کہیں آپ دل لگی میں تو نہیں آرہے؟‘‘

ناز نے دھیرے سے پوچھا۔

’’دل لگی میں تو اُس وقت سے آگئے تھے جب ڈاکٹر بنے تھے، دل کو سمجھنے کا کام ڈاکٹر ہی بخوبی کرتے ہیں۔‘‘میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’لیکن دل کو اسپتال کے سرجری وارڈ میں نہیں سمجھا جاتا، اس کو سمجھنے کے لیے کسی کے دل تک آنا پڑتا ہے۔‘‘ناز نے بھی مسکرا کر کہا۔

’’اور وہ کیسے آئیں؟‘‘میں نے مسکرا کر پوچھا۔

’’ٹھیک ایک گھنٹے بعد۔کیفے سنسیٹ پر آجائیں، میں آپ کا انتظار کروں گی۔‘‘

ناز نے پیار سے کہا اور تہمینہ، عظمیٰ اُسے Thumbs Up کرنے لگیں مگر دوسری طرف میں دھک سے رہ گیا۔

’’آپ آرہے ہیں نا؟‘‘اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''اہم......ناز آئی ایم سوری...... پر میرا آنا بہت مشکل ہے اس بار......''
میں نے گھبرا کر کہا۔

''کیوں؟'' ناز نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ناز......دیکھیے یہ میرے او پی ڈی ٹائمنگ ہے اور میں قریب ساڑھے نو بجے واپس گھر جاؤں گا۔ جب کہ آج ڈاکٹر اظہر بھی نہیں ہیں تو ان کے پیشنٹ بھی مجھے دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ ان فیکٹ میں آج شاید مزید لیٹ ہو سکتا ہوں......'' میں نے الجھ کر اُسے اپنی روٹین بتائی۔

''ایک سیکنڈ......''

ناز نے یہ جملے کہے اور عظمیٰ کے بستر سے اُٹھ کر کمرے سے باہر چلی۔ تہمینہ اور عظمیٰ اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ ناز اس کے کمرے سے باہر نکلی اور خفا ہو کر کہنے لگی:

''روحیل......آپ نے آج ضرور آنا ہے، تہمینہ اور عظمیٰ بھی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''آئی ایم سوری، میں آج نہیں آ سکتا۔'' میں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

''آپ نے آنا ہوگا۔'' ناز نے خفا ہو کر کہا۔

''ناز سمجھنے کی کوشش کیجیے، میں ایک ڈاکٹر ہوں مجھے اپنے مریضوں کو دیکھنا ہے، یہ میرا فرض ہے......'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔

''اور میں آپ کی کون ہوں؟ کبھی یہ سوچا ہے آپ نے؟ کیا میں آپ کی کچھ نہیں لگتی؟''

ناز نے معصومیت میں ایک بہت ہی اہم سوال پوچھا اور میں سکتے میں آ گیا۔ وہ میری زندگی تھی اور میں اپنی زندگی سے الگ نہیں رہ سکتا تھا۔

''اگر آپ کے دل میں میرے لیے تھوڑی سی بھی جگہ ہے تو آج آپ ضرور آئیں گے۔ میں نے اپنی دوستوں سے وعدہ کیا ہے، انھوں نے مجھ پر یہ بھروسا ظاہر کیا ہے کہ میں جب آپ کو بلانا چاہوں بلا سکتی ہوں۔ اگر آپ انکار کریں گے تو میرے بھروسے کو ٹھیس پہنچے گی۔ پلیز بولیے روحیل آپ آئیں گے نا؟''

ناز نے حد سے زیادہ گزارش کی اور میں الجھن کا شکار ہو گیا۔ ابا کو میں اب ناراض نہیں کر سکتا تھا اور اگر میں چلا جاتا تو اسپتال کون دیکھتا؟

''کہیے آپ آ رہے ہیں نا؟''

ناز نے اک بار پھر سوال کیا اور میں نے سرد آہ لی۔ ہمّت کر کے صرف اتنا کہا:

''نہیں......''

میرا جواب سن کر ناز دھک سے رہ گئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی بڑی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئی ہیں، شاید اُسے میرے اس جواب کی اُمید نہیں تھی۔

''آئی ایم سو سوری ناز...... میں نہیں آ سکتا۔''

میں نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور ناز سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی۔

''ناز......ناز......'' میں اُسے پُکارنے لگا۔

''شکریہ......!'' ناز نے دھیرے سے کہا اور مجھ پر خوف طاری ہوا۔

''شکریہ میرے یقین کو ٹھیس پہنچانے کے لیے...... میرے بھروسے کو توڑنے کے لیے......میرا پیار بھرا دل توڑنے کے لیے......اور اگر اب ہم دونوں چلتے چلتے اس راہ پر آ ہی گئے ہیں......تو ٹھیک ہے......آپ کی راہ آج سے الگ ہے......میری الگ...... میں سمجھ لوں گی...... کہ میرا کوئی دوست تھا ہی نہیں......''

''ناز سُنیے......''

میں نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ بول اٹھی:

''بس روحیل!......اب اور کچھ مت کہیے گا......ورنہ......ورنہ میں رو پڑوں گی......''

ناز کی آواز بھرّا گئی تھی اور اُس نے فون بند کر دیا۔

میں سکتے کے عالم میں اپنے موبائل کو تکنے لگا۔ جس لڑکی سے میں نے بے انتہا محبت کی تھی آج میں نے اُسے بھی دکھ دے دیا تھا۔ میں پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ کیا کروں۔

''ڈاکٹر صاحب میرا بازُو پھٹ جائے گا۔''

بے چارہ مریض جو ابھی تک بلڈ پریشر کا کف پہنے ہوئے تھا پریشان ہو کر کہنے لگا۔

''اوہ سوری......''

میں نے جلدی سے کہا اور اس کے بازُو سے کف اُتارا۔

☆......☆

''کیا ہوا؟ تیرا منھ کیوں اُکھڑا ہوا ہے؟''

ناز واپس کمرے میں داخل ہوئی تو تہمینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ نہیں آ رہے۔'' ناز نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کر کے غصیلے لہجے میں بتایا۔

''صحیح بتاؤ!......اس نے اور تمھاری بات ٹال دی؟، یہ تو بڑی حیرت کی بات ہے۔''

عظمیٰ نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''کیوں میں کون لگتی ہوں اس کی جو وہ میری بات نہیں ٹال سکتا۔''

ناز نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

''جن سے پیار کیا جاتا ہے ان کی بات کو ٹالا نہیں جا سکتا۔'' عظمیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''کیا مطلب؟'' ناز نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''اب زیادہ بنو نہیں میرے سامنے......جیسے تمھیں کچھ پتا ہی نا ہو......''

عظمیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' ناز نے تنگ آ کر پوچھا۔

''یہی کہ ڈاکٹر روحیل تم سے محبت کرتے ہیں۔'' عظمیٰ نے ہنس کر کہا۔

''پیار؟......روحیل؟......وہ بھی مجھ سے؟'' ناز نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

''کمینی!! تُو میری سوتن نکلی!! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تُو میرے حق پر ڈاکا ڈالے گی!'' تہمینہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر ناز سے کہا۔

''بس بھی کرو تم دونوں، وہ مجھ سے پیار نہیں کرتے، دُنیا میں ہر رشتہ پیار اور محبت کی طرف نہیں جاتا، ایک دوستی بھی اس دور میں حیثیت رکھتی ہے۔'' ناز نے چڑ کر کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے یہ کھوسٹ کسی سے پیار نہیں کرتا۔'' تہمینہ نے جل کر پاؤں پٹخا......

''بے فکر رہو تہمینہ!، اگر کسی سے پیار کرتا بھی نہ ہوگا تب بھی تم سے تو پیار نہیں کرے گا۔ تم احمد کے ساتھ ہی ہنسی خوشی رہو۔''

عظمیٰ نے ہنس کر یہ جملے کہے اور تہمینہ نے ہنس کر اس کے ہاتھ پر تالی ماری، جب کہ ناز کا مُوڈ شدید خراب ہو چکا تھا۔ اس کا دل بجھ گیا تھا۔ اُسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُسے انکار سُننا پڑا۔

☆......☆

دل کو سخت کر کے میں واپس اپنے مریضوں کی طرف پلٹ چکا تھا، مگر میرا دیہان ناز کی طرف ہی تھا۔ میری نظر گھڑی پر جمی تھی، پانچ بجنے میں بس پندرہ منٹ رہ گئے تھے اور ناز نے مجھے ٹھیک پندرہ منٹ بعد بُلایا تھا۔ میرا دل چلّا چلّا کر کہنے لگا کہ میں کوئی بہانا بنا کر ناز کے پاس چلا جاتا ہوں، ابھی بھی وقت ہے، پندرہ منٹ میں میں کیفے پہنچ سکتا ہوں۔ مگر میں نے اپنے دل کو سمجھایا اور ابا سے کیا ہوا وعدہ یاد کرنے لگا۔ دل پر جبر کر کے اپنے مریضوں کو دیکھنے لگا۔ پانچ بج کر دس منٹ ہو گئے اور میرا دل تڑپنے لگا۔ اس لمحے میں نے مریضوں کو کچھ دیر کے لیے روکا اور سر پکڑ کر سوچنے لگا۔

دوسری طرف گل ناز اپنی دوستوں کو خدا حافظ کہہ کر واپس اپنے گھر آ چکی تھی۔ عظمیٰ کے گھر سے نکلتے ہوئے اس کی دونوں سہلیوں نے صاف محسوس کیا کہ ناز کا مُوڈ خراب ہو چکا ہے۔ یہ بات فاطمہ بیگم بھی نوٹس کر گئیں کہ ان کے جگر کے ٹکڑے کا مُوڈ کچھ ٹھیک نہیں۔

ناز اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھی بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ اُس نے پٹخ کر تکیہ رکھا اور آنکھوں میں آنسو لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ایک نظر موبائل فون پر ڈالی اور پھر باہر کا نظارہ کرنے لگی۔ غصے میں آ کر اُس نے اپنا موبائل سوئچ آف کر دیا۔

بالکل اُسی وقت ہی میں نے تنگ آ کر موبائل فون اٹھایا اور ناز کے نمبر ملائے مگر ناز کا فون بند پڑا تھا۔ شاید اُس نے خفا ہو کر فون بند کر دیا تھا۔ میں نے دوبارہ سے جیب میں موبائل فون رکھا اور مریضوں کا چیک اپ کرنے لگا۔

چھ بجے، سات بجے اور پھر آٹھ بج گئے۔

میں جنرل وارڈ میں مریضوں کو دیکھ رہا تھا اور بار بار نظر گھڑی کی طرف پڑتی۔ سوا آٹھ ہو چکے تھے، شاید مجھے اب ناز سے ملنے کے لیے چلے جانا چاہیے تھا، مگر وہ بے حد ناراض تھی اس لیے میرا جانا کچھ مناسب نہیں رہے گا۔ میں پریشانی کے عالم میں گردن جھٹک کر مریض کو انجکشن لگا دیا۔

''آہ!!...... ہاتھ کی جگہ انجکشن کمر میں لگا دیا ظالم!!......''

مریض تکلیف کے عالم میں چلّایا اور میں بوکھلا گیا۔

آخر کار گیارہ بج گئے اور میں تھک ہار کر واپس گھر کی طرف چلا، مگر اس لمحے مجھے اپنی تھکن

کی پروا نہیں تھی، پروا تھی تو بس ناز کی۔

گھر پہنچ کر حسب معمول کھانا مجھے فریج میں رکھا ہوا ملا۔ ساتھ ساتھ اظہر کا نوٹ لگا ملا جسے پڑھ کر میں مسکرا کر رہ جاتا۔

کھانا لے کر اپنے کمرے میں آیا اور مرے ہوئے دل سے نوالے توڑنے لگا۔ مجال ہو جو کوئی نوالہ میرے حلق سے نیچے اُترا ہو۔ پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ کروں تو کیا کروں، ناز مجھ سے ناراض ہے اور یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اُکتا کر لینڈ لائن فون اٹھایا اور ناز کے گھر کے نمبر ملائے۔

☆......☆

گل ناز، غلام صاحب کے ساتھ اور اپنی والدہ کے ہمراہ رات کا کھانا کھا رہی تھی۔ ایسے میں فون کی گھنٹی بجی۔

''فاطمہ ذرا دیکھو کون ہے۔'' غلام حسن صاحب نے کھانا کھاتے ہوئے اپنی زوجہ سے کہا۔

''جی اچھا۔'' فاطمہ بیگم نے اُٹھتے ہوئے کہا اور فون کی طرف گئیں۔ جلد ہی انھوں نے فون کا رسیور اٹھایا: ''ہیلو؟''

میں نے جلدی سے رسیور پر ہاتھ رکھ لیا، میں ان کی آواز پہچان گیا تھا۔

''ہیلو؟......ہیلو؟؟ ہیلو؟......ہیلو؟؟''

فاطمہ بیگم نے ہیلو کی گردان کرنا شروع کر دی اور میں دم سادھ کر ان کی آواز سُننے لگا۔

''کون ہے فاطمہ؟'' غلام حسن صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''پتا نہیں کوئی بول نہیں رہا۔'' فاطمہ بیگم نے الجھ کر کہا۔

''کوئی رانگ کال ہو گی امی آپ فون بند کر دیں۔'' ناز نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایک سیکنڈ رُکو......''

غلام حسن صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا اور فون کی طرف بڑھے:

''لاؤ رسیور مجھے دو۔''

یہ کہہ کر انھوں نے رسیور لیا:

''ہیلو؟......بھئ دیکھو اتنا تو ہمیں پتا چل گیا ہے کہ تم کوئی رانگ کالر ہو مگر ہو سکتا ہے کہ

تمھارے سینے میں بھی دل ہو......ہیں نا؟''

انھوں نے اپنائیت سے پوچھا اور میں حیران ہو کر سر ہاں میں ہلانے لگا۔

''تو بس اسی بات پر تم میری نئی غزل سُنو ......اہم اہم......آج پھر آ گئی تیری یاد......''

اُستاد صاحب کی غزل آدھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ میں نے فون کاٹ دیا۔

''ارے!! بڑا ہی بد ذوق ہے......''

غلام صاحب نے چونک کر رسیور کو دیکھا اور واپس پلٹے۔

''ڈیڈی......آپ رانگ کالر کو غزل سُنا رہے تھے؟'' ناز نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''بھئی رانگ کالز کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے، مجھے لگا کہ شاید اس کا دل خوش ہو جائے گا۔''

غلام صاحب نے واپس بیٹھتے ہوئے یہ جملے کہے اور دونوں ماں بیٹی ہنستے رہ گئے۔ایک بار پھر وہ کھانے میں مشغول ہوئے۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ پھر سے فون کی بیل بجی۔

''میں دیکھتی ہوں۔''

اس بار ناز نے اٹھتے ہوئے کہا اور فون کی طرف بڑھی۔

''ہاں ناز ذرا ٹھیک ٹھاک والی شاعری میں سُنا دینا اُسے۔''

غلام حسن صاحب نے کھانا کھاتے ہوئے کہا اور ناز ہنستی ہوئی فون کی طرف بڑھی۔اپنے نازک ہاتھوں سے اس نے رسیور اٹھایا: ''ہیلو......؟''

''ہیلو......ہیلو ناز؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''جی؟'' دوسری طرف سے ناز کی آواز آئی۔

''ناز میں......میں روحیل بات کر رہا ہوں۔''

میں نے الجھ کر کہا اور ناز دھک سے رہ گئی۔

''ناز ناز مجھے آپ سے بات کرنی ہے......دیکھیں پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں......آپ نہیں جانتیں مگر آج میں واقعی بہت بزی تھا......مریضوں کی لائن لگی ہوئی تھی اس وجہ سے میں نہیں آ سکا......''

’’میں کچھ نہیں جانتی۔‘‘ ناز نے سرگوشی میں کہا۔

’’ناز ناز ناز پلیز......دیکھیں میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں......میں کیوں نہیں آؤں گا، آپ سے ملنے کے لیے؟......آفکورس آؤں گا......مگر جب سر پر مریض بیٹھے ہوں تو میں کیا کر سکتا ہوں......ناز"Try to understand

’’رانگ نمبر۔‘‘ ناز نے خشک لہجے میں کہا اور فون بند کرنے لگی۔

’’ناز ناز میری بات سُنیں......ناز سُنیں تو!۔

میں نے مچل کر کہا مگر اس نے فون بند کر دیا۔

’’شٹ!‘‘

میرے منہ سے نکلا اور میں ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا کہ کروں تو کیا کروں۔ یہ درد میری برداشت سے باہر تھا۔

’’کون تھا فون پر؟‘‘ غلام حسن صاحب نے اپنی دختر کو دیکھ کر پوچھا۔

’’پتا نہیں ڈیڈی، ایسے ہی کوئی رانگ نمبر تھا۔‘‘

ناز نے پلٹ کر بتایا اور پھر فون کا رسیور اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اب وہ اپنی کُرسی کی طرف بڑھی مگر بھوک اس کی ختم ہو چکی تھی۔

☆......☆

’’یہ کیا ہے؟‘‘

وسیم نے حیران ہو کر میری ماں کی انگوٹھی دیکھی۔ اس وقت ہم دونوں سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اُسے اپنی ماں کی انگوٹھی دکھا رہا تھا۔ آج اتوار کا دن تھا اور میری او پی ڈی کی چھٹی تھی اس لیے میں وسیم کے ساتھ سمندر پر آ گیا تھا۔

’’یہ میری ماں کی انگوٹھی ہے، ہیرے کی ہے۔‘‘ میں نے اُسے بتایا۔

’’واؤ...... جولیانا آنٹی کی انگوٹھی اور وہ بھی تمھارے ہاتھوں میں...... میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے......جس ماں کو دیکھنے کے لیے تم دن رات تڑپتے ہو آج اُسی ماں کی انگوٹھی تمھارے ہاتھوں میں ہے۔‘‘ وسیم نے مسکرا کر کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔

’’اسے بہت سنبھال کر رکھو۔‘‘ وسیم نے مجھے انگوٹھی دیتے ہوئے کہا۔

’’آف کورس!......اسے میں ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گا......اور ہمیشہ سنبھالنے کے لیے سب سے اچھی جگہ......ناز کی انگلی ہی ہوسکتی ہے۔‘‘میں نے مسکرا کر کہا۔

’’ارے واہ!!......یعنی تم نے اُسے پرپوز کرنے کا فیصلہ کرلیا؟‘‘وسیم نے خوش ہوکر کہا۔

’’ہاں......‘‘میں نے ہنستے ہوئے کہا پھر کہنے لگا:

’’میں یہ انگوٹھی ناز کی انگلی میں پہناؤں گا اور اُسے شادی کے لیے راضی کروں گا۔مگر افسوس وہ مجھ سے شدید ناراض ہے۔‘‘

’’تم اُس سے فون پر بات کرو۔‘‘وسیم نے تجویز پیش کی۔

’’کیا بات کروں یار؟......وہ تو فون ہی نہیں اٹھا رہی۔‘‘میں نے منھ بنا کر کہا۔

’’کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔تم نے اُس کو ناراض جو کردیا ہے۔‘‘وسیم نے منھ بنا کر کہا۔

’’اور کرتا بھی کیا میں یار، اُس نے شرط ہی ایسی رکھ دی کہ میں پوری نہیں کرسکتا تھا۔ابا کا بھروسا بار بار توڑنا اچھا نہیں لگتا وسیم۔‘‘میں نے فکرمند ہوکر کہا۔

’’اور بار بار اپنا سر پھوڑنا کیسا لگتا ہے؟‘‘وسیم چڑ کر بولا۔

’’تُو کہنا کیا چاہ رہا ہے؟‘‘میں نے بھی چڑ کر پوچھا۔

’’ناز جیسی لڑکی نصیبوں والوں کو ملتی ہیں، ایسی لڑکیاں روز روز نہیں ملتیں۔تم اتنی آسانی سے ہار مان کر کس طرح بیٹھ سکتے ہو۔‘‘وسیم نے منھ بنا کر کہا۔

’’واٹس اپ پر میسج میں کرچُکا ہوں، ابھی تک سنگل ٹک آرہا ہے، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔موبائل وہ اٹھا نہیں رہی، گھر کے نمبر پر مستقل غلام حسن صاحب ہوتے ہیں جو اپنا نیا کلام سُنانے کے لیے بیتاب ہورہے ہیں۔حتیٰ کہ رانگ کال پر بھی غزل سُنا رہے ہیں۔اب بتاؤ میں کیا کروں؟‘‘

میں نے چڑ کر وسیم کو دیکھ کر پوچھا۔

’’تو جا کر نیا کلام سُن لو۔‘‘

وسیم نے سادگی سے مشورہ دیا اور میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

’’ہاں...... جاؤ جا کر کلام سُنو اور موقع دیکھ کر ناز سے معافی مانگو۔یہی سب سے بہترین طریقہ ہے۔‘‘وسیم نے مجھے دیکھ کر کہا اور میں سوچنے لگا۔

’’کیا سوچ رہا ہے بُدھو؟‘‘ وسیم نے چڑ کر پوچھا۔

’’بس یہی کہ اس طرح بن بتائے جانا اچھا نہیں لگے گا۔‘‘ میں بڑبڑایا۔

’’ارے تم جا کر بولو کہ تم اُستاد جی کی طبیعت پوچھنے کے لیے آئے ہو، بات ختم۔ کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ ویسے بھی اُستاد جی تمھیں بہت پسند کرتے ہیں۔ ایک دو کلام سُن لو گے تو داماد ایک ہی پل میں بنالیں گے۔ دیکھ روحیل محبت اور جنگ دونوں بہت مختلف چیزیں ہیں مگر کبھی کبھی جنگ بھی محبت سے جیتی جاتی ہے اور محبت میں جنگ کی جاتی ہے، اس لیے دونوں کا ایک دوسرے کا ساتھ ہے۔ تم نے محبت کا جواب محبت سے دیا، اب وقت آگیا ہے کہ تم جنگ کرو، سوال بس یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تم اس جنگ میں جیت سکتے ہو یا نہیں۔ ورنہ لیے بیٹھے رہو اپنی ماں کی انگوٹھی اپنے پاس ہمیشہ کے لیے...... لے کر میرے دوست!......‘‘

وسیم کی تقریر سے میری آنکھوں میں چمک دوڑ گئی۔ شاید وہ صحیح ہی کہہ رہا تھا۔ یہ سوچ کر میں اٹھا اور گاڑی کی طرف چلا۔

’’کہاں جا رہا ہے؟‘‘ وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’ناز کے گھر، آج میں اُسے منا کر رہوں گا۔‘‘ میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

’’ہاں مگر ایک پرابلم ہے......‘‘ وسیم نے سوچتے ہوئے کہا۔

’’وہ کیا؟‘‘ میں نے چونک کر پوچھا۔

’’وہ یہ کہ اگر تم مجھے ایسے چھوڑ کر چلے گئے تو میں کیا گدھے پر بیٹھ کر گھر جاؤں گا!......‘‘

وسیم نے چلّا کر کہا اور میں نے چونک کر اُسے دیکھا:

’’ارے تو وہاں بیٹھے بیٹھے کیا کر رہے ہو جلدی آؤ نا۔‘‘

میری یہ بات سن کر وہ ہنسنے لگا اور سر ہلاتا ہوا گاڑی کی طرف آیا۔ جلد ہی ہم دونوں گاڑی میں بیٹھے واپس شہر کی طرف چل دیے۔

☆......☆

’’ہمم......‘‘

غلام حسن صاحب نے ہارمونیم پر انگلیاں پھیریں ہوئی تھیں اور ان کی آنکھیں کسی گہرے خیال کو دیکھنے میں مصروف تھیں، اس لیے انھوں نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ بہت

ہی سُریلے انداز میں وہ Humming کررہے تھے۔طبلہ نواز بھی اس وقت ان کے سُروں سے لطف اندوز ہورہا تھا جب کہ ناز اپنے سینے پر ستار ٹکائے اپنے والد کا چہرہ تک رہی تھی۔فاطمہ بیگم کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھیں، جب کہ ان کا نوکر اس لمحے غلام حسن صاحب کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا۔

غلام حسن صاحب نے راگ گایا اور پھر غزل کی طرف بڑھے:

تم کو دیکھا......تو یہ خیال آیا تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا......

زندگی دھوپ تم گھنا سایا......تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا......

غلام حسن صاحب اب انترے کی طرف بڑھ رہے تھے، اس لمحے وہ کسی اور ہی دُنیا میں تھے جہاں صرف وہ اور ان کے خیالات راج کرتے۔یہی کیفیت ان کی بیٹی کی بھی تھی، جو اس وقت پیار اور محبت کے نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھیں بند کیے ستار کی تاروں پر اپنی نازک انگلیاں پھیر رہی تھی۔غلام حسن صاحب نے غزل کہی:

آج پھر دل نے ایک تمنّا کی......آج پھر دل نے ایک تمنّا کی

آج پھر دل کو ہم نے سمجھایا......آج پھر دل کو ہم نے سمجھایا......

زندگی دھوپ تم گھنا سایا......تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا......

سکیورٹی گارڈ نے دروازہ کھولا اور میں گھبرا کر غلام حسن صاحب کے گھر میں داخل ہوا۔اس لمحے میں نے سفید کُرتا اور سفید پجامہ پہنا ہوا تھا، یہ کُرتا اور پجامہ میں نے جان بوجھ کر پہنا۔دراصل غزل سے لگاؤ رکھنے والے لوگ اکثر اسی طرح کے حُلیے پسند کیا کرتے تھے، اس لیے میں نے سوچا کہ ثقافت کا یہ انداز ناز کو ضرور بھائے گا۔

میں جب صحن میں پہنچا تو مجھے ہارمونیم، طبلہ اور ستار کی خوبصورت آوازیں کانوں میں آتی ہوئی محسوس ہوئیں۔شاید غلام حسن صاحب غزل کہہ رہے تھے۔میں مسکرا کر ان کے گھر کے ہال کی طرف بڑھا تو ایک لمحے کے لیے دھک سے رہ گیا۔

چوڑی دار پجامہ، ریشمی کُرتا اور زلفیں کھلی ہوئیں...... یہ غضب تھا ناز کا۔اس وقت وہ اپنے آپ میں ہی کہیں کھوئی ہوئی تھی اور بہت خوبصورتی سے ستار بجارہی تھی۔اس کی آنکھیں بند تھیں اور موسیقی جیسے اس کے انگ انگ میں بس رہی تھی۔میں محو ہو کر ہال کی طرف بڑھا اور غلام

صاحب کے سامنے بچھے قالین پر بیٹھ گیا۔ان کے نوکر نے مجھے پلٹ کر دیکھا تو تعظیم میں کھڑا ہونے لگا، مگر میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے بیٹھے رہنے کے لیے کہا۔

ایسے میں ناز کے لب ہلے اور اس نے غزل کہی:

تم چلے جاؤ گے تو سوچیں گے......

میں پیار سے ناز کو دیکھنے لگا، اس قدر سُریلی آواز ہوگی اس کی میں نے سوچا نہیں تھا۔آج مجھ پر اس کی کلا کا جادُو چل رہا تھا، جس قدر بہترین وہ گا رہی تھی اُس قدر بہترین ستار بھی بجا رہی تھی۔

میں نے سُنا ناز کہہ رہی تھی:

تم چلے جاؤ گے تو سوچیں گے تم چلے جاؤ گے تو سوچیں گے

ہم نے کیا کھویا ہم نے کیا پایا......ہم نے کیا کھویا......ہم نے کیا پایا......

زندگی دھوپ تم گھنا سایا

ناز کے سُر اور اس کی آواز مجھے کسی اور ہی دُنیا میں لے گئی۔اس کی آواز میں اس قدر پاکیزگی تھی کہ من جیسے دھل سا گیا۔دوسری طرف اس کے والدِ محترم سُروں کے بادشاہ تھے۔واقعی آج مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اُستاد غلام حسن کو سُروں کا بادشاہ کیوں کہا جاتا ہے۔واقعی اُستاد غلام حسن صاحب ہماری قوم کے لیے کس قدر ضروری ہیں اس بات کا احساس مجھے بخوبی ہوا۔

ایسے میں میں نے اپنے پاس کسی کی موجودگی کو محسوس کیا۔پلٹ کر دیکھا تو فاطمہ بیگم مسکرا کر میرے پاس بیٹھتی ہوئی نظر آئیں۔میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انھیں آداب کیا۔انھوں نے مسکرا کر میرے آداب کا جواب دیا۔خوبصورت غزل کہنے کے بعد غلام صاحب اُسے اختتام پر لے گئے۔

میں نے مسکرا کر تالیاں بجا دیں۔میری تالی کی آواز سن کر دونوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔

’’ارے ڈاکٹر صاحب......‘‘

غلام حسن صاحب خوشی سے بولے جب کہ ناز کا منھ بن گیا۔وہ چہرہ کہیں اور کر گئی۔

’’جی غلام صاحب......اب تک اس بات کو سُنتا آیا تھا کہ آپ بہت بڑے فنکار ہیں آج خود اس بات کو جان لیا۔‘‘ میں نے مسکرا کر ان کی تعریف کی۔

''ارے یہ تو بس آپ کی محبت ہے۔'' غلام حسن صاحب مسکرا کر کہنے لگے۔

''دیہان رکھیے گا ڈیڈی، کچھ لوگ مکھن لگانا بھی خوب جانتے ہیں۔''

ناز نے مجھے دیکھ کر خشک لہجے میں یہ بات کہی اور میں عجیب سا ہو گیا۔

''ارے!! مکھن کیوں بھئی؟، ساری دنیا ہماری تعریف کرتی ہے تو کیا سب ہی مکھن لگا رہے ہیں؟'' غلام حسن صاحب نے بُرا مان کر کہا۔

''اور نہیں تو کیا، ویسے بھی ڈاکٹر صاحب نے آپ دونوں کی پوری غزل سُنی ہے۔''

فاطمہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''جی آنٹی یہ تو ہے، ویسے ماشاء اللہ ناز بھی بہت اچھا گاتی ہیں، "Without Buttering" میں نے سعادت مندی سے کہا۔

میری بات سن کر غلام صاحب ہنسنے لگے جب کہ ناز منہ بنانے لگیں۔

''بھئی آپ کی یہی کمال کی باتیں سن کر مجھے بہت اچھا لگتا ہے......'' غلام حسن صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ آپ کا ظرف ہے غلام حسن صاحب، ورنہ کچھ لوگ تو ہماری باتوں پر کان ہی نہیں دھرتے یا پھر مکھن سمجھ بیٹھتے ہیں۔'' میں نے ناز کو دیکھ کر کہا۔

''ارے تم ان بد ذوق لوگوں کی کیا پروا کر رہے ہو۔''

غلام حسن صاحب نے مسکرا کے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

''ڈیڈی!! کس قدر غلط بات کہی آپ نے ...... میں آپ کو بد ذوق لگتی ہوں؟''

ناز نے انھیں گھورا۔

''بھئی ذوق میں تو تم ہمیں شاعر ذوق لگتی ہو جن کے لیے مرزا غالب نے کیا خوب کہا تھا:

بنا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا، وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے۔''

غلام حسن صاحب نے مسکرا کر مرزا غالب کا شعر کہا اور ہم سب ہنس دیے۔

''ڈیڈی یہ آپ مجھے کہہ رہے ہیں۔'' ناز نے منہ بنا کر کہا۔

''ممم ...... مم میرا مطلب اپنے طبلے والے سے ہے بھئی۔''

غلام صاحب نے گھبرا کر طبلے والے کو دیکھا اور سب ہنسنے لگے۔ طبلے والا اس لمحے مسکرا نے

کے سوا کچھ نہیں کر رہا تھا۔
''ویسے روحیل بیٹے تم نے بہت اچھا کیا کہ آ گئے، بس چائے تیار ہی تھی......''
فاطمہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔
''ارے واہ چائے کے ساتھ تو اور بھی مزا آ جائے گا۔''
غلام حسن صاحب نے خوش ہو کر کہا۔
''جی ساتھ میں ڈبل روٹی اور......'' ایسے میں طبلچی جھینپ کر کچھ کہنے لگا۔
''ہاں ہاں ڈبل روٹی اور؟'' غلام حسن صاحب نے پوچھا اور اس نے جھینپ کر کہا:
''جی اہمم مکھن......''
اس کی بات سن کر سب ہنس پڑے۔
''میرے خیال سے غلام صاحب آپ مکھن پر بھی ایک غزل کہہ ہی دیں۔''
میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
''مکھن پر تو آج تک نہیں کہی، ہاں غزل کہہ کر جب کبھی ہم اسٹیج سے اٹھے ہیں تو کئی چہرے دیکھ کر ضرور پھسلے ہیں۔''
غلام صاحب نے اس میں بھی ایک شعر کہہ دیا اور ایک بار پھر سے سب ہنسنے لگے۔
''دیکھ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب؟ اب اندازہ ہوا کہ امریکا میں اتنے کانسرٹ کیوں ہوتے ہیں ان کے؟'' فاطمہ بیگم نے مجھے دیکھ کر کہا اور میں ہنس پڑا:
''جی جی بالکل اندازہ ہو رہا ہے۔''
''چلیں آپ لوگ بیٹھیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔''
ناز نے جلدی سے یہ جملے کہے اور کچن کی طرف چلی۔ میں اس لمحے سوچنے لگا کہ ناز سے کیسے اور کس طرح بات کروں۔
''تو روحیل میاں۔''
غلام صاحب نے ایک دم سے میرا نام لیا اور میں نے چونک کر انھیں دیکھا۔
''یہ بتاؤ آج ہمارا رستہ کیسے بھول پڑے۔'' انھوں نے پوچھا۔
''جی بس آپ کی طبیعت کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ اب کیسی طبیعت ہے آپ

کی؟''میں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔
''اگر یہ میٹھا اور غزل چھوڑ دیں تو انکی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔''
فاطمہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔
''اور تم جانتی ہو فاطمہ کہ ہم یہ دونوں چیزیں نہیں چھوڑ سکتے۔''غلام صاحب نے مسکرا کر کہا۔
''جی ہاں!...... جب ہی تو آپ کی غزل میں اس قدر مٹھاس ہے......''فاطمہ بیگم نے منھ بنا کر کہا اور میں ہنس پڑا۔
''ہممم...... دیکھ رہے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب آپ ہماری اور ہماری بیگم کی شاعرانہ گفتگو۔''
غلام صاحب نے میری طرف دیکھ کر کہا۔
''جی ہاں بالکل، دیکھ بھی رہا ہوں اور سُن بھی رہا ہوں۔ اچھا غلام صاحب ایک بات بتائیں تان سین نے تو اپنے سنگیت سے دیے جلا دیے، کبھی آپ کے ساتھ ایسا ہوا ہے کہ دیے جل اٹھے؟''میرے اس سوال کا مقصد ان کی تعریف تھی۔
''دو چار بار بارش تو کرا چکا ہوں۔''غلام صاحب نے لمبی چھوڑی۔
''جی!......''میں دھک سے رہ گیا۔
''ہاں ہاں...... ملتان میں دو بار بارش کرائی ہیں۔ لوگ تو بُلاتے ہی اس لیے تھے کہ میرے سُروں سے بارش ہو جائے۔''غلام صاحب نے بھرم دکھاتے ہوئے کہا۔
''پر غلام صاحب آپ کس مہینے میں ملتان جاتے تھے؟''میں نے حیران ہو کر پوچھا۔
''یہی اگست۔''انھوں نے سوچتے ہوئے کہا۔
''اگست میں تو ویسے بھی بارشیں ہو جاتی ہیں۔''میں نے اپنا خیال پیش کیا۔
''اماں جب میں کہہ رہا ہوں کہ میری غزل کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو تم یقین کیوں نہیں کر رہے ہو؟ کیا تم واقعی مکھن لگاتے ہو؟''غلام صاحب تنک کر بولے۔
''جج...... جی نہیں۔''میں گھبرا کر بولا۔
''تو بس میں کہہ رہا ہوں نا بارش ہوتی ہے تو ہوتی ہے۔''غلام صاحب جل کر کہا۔
''جج جی ہاں بالکل آپ کی غزل میں طاقت ہے اتنی۔''میں نے فوراً ہامی بھر کر کہا۔
''بس ان کے اسی رویّے کی وجہ سے آج تک ملتان والے واقعے کو کوئی چیلنج نہیں کر سکا۔''

فاطمہ بیگم نے بے زار ہو کر یہ جملے کہے اور میں زور سے ہنسا۔
''دیکھ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب؟'' غلام صاحب نے مجھے دیکھ کر کہا۔
''جی جی دیکھ بھی رہا ہوں اور سُن بھی رہا ہوں...... ویسے آنٹی جی بارش ہو یا نا ہو......لیکن غلام صاحب جیسا گلا کم از کم پاکستان میں تو موجود نہیں۔''
میں نے غلام صاحب کی تعریف میں یہ جملے کہے اور وہ مسکرانے لگے۔
''چلیں چائے آ گئی ہے چائے پی لیں۔''
ناز ہاتھوں میں ٹرے لے کر آئی اور قالین پر ٹرے رکھی۔
''بھئی چائے ہو جائے گی لیکن پہلے ایک غزل اور ہو جائے۔'' غلام صاحب نے ہارمونیم سنبھالتے ہوئے کہا۔
''ارے چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔'' فاطمہ بیگم نے چائے کی طرف اشارہ کیا۔
''اوہو کوئی بات نہیں چائے پھر سے گرم ہو جائے گی، ایک غزل نا ہو تب تک دل مچلتا رہے گا۔''
غلام حسن صاحب نے منھ پھیر کر کہا تو طبلے والا چائے کو لالچی نظروں سے دیکھتا ہوا نظر آیا۔
''تُو کیا دیکھ رہا ہے!'' وہ بھڑک کر بولے۔
''جی کچھ نہیں!...... کچھ نہیں!......''
وہ ایک دم سے ڈر کر بولا اور ہم سب ہنسنے لگے۔
''چلو بھئی ناز آ جاؤ زرا تخت پر۔'' غلام صاحب نے اپنی دختر کو بُلایا۔
''جو حکم ڈیڈی۔'' ناز خوشی خوشی تخت پر آ گئی۔
''اور تم بھی آ جاؤ روحیل میاں۔'' انھوں نے مجھے بھی بُلایا۔
''جی میں؟'' میں حیران ہو کر بولا۔
''ہاں ہاں تم، کیوں کہ اگلی غزل تم اور ناز ساتھ میں گاؤ گے۔'' انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا۔
''جی!'' ہم دونوں دھک سے رہ گئے۔
''ہاں بھئی میری آواز اب بوڑھی ہو گئی ہے تو کیا ہی بات ہو اگر ایک جوان Duet غزل ہو جائے تو۔ چلو آ جاؤ شاباش۔'' غلام صاحب نے مجھے بُلاتے ہوئے کہا۔

’’غلام صاحب پر...... پر...... میری آواز آپ کے سامنے کیسے نکلے گی بھلا۔‘‘ میں نے گھبرا کر کہا۔

’’شادی میں تو تم گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہے تھے اب کہتے ہو کہ آواز نہیں نکلے گی۔ یہ تو واقعی مکھن ہے......‘‘ غلام حسن صاحب نے منھ بنا کر کہا۔

’’اچھا آپ ناراض مت ہوں، میں آجاتا ہوں۔‘‘

میں نے اک دم سے کہا اور تخت پر چڑھ کر بیٹھا۔ اس لمحے فاطمہ بیگم ہنسنے لگیں، جب کہ ناز دوسری طرف چہرہ کر کے ہنس رہی تھی۔

میں تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا تو غلام صاحب کہنے لگے:

’’ہاں جی، اب بتاؤ کون سی غزل گاؤ گے؟‘‘

’’اہمم...... جو گل ناز کو پسند ہو۔‘‘ میں نے شرما کر کہا۔

’’کیوں بھئی ناز؟‘‘ غلام صاحب نے اپنی دختر کی طرف دیکھا۔

’’ڈیڈی ان سے کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اپنی پسند کی غزل کہی تو کہیں ان کے سُر اور تال الگ الگ نا ہو جائیں۔‘‘ ناز نے اترا کر کہا۔

’’آپ کوشش کر کے دیکھ لیں، جہاں تک مقابلہ ہو سکا دینے کے لیے تیار ہیں۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔

’’واہ یہ بات ہوئی نا، چلو ناز غزل کہو۔‘‘

غلام صاحب نے خوش ہو کر یہ جملے کہے اور ہارمونیم بجانے لگے۔ طبلہ بجنے میں بھی دیر نا لگی اور میں مسکرا کر ناز کو دیکھنے لگا۔

ناز نے مجھے ایک نظر دیکھا اور انتہائی اعتماد کے ساتھ گایا:

غم کا خزانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

ناز کی غزل سن کر غلام صاحب کے ہاتھ واہ میں اٹھ گئے۔

میں مسکرایا اور گایا:

غم کا خزانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

میں نے جب آواز ملائی تو ناز مسکرا اٹھی اور پھر میرے ساتھ گانے لگی:

یہ نذرانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......غم کا خزانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

فاطمہ بیگم مسکرا کر ہم دونوں کو دیکھ رہی تھیں جب کہ غلام صاحب سے زیادہ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ناز مسکرائی اور غزل کہنے لگی:

اپنے غم کو گیت بنا کر گا لینا اپنے غم کو گیت بنا کر گا لینا

راگ پُرانا تیرا بھی ہے میرا بھی...... یہ نذرانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

غم کا خزانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

غلام صاحب نے واہ میں ہاتھ بلند کیے اور ہارمونیم بجانے لگے۔اس لمحے میں بھی دو پل کے لیے دھک سے رہ گیا، کیوں کہ ناز نے غزل کے ساتھ حد سے زیادہ انصاف کر دیا تھا۔میں نے گھبرا کر گلا صاف کیا اور گایا:

تُو مجھ کو اور میں تجھ کو سمجھاؤں کیا......

''آہا! ایسے نہیں......''ناز نے نفی میں سر ہلایا۔

''اہم......پھر؟''میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''تال کی اس قدر پرواہ نہ کیجیے کہ شعر سے احساس ختم ہو جائے......اسے اس طرح کہیے۔''

یہ کہ کر ناز نے یہی شعر دوہرایا:

تُو مجھ کو اور میں تجھ کو سمجھاؤں کیا......

دل دیوانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......دل دیوانہ تیرا بھی ہے میرا بھی

غم کا خزانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

غلام صاحب نے واہ میں ہاتھ بلند کیے اور میں نے سر ہلا کر سمجھ لیا کہ کس طرح غزل ادا کرنی ہے۔واقعی ناز نے یہی شعر انتہائی مہارت سے کہا اور میں اُسے دیکھتا رہ گیا۔اب ناز مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ یہ بازی جیت گئی۔طبلے والے نے بھی لمبا رول دیا اور ایک بار پھر میں نے غزل کے شعر کہے:

مہ خانے کی بات نہ کر واعظ مجھ سے مہ خانے کی بات نہ کر واعظ مجھ سے

غلام حسن صاحب اور ناز مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔میں نے یہ شعر انتہائی سُر اور احساس کے ساتھ کہا تھا۔میں نے شعر مکمل کیا:

آنا جانا تیرا بھی ہے میرا بھی غم کا خزانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

یہ نذرانہ تیرا بھی ہے میرا بھی......

ناز اس لمحے حیران بھی تھی اور ایک پُراسرار مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی کھیل رہی تھی، شاید اُسے یقین نہیں تھا کہ میں اس کے سُروں کا ساتھ دے پاؤں گا، مگر میرے گلے سے اس وقت سُر نہیں بلکہ عشق بہہ رہا تھا اس لیے میں اس کے رستوں پر چلتا چلا گیا۔ فاطمہ بیگم اور غلام حسن صاحب بھی اس لمحے ہمارے سُروں پر فدا ہو رہے تھے، شاید محبت میں، ہماری آوازیں ہماری نہیں رہی تھیں...... محبت کی زباں بن گئی تھیں......اور یہ زباں میں بخوبی سمجھ رہا تھا...... یہ زباں ناز بخوبی سمجھ رہی تھی۔

ہم نے غزل کو اختتام پر پہنچایا تو غلام صاحب محو ہو کر کہنے لگے:

''واہ!!...... وا...... مزہ آ گیا!...... ڈاکٹر صاحب اگر ہر ہفتے آپ یہاں آئیں تو میں تین مہینے میں آپ کو نکھار دوں گا۔ پھر آپ میری جگہ لے سکتے ہیں۔''

''نوازش غلام صاحب...... پر سچ پوچھیے تو آپ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن چائے ضرور پی جا سکتی ہے۔''

فاطمہ بیگم نے منھ بنا کر کہا اور سب ہنس پڑے۔

☆......☆

چائے کی ضرورت سب سے زیادہ شاید طبلے والے کو تھی۔ وہ بچارہ چُسکیاں لے لے کر چائے پیتا رہا اور میں غلام حسن صاحب کے ساتھ باتوں میں مشغول رہا۔ جب چائے اپنے اختتام پر پہنچی تو فاطمہ بیگم ٹرے اُٹھانے لگیں۔

''لایئے آنٹی میں رکھ کر آتا ہوں......'' میں نے اُٹھ کر اُن سے ٹرے لی۔

''ارے بیٹا کیوں زحمت کرتے ہو۔'' فاطمہ بیگم نے مجھے روکا۔

''زحمت کیسی......کیا یہ میرا گھر نہیں؟''

میرے جملے سن کر فاطمہ بیگم مسکرا کر رہ گئیں اور میں ان کے ہاتھ سے ٹرے لے کر کچن کی طرف بڑھا۔ فاطمہ بیگم اس لمحے مسکرانے لگیں، پلٹ کر اپنے شوہر کو دیکھا تو وہ آنکھیں بند کیے

راگ لگا رہے تھے۔

دوسری طرف چائے کی ٹرے لے کر میں کچن میں آیا۔ کچن کے سلیب پر برتن رکھ ہی رہا تھا کہ میرے پیچھے ناز کچن میں داخل ہوئی اور برتن رکھ کر واپس لوٹنے لگی۔

''ناز میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

میں نے اُسے آواز دی اور ناز ایک جھٹکے سے رُکی۔

''کیا مجھے اپنی بات کہنے کی اجازت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی بھی کچھ کہنا باقی رہ گیا ہے روحیل صاحب؟'' ناز نے بنا پلٹے مجھ سے کہا۔

''شاید......شاید کچھ باقی رہ گیا ہے......'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''کہیے، ہمہ تن گوش ہیں۔''

ناز نے پلٹ کر کہا اور ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی سلیس اُردو سن کر میں دو پل کے لیے ٹھہر سا گیا اور گہرا سانس لے کر کہنے لگا:

''ناز...... میں جانتا ہوں کہ میں نے آپ کو دکھ پہنچایا ہے......مگر صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں...... کہ دکھ اپنوں سے ہی پہنچتا ہے......غیروں سے نہیں......میں نہیں جانتا کہ اس ایک ڈیڑھ مہینے میں......ہم دونوں ایک دوسرے کے اپنے ہو سکے یا نہیں......میں یہ بھی نہیں جانتا......کہ ان کچھ دنوں میں...... میں آپ کا اپنا ہو سکا...... یا نہیں......مگر اتنا ضرور جانتا ہوں......کہ ان کچھ دنوں میں..........آپ میرے لیے بہت کچھ ہو چکی ہیں......ناز......میرا کوئی اپنا نہیں......آپ کے علاوہ کوئی نہیں......''

میرے الفاظ شاید ناز کے دل پر اثر کر گئے۔ وہ خاموشی سے کھڑی مجھے سُنتی رہی۔

''خدا نے مجھے تائی دی......مگر کبھی پیار نہ ملا...... ماں تو دُور کی بات ہے انھوں نے میری تائی بننا بھی گوارہ نہیں کیا...... مجھے بہن ضرور ملی......مگر کبھی بہن کا پیار نہیں ملا......میری زندگی میں آج تک کسی عورت نے اس طرح قدم نہیں رکھا......جس طرح آپ نے رکھا ہے......ناز میں بیان نہیں کر سکتا...... کہ آپ کی دوستی مجھے کس قدر عزیز ہے......اگر آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ گئی......تو کس سے میں اپنا دکھ کہوں گا......کس سے اپنی خوشی کہوں گا......کس سے احمد فراز کے شعر کہوں گا......''

میں نے اُداس مسکراہٹ لبوں پر لا کر یہ جملے کہے۔

ناز سکتے کے عالم میں سُنتی رہی۔

میں نے سرد آہ لی:

''میں سُن کے آپ کی سب باتیں فقط اتنا ہی کہہ سکتا ہوں ......خفا ہونا...... اور پھر منا لینا...... یہ صدیوں سے رشتوں کی روایت ہے...... محبت کی علامت ہے...... گلے شکوے...... معافی تلافی ...... نجانے اپنوں کے بیچ یہ رسم کب سے چلی آ رہی ہے......خفا ہونا بھی ممکن ہے...... خطا ہونا بھی عین ممکن ہے...... مگر تعلق ختم ہونا...... یہ ممکن نہیں...... تعلق روٹھتے ضرور ہیں......ٹوٹتے کبھی نہیں......''

میری یہ بات سن کر ناز کی آنکھیں بھیگ گئیں اور وہ بُت بنی کھڑی رہی۔

میں چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کی حسین زلفوں کو دیکھ کر کہا:

''میرے پاس کہنے کے لیے اب کچھ نہیں......سوائے اس کے...... کہ میں آج رات آپ کے فون کا انتظار کروں گا، آج رات ٹھیک گیارہ بجے اگر آپ نے مجھے فون کر لیا...... میں سمجھ جاؤں گا کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا...... نہیں تو کچھ نہیں...... ویسے بھی ایک اور تعلق روٹھ جائے......تو کیا فرق پڑتا ہے...... اندھیروں میں جی رہا ہوں...... اندھیروں میں جی لوں گا......''

میرا دل بھرّ اُٹھا اور آنسو میری آنکھوں میں بھی آ گئے۔

ناز کا دل بھی اس لمحے تڑپ گیا تھا۔

''ایک بار پھر......آئی ایم سوری......''

یہ کہہ کر میں کچن سے چلتا چلا گیا۔ ناز مجھے کئی منٹ تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی، اس کی بھیگی آنکھیں مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں...... مگر شاید ہم دونوں ہی اس زباں کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

میں چلتا ہوا ہال میں آیا تو غلام حسن صاحب جوشیلی آواز میں کہنے لگے:

''اماں کہاں چل دیے آپ؟ ......ذرا بیٹھیے تو سہی۔''

''نہیں اُستاد صاحب، بس اب چلوں گا۔'' میں نے اجازت طلب کی۔

''یار یہ تم پھر سے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے ہو۔'' انھوں نے چڑ کر کہا۔

''ڈاکٹر ہوں، اس لیے ہوا کے گھوڑے پر رہنا میرا کام ہے اُستاد صاحب۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔

''کسی رات کھانے پر آ جاؤ، ہماری ناز بریانی بہت اچھی بناتی ہے۔''

فاطمہ بیگم نے پیار سے کہا اور میں نے پلٹ کر ناز کو دیکھا جو کچن کی چوکھٹ سے کندھا لگائے اور نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

''ان شاء اللہ جلد آؤں گا۔ اچھا میں چلتا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''خدا حافظ!''

دونوں نے پیار سے مجھے الوداع کیا اور میں باہر چلتا چلا گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ناز مجھے دروازے تک چھوڑنے آ رہی ہے یا نہیں۔ شاید وہ مجھے دیکھ بھی نہیں رہی تھی اور میں نے بھی پلٹ کر دیکھنے کی کوشش تک کی۔ میں سیدھا اپنی گاڑی کی طرف چلا اور دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ایک ہی سیکنڈ میں گاڑی چل پڑی اور میں اس کے گھر سے دُور ہوتا چلا گیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ناز نے مجھے جاتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر وہ بدستور اپنے کمرے کی کھڑکی سے مجھے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ناز مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔

☆......☆

ناز کا مجھ سے روٹھ جانا میرے لیے قیامت سے کم نہیں تھا۔جس لڑکی کو میں نے اپنی زندگی تصور کرلیا تھا آج وہ مجھ سے بات ہی کرنا گوارہ نہیں سمجھ رہی تھی۔ میرا تن اور من اس وقت میرے قبضے میں نہیں تھا۔میں بے حد پریشان تھا۔اتنے غم وصبر کے بعد خدا نے مجھے زندگی کا مقصد دیا اور میری چھوٹی سی غلطی سے آج میں اپنا مقصد کھو بیٹھا تھا۔اگر آج رات ناز نے گیارہ بجے کے قریب مجھے فون نہیں کیا تو میں جیتے جی مرجاؤں گا۔اس لمحے مجھے ہر منٹ اور ہر گھنٹا کسی صدی سے کم نہیں لگ رہا تھا اور میری نظر مستقل گھڑی پر جمی تھی۔گیارہ بجنے میں پانچ منٹ کا وقفہ بھی نہیں رہ گیا تھا۔گھڑی کو بغور دیکھتے ہوئے میں نے اپنا موبائل فون ہاتھ میں لے لیا۔اس وقت میں اپنے کمرے کے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔کمرے میں اندھیرا تھا اور صرف ناز کا احساس۔میں نہیں جانتا تھا کہ ناز مجھے فون کرے گی یا نہیں،اپنی محبت پر مجھے زرا سا بھی اعتماد نہیں تھا۔وجہ میری قسمت تھی جس نے میرا کبھی ساتھ نہیں دیا۔جیسے جیسے سیکنڈ کی سوئی آگے دوڑ رہی تھی ویسے ہی میرا دل بھی دھڑکنے لگا۔آخر کار گیارہ بجنے میں صرف دس سیکنڈ رہ گئے،اور ہر سیکنڈ کے ساتھ ساتھ میرا دل بُری طرح دھڑکتا رہا۔ پانچ...... چار...... تین...... دو...... ایک......

ٹھیک گیارہ بجے اور میرا موبائل فون بجا!۔

میں اُچھل پڑا!! بالکل صحیح وقت پر فون آئے گا اس کی مجھے بھی توقع نہیں تھی۔ میں نے جلدی

سے اپنا موبائل اُٹھایا:

''ہیلو!......ہیلو ناز؟''

''جی میں ناز بات کر رہی ہوں......آپ کی زندگی......آپ کی سپنوں کی رانی......آجا میری جانی......کرلیں پُوری ہم اپنی کہانی......''

دوسری طرف سے وسیم ناز کی آواز بنا کر بول رہا تھا۔

''تُو!؟''میں حیران ہو کر بولا۔

''ہاں میں! میں نے سوچا کہ گیارہ بجے اس کا تو فون آئے گا نہیں تو کیوں نا میں ہی فون کرلوں۔''وسیم نے مستی میں کہا۔

'' بکواس بند کر یار اور فون رکھ۔اس کا فون آنے والا ہوگا۔''میں نے چڑ کر کہا۔

''کوئی گل نہیں پیرڑ و،فون آئے گا بھی تو کال ویٹنگ پر آئے گا۔تُو میری کال سوئچ کر کے اُس سے بات کر لینا،ہم کون سا کباب میں ہڈی بنیں گے۔''وسیم نے مستی میں کہا۔

''گویا تم چپکنا بند نہیں کرو گے۔''میں نے منھ بنا کر کہا۔

''بالکل بھی نہیں، اس وقت میں پُرانے دور کی دائیوں والا کام کر رہا ہوں۔دوسروں کی خبروں میں اس قدر مزہ آرہا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ویسے بھی میں دائی تو ہو چکا ہوں،آخر کو تمھاری ہی او پی ڈی میں اُس شائستہ کا درد ٹھیک کر دیا تھا میں نے۔''

وسیم مستی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

''بہت بہت شکریہ آپ کا۔''میں نے چڑ کر کہا۔

''یار ایک بار پھر سے اپنی او پی ڈی دینا۔''وسیم نے گزارش کی۔

''میرا دماغ خراب نہیں جو اپنے باپ کے اسپتال کو تمھارے ہاتھوں دان کر دوں۔اگر تمھیں اتنا ہی شوق ہے کلینک کا تو کسی ڈاکٹر کی بیٹی سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟''

میں نے منھ بنا کر پوچھا۔

''ڈاکٹر کی بیٹی سے نہیں ڈاکٹر سے ہی کروں گا۔''وسیم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ہاں ہاں تو کرلو نا شادی کس نے منع کیا ہے؟''میں نے چڑ کر کہا۔

''یار تُو تو جانتا ہے کہ میں ایسے ہی راہ چلتی ڈاکٹر سے شادی نہیں کر سکتا۔پیار اور محبت بھی کوئی

چیز ہوتی ہے پیارے۔ میری پسند کی ڈاکٹر آ تو جائے۔'' وسیم نے مجھے سمجھایا۔

جو کہ شاید پاکستان میں تو ہے نہیں۔'' میں نے منھ بنا کر کہا۔

'' ارے وہ سات سمندر پار بھی ہوگی تو ہو جائیگی میری اُس سے شادی۔ تم فکر مت کرو یہ بتاؤ ناز کا فون ابھی تک نہیں آیا؟'' وسیم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، سوا گیارہ ہو گئے۔'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔

'' ویسے مجھے لگ رہا ہے کہ آج کی تاریخ میں تمھارے پاس فون نہیں آنے والا۔ اگر فون نا آئے تو تم آرام سے اپنی او پی ڈی چلانا اور کسی بیمار لڑکی سے شادی کر لینا لیکن لیکن لیکن......اگر فون آجائے تو آپ جلد از جلد اُس سے ملاقات رکھینگے اور اس بار آپ اُسے لال رنگ پہننے کے لیے کہیں گے، او کے۔'' وسیم نے ایک بار پھر مجھے سمجھایا۔

''لال رنگ؟ وہ کیوں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں لال رنگ۔ جب تم اُس سے کہو گے کہ وہ لال رنگ پہنے تو وہ سمجھ جائے گی کہ تمھارے دل میں اس کے لیے کچھ ہے، اگر وہ لال پہننے پر راضی ہوگئ تو سمجھ جاؤ کے تم اُسے آئی لو یو بول سکتے ہو اور اگر وہ منع کر دے تو......''

''تو؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔

''تو تم کہنا کہ میں تمھیں لال رنگ کا جوڑا گفٹ کرنا چاہتا ہوں۔'' وسیم نے ایک دم سے کہا۔

''واہ!!......تم تو زبردست عشق کوچ ہو!'' میں نے خوش ہو کر تعریف کی۔

''ہاں نا......"Game never ends until it really ends"۔

وسیم نے اترا کر کہا۔

''سمجھ گیا، اور کوئی مشورہ؟'' میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

''اس ملاقات کو تم اس کی انگلی میں اپنی ماں کی انگوٹھی بھی ڈال دینا۔ سمجھے؟'' وسیم نے ایک اور تجویز پیش کی۔

''انگلی میں انگوٹھی؟'' میرے منھ سے نکلا۔

''انگوٹھی میں نگینہ......تیرے بن......ہووووو!!......''

وسیم نے گانا گانا شروع کر دیا۔

"Shut up! Waseem" میں چڑ کر بولا۔

''او کے۔'' وسیم نے اک دم سے چُپ ہو کر سعادت مندی سے کہا۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ انگوٹھی والی کیا بات کی؟ میں اُسے انگوٹھی پہنا دوں؟''

میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں بالکل، زرا بھی دیر مت کرنا۔ دیکھو جھگڑے کے بعد دوستی کر کے لڑکیاں جذباتی ہو جاتی ہیں اور پھر رشتے بنانے میں دیر نہیں لگاتیں۔ اس لیے تم جھٹ سے اس کی انگلی میں انگوٹھی ڈالدو "and simply, Pop the question" وسیم نے مستی میں کہا۔

''یار ایسے کیسے انگوٹھی پہنا دوں؟'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' وسیم نے کہا اور پھر کہنے لگا:

''جنگل میں جاؤ...... وہاں گھوڑے پر بیٹھو!...... ناز بے یار و مددگار کھڑی تمھاری طرف دیکھ رہی ہوگی...... تم کاؤبوائے ہیٹ پہنے ہوئے اپنی پستول ناز کو دکھا رہے ہو...... ناز تمھیں دیکھ کر تم پر فدا ہو رہی ہے...... یہی وہ موقع ہے...... تم اپنا پستول آسماں کی طرف کر کے گولی چلاؤ گے!...... ناز آسماں کی طرف دیکھے گی...... لیکن پستول سے گولی نہیں...... انگوٹھی نکلے گی!...... اور سیدھی ناز کی اُنگلی میں جا کر ٹک جائے گی!...... بس!! ہو گئی منگنی!...... اگلی قسط میں بچّہ کیسے پیدا کرنا ہے یہ بتاؤں گا۔''

وسیم کہتا جا رہا تھا اور میں اپنا سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا:

''وسیم تُو کتنا پکاتا ہے!''

''یہ میری بچپن کی عادت ہے، ویسے تمھیں مبارک ہو۔'' وسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کس بات کی؟'' میں نے چڑ کر پوچھا۔

''ناز سے دوستی ختم ہونے کی۔ دس منٹ گزر گئے ہیں مجھے بکواس کرتے ہوئے۔ آپس کی بات ہے ابھی تک تو کال آئی نہیں اس کا مطلب ہے پیارے کہ اُس نے بہانہ تلاش کر کے تم سے دوستی ختم کر دی!۔'' وسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تُو کتنا کمینہ ہے نا؟'' میں نے جل کر کہا۔

''سچ میں تمھاری اس طرح دوستی ختم ہو گی میں نے سوچا بھی نہ تھا۔'' وسیم نے خوش ہو کر کہا۔

”تیری تو ح وسیم !!......“ مجھے غصہ آ گیا۔

”اچھا بھائی سوری سوری ......چلو میں فون بند کرتا ہوں۔“

وسیم نے ہنستے ہوئے یہ جملے کہے اور میں نے بھی ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔اب میں نے موبائل کو ایک نظر دیکھا مگر ناز کی کوئی مس کال تک نہیں آ ئی ۔میرے چہرے پر الجھنوں کے بادل چھا گئے ۔اب تو مجھے بھی وسیم کی بات صحیح لگنے لگی ،شاید ناز مجھے پلٹ کر فون نہیں کرنے والی تھی۔ یہ سوچ کر میرا دل جیسے بند ہونے لگا۔ میں کمرے کا فرش تکتا رہا۔ بارہ بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ ناز کا فون آنا ہوتا تو پچپن منٹ پہلے ہی آ چکا ہوتا۔

سرد آہ لے کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کی کھڑکی کی طرف چلا۔شاید......شاید......میں نے اُسے کھو دیا تھا۔

اچانک میرے فون کی گھنٹی بجی !!۔

میں نے چونک کے پلٹ کر اپنا موبائل دیکھا۔ٹیبل پر رکھا ہوا میرا موبائل بج رہا تھا۔قریب قریب دوڑ کر موبائل اٹھایا تو یہ دیکھ کر اُچھل پڑا کہ اُس پر ناز کا نام لکھا آ رہا تھا۔میں نے جلدی سے فون اٹھایا:

”ہیلو!......ناز؟“

”السلام علیکم......“

ناز کی آواز میرے کانوں میں پڑی اور میرے چہرے پر رنگ واپس لوٹنے لگے۔

”ناز......ناز۔“ میرے منہ سے اس کا نام نکلا۔

”جی......مجھے......مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا......“ ناز نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”کہیے...... ہمہ تن گوش ہیں......“ میں نے مسکرا کر کہا اور ناز ہنس پڑی:

”آپ میری اُردو کا مذاق اُڑا رہے ہیں؟“

”نہیں نہیں...... دراصل اتنی ثقیل اُردو کبھی کسی کے منہ سے سُنی نہیں تو عادت بھی نہیں ہے......بس اتنی سی بات ہے......آپ کہیں......میں سُن رہا ہوں۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”آئی ایم سوری......“

ناز کے یہ الفاظ سن کر میں سکتے میں آ گیا۔

''میرا ردِعمل ٹھیک نہیں تھا...... مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا......رشتوں کی قدر کچھ پلوں کے لیے میں بھول گئی تھی......نہیں جانتی تھی کہ میں کیا کر رہی تھی...... میں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا......اور غصے کو ساتھی بنالیا......مگر میں یہ بھول گئی کہ غصہ آج تک کسی کا جیون بھر کا ساتھی نہیں بنا......میرا غصہ ختم ہوا......اور جب ختم ہوا......تب مجھے اس خیال نے شدّت سے ستایا......کہ میں نے آپ سے بدتہذیبی کی ہے......''

ناز کے الفاظ سن کر میں دنگ رہ گیا تھا، مجھے میرے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''ہو سکے......تو مجھے معاف کر دیجیے گا......''

یہ کہہ کر ناز رو پڑی۔

''ناز پلیز......آپ رویے مت......''

میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے پر ناز سسکیاں لینے لگی۔

''ناز......اچھا......میرا ایک کہنا مانینگی؟'' میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے پوچھا۔

''جی؟'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں......''

میں نے جذباتی ہو کر کہا اور ناز میرے جملے سُنتی رہی۔

''میں نے آپ کا دل دکھایا ہے......یقین جانیے......آپ کو انکار کرنا...... مجھے بھی پسند نہیں......مگر کیا کروں......کچھ زمہ داریاں ایسی تھیں......جنھیں پُورا کرنا بے حد ضروری تھا...... لیکن اپنی زمہ داری پُوری کرتے ہوئے...... میں جانے انجانے میں آپ کا دل دکھا گیا...... میں......میں ملنا چاہتا ہوں آپ سے......کسی بھی صورت۔''

میں جذبات کے دریا میں بہتا گیا اور اپنے دل کی باتیں کہتا گیا۔ناز اس لمحے خاموش تھی۔وہ چُپ چاپ میری باتیں سُنتی رہی۔میں اب اس کے سوال کا انتظار کر رہا تھا۔

''کیا آپ......مجھ سے کل دوپہر......دو بجے مل سکتے ہیں؟''

ناز نے دھیرے سے گزارش کی اور خوشی سے میرے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ناز نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کر دی تھی۔میں مسکرایا اور کہا:

''ضرور......پر......ایک چھوٹی سی گزارش تھی......''

''کہیے؟'' ناز نے دھیرے سے پوچھا۔

''میری ایک دوست ہے...... میں نے اپنی اس دوست کو...... کئی رنگوں میں دیکھا ہے...... کئی رُوپ میں دیکھا ہے...... جب وہ پہلی بار اسپتال آئی تھی...... میں نے اُسے نیلے جوڑے میں دیکھا...... جب میں نے سدابہار لان میں شرکت کی...... میں نے اُسے شرارے میں دیکھا...... جب ستار پر میری دوست کی انگلیاں لہروں کی طرح بہ رہی تھیں...... میں نے اُسے سفید پہنے ہوئے دیکھا...... اب میں...... اپنی اس دوست کو...... لال رنگ میں دیکھنا چاہتا ہوں......''

میری بات سن کر ناز بالکل خاموش ہوگئی۔ اپنی خواہش کہتے ہی میرے دل سے ایک آہ نکلی اور دل چاہا کہ کاش میں یہ نہ کہتا۔ بات معافی سے نکل کر ملنے تک چلی گئی تھی مگر یہ لال رنگ کی شرط رکھ کر میں نے گفتگو کی شائستگی کو شاید ختم کر دیا۔ اس لمحے میں نے وسیم کو کوسا جس نے مجھے لال رنگ کا مشورہ دیا تھا۔ میں اس لمحے میں بُری طرح گھبرا گیا۔ یہ غلط ہو گیا تھا۔ میں نے ایک بہت بڑی بات کا تقازہ کر دیا تھا جو شاید ناز کو کافی ناگوار گزری ہو۔ میں نہیں جانتا تھا۔ اس لمحے میں اس کے الفاظوں کا انتظار کر رہا تھا...... خاموشی دونوں طرف چھا گئی تھی۔

''اہم ناز......؟ ...... ناز؟'' میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا مگر ناز خاموش رہی۔

''ناز اگر آپ کو بُرا لگا تو آیم......''

''میں پہنوں گی......''

ناز کا جواب سن کر میری دھڑکن جیسے تھم سی گئی، دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ میں سکتے کے عالم میں بیٹھا ہوا اس کا جواب سُن چُکا تھا۔

''آپ دو بجے آجایئے گا...... میں انتظار کروں گی۔ خدا حافظ۔''

یہ الفاظ کہ کر ناز نے موبائل رکھ دیا، اور میں ابھی بھی موبائل اپنے کان سے لگائے ہوئے تھا۔ میں ناز کی آواز میں کپکپاہٹ صاف محسوس کر سکتا تھا۔ میرا دل کھل اُٹھا!...... میرے ہاتھ سے موبائل فون چھوٹ گیا اور میں حیرت سے اپنے کمرے کو تکنے لگا۔ رُکی رُکی سی مسکراہٹ میرے لبوں پر چسپاں تھی۔

میں نے خوشی کے عالم میں اپنی آنکھیں بھینچ لیں!، دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے۔ اس قدر خوش میں اپنی زندگی میں کبھی نہ ہوا تھا...... کبھی نہیں...... میں ناز کو حاصل کرنے کے

بہت قریب تھا......اب اُسے مجھ سے کوئی نہیں جُدا کر سکتا تھا......کوئی نہیں۔

☆......☆

اگلے دن دوپہر کے وقت آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ موسم عاشقانہ تھا اور میں ناز کے اسکول کے سامنے اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے اپنی جان......اپنی زندگی کا انتظار کر رہا تھا۔ میری ماں کی انگوٹھی اس وقت میری جیب میں موجود تھی اور میں مستقل سوچ رہا تھا کہ کب اور کیسے ناز کی انگلی میں یہ انگوٹھی پہنا دوں۔ وقت اب گزر نہیں رہا تھا، اس کے بغیر اب مجھے کچھ اچھا بھی نہیں لگتا تھا، کراچی کا یہ حسین موسم اس کے بغیر بے معنی لگ رہا تھا۔ دو بجکر دس منٹ ہو چکے تھے لیکن ناز ابھی تک باہر نہیں آئی تھی مگر وہ آئی...... وہ ضرور آئی......اور اس کے بدن پر لال رنگ کا جوڑا دیکھ کر میں سکتے میں آ گیا۔

ناز ہمیشہ کی طرح حسین پری لگ رہی تھی اور اس کے بدن پر لال رنگ اس قدر خوبصورت لگ رہا تھا کہ میں بیاں نہیں کر سکتا۔ مسکرا کر وہ مجھے دیکھنے لگی اور میری طرف بڑھی۔ میں بھی مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ چلتی ہوئی میرے پاس آئی۔

”السلام علیکم۔“ ناز نے دھیرے سے کہا۔

”وعلیکم السلام۔“ میں نے اسے جی بھر کر دیکھا اور کہا:

”بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ۔“

ناز مسکرائی: ”چلیں؟“

میں نے مسکرا کر ہاں میں سر ہلایا اور جلدی سے ناز کے لیے گاڑی کا دروزازہ کھولا۔ ناز مسکراتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی کا دروازہ بند کر کے میں مسکراتا ہوا اپنی سیٹ کی طرف پلٹا اور دروازہ کھول کر ڈراوینگ سیٹ پر بیٹھا۔ جلد ہی ہماری گاڑی چل پڑی۔

”شکریہ......“ میرے منہ سے نکلا۔

”کس بات کا؟“ ناز نے مسکرا کر جو پوچھا تو اس کی زلفیں بھی لہرا گئیں۔

”آپ کے آنے کا شکریہ، آپ کے معاف کر دینے کا شکریہ اور......آپ کے لال رنگ کے جوڑے کا شکریہ۔“ میں نے مسکرا کر کہا تو وہ ہنسنے لگی:

”دوست وہ ہوتے ہیں جو دوسرے دوست کی پسند کا خیال رکھتے ہیں۔“

’’مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے۔‘‘ میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

’’اس لیے......کیا آج آپ میرا کہنا مان سکتے ہیں؟‘‘

ناز نے دھیرے سے پوچھا اور میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

’’کہیے؟......کہنا مانیں گے؟‘‘ اس نے دھیرے سے پوچھا۔

’’آپ کہ کر دیکھیں......اس بار نا مانا تو جو چاہے سزا دیجیے گا......موت بھی قبول ہو گی۔‘‘

میں پیار میں دیوانہ ہو کر کہ گیا۔

’’نہیں، میری خواہش اتنی مشکل نہیں......کہ آپ پُورا نا کر سکیں......‘‘ ناز نے ہنس کر کہا۔

’’اب کہ بھی دیجیے۔‘‘

میں نے مچل کر پوچھا اور وہ میرا چہرہ دیکھ کر کہنے لگی:

’’آج میں دنیا کی رسموں سے آزاد ہونا چاہتی ہوں...... میں اپنی زندگی سے کچھ جُدا ہونا چاہتی ہوں...... یہ سڑکیں...... یہ لوگ...... یہ گلیاں...... یہ رش...... میرا اسکول...... میرا اپنا آپ......میں ہر چیز سے جُدا ہونا چاہتی ہوں......‘‘

ناز جیسے خوابوں میں کہنے لگی اور میں پلٹ کر اس کا چہرہ تکنے لگا۔

’’لے چلیں مجھے روحیل......کہیں ایسی جگہ لے چلیں...... جہاں میں صرف خدا کی خدائی کو محسوس کر سکوں...... جہاں کوئی اور نا ہو......بس اک میں ہوں......‘‘

ناز نجانے کیا کہ گئی کہ میں اس کا چہرہ تکتا رہ گیا......مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا:

’’چلیں ناز......آج آپ کی یہ بات بھی پوری کیے دیتا ہوں......‘‘

’’کہاں چلینگے ہم؟‘‘ ناز نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

’’نا پوچھو مجھ سے جو کہ نا سکیں ہم......نا کہو مجھ سے جو کہنا سکو تم...... یہ دوستی کی وہ منزلیں ہیں ......جنھیں نا تم جانوں نا ہم......آخر میں بس......جو چاہو تم......‘‘

میرے کہنے پر ناز مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی اور میں گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

☆......☆

سمندر کی لہریں کو دیکھ کر ناز حیران رہ گئی۔ ہاکس بے کی لہریں اور خالی ہٹس اُسے دنیا کے ہر درد و غم سے دُور لے آئی تھیں۔ سمندر ہی وہ جگہ تھی جہاں جانے کے لیے اس کا من کر رہا تھا۔ میں

اس کے من کو سمجھ گیا تھا اس لیے میں اُسے وہاں لے آیا تھا جہاں وہ بقائدہ جانا چاہتی تھی۔

''روحیل......''

ناز کے لبوں سے خوشی سے نکلا اور میں مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔ جلد ہی میں نے گاڑی روکی اور ناز اُتر کر پانی کی طرف بڑھی۔ میں مسکرا کر اُسے دیکھتا رہا، اس کی کھلیز لفیں ہوا میں لہرا رہی تھیں اور جیسے اُسے اپنا آپ مل گیا تھا۔ وہ دنیا کی ہر مشکل سے کوسوں دُور آ چکی تھی اور میں اس کے پیار میں محو اُسے جھومتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

نجانے کتنے ہی پل ہم ساحل پر ٹہلتے رہے، ہواوں سے باتیں کرتے رہے۔ ناز سمندر پر آ کر بے انتہا خوش تھی اور میں اُسے خوش ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کچھ پل بعد میں ساحل کی ریت پر بیٹھا ہوا لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ پرندے چہنچا رہے تھے، جب کبھی پرندے سمندر کے پانی کو چھوتے ہوئے گزرتے تو منظر اور حسین لگنے لگتا۔ کالے بادل ابھی تک آسماں پر منڈلا رہے تھے اور کسی بھی لمحے بارش ممکن تھی۔ ایسے میں ناز ڈھیر ساری سیپیاں لے کر میرے پاس آئی۔

''یا اللہ بڑی مشکلوں سے جمع کی ہیں۔'' وہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا ہیں یہ؟'' میں نے سیپیوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''سیپیاں......اور میں نے ایسی ویسی سیپیاں جمع نہیں کی ہیں، میں نے زیادہ تر وہ سیپیاں جمع کی ہیں جن میں موتی ہو سکتے ہیں۔'' ناز نے خوش ہو کر بتایا۔

''موتی؟......وہ بھی ان سیپیوں میں؟'' میں بے یقینی کے عالم میں بولا۔

''ہاں، کیوں؟......سمندر نے آپ سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ ان سیپیوں میں موتی نہیں ہو سکتا؟'' ناز نے ہنس کر پوچھا۔

''سمندر کا تو نہیں پتا مگر مجھے ہماری قسمت کا ضرور پتا ہے، یقین کرو ہمیں کوئی موتی نہیں ملنے والا۔'' میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''مایوسی گناہ ہے روحیل صاحب۔'' ناز نے ہنستے ہوئے کہا۔

''حقیقت کو سمجھنا کوئی گناہ نہیں۔'' میں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اچھا بس، دیکھتے ہیں کہ کونسی سیپی میں کیا نکلتا ہے؟''

ناز نے خوش ہو کر یہ جملے کہے اور میرے برابر میں بیٹھ کر سیپیاں کھولنے کی کوشش کرنے

لگی۔ میں مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔ بڑی مشکل سے اس نے ایک سیپی کھولی مگر سمندری مٹی کے سوا اُس میں سے کچھ نا نکلا۔

''یہ لیں......لگ گئی آپ کی نظر۔'' ناز منہ بنا کر بولی۔

''ہماری نظریں ہی قاتلانہ ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا بس۔''

ناز نے منہ بنا کر کہا اور دوسری سیپی کھولنے لگی۔ اس لمحے اس نے آنکھیں بھینچ لیں اور دعا کرنے لگی۔ میں محو ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ کس قدر معصومیت تھی اس کے چہرے پر اس کا مجھے آج اندازہ ہو رہا تھا۔ اس کے حُسن سے دُور رہنا اب میرے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اس کے رسیلے ہونٹوں کو چُوم لوں، اس کے گالوں کو چُوم لوں، اس کی زلفوں کے سائے میں کھو جاؤں۔

''یا اللہ موتی یا اللہ موتی یا اللہ موتی۔'' ناز کے منہ سے بار بار نکل رہا تھا۔

''یا اللہ موٹی؟'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''موٹی نہیں! موتی!......'' ناز نے مجھے صحیح کیا۔

''پر یہ کون سا ورد ہے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''دعا ہے اور کیا ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''واہ......کیا دعا ہے''۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''روحیل! تنگ نہیں کریں۔''

ناز نے مچل کر کہا اور اور سیپی کھولنے لگی۔ تب ہی سیپی کھلی اور ایک چھوٹا سا کیکڑا بیٹھا ہوا نظر آیا۔

''آہ!!!......''

ناز خوف سے چلّا اُٹھی۔ سیپی کو دُور پھینکتے ہی مجھ سے لپٹی۔

''ہاہاہاہا......کیا ہوا؟'' میں نے اسے بانہوں میں لیے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''کیکڑا!!......'' ناز نے گھبرا کر کہا۔

''چلیں آپ کو کیکڑا نما موتی مبارک ہو۔''

میں نے ہنس کر کہا اور وہ مجھے گھور کر کہنے لگی:

''اور آپ کو یہ سمندری مٹی مبارک ہو۔''

یہ کہہ کر اس نے مٹی اٹھا کر میرے اوپر پھینکی اور میں اُچھل پڑا!......:

''ناز یہ کیا کیا؟!!''

اب ناز ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور مجھے دیکھ رہی تھی۔

''ناز......'' میرے منہ سے نکلا اور میں اس کے پیچھے بھاگا۔

''بچاؤ بچاؤ!!......''

ناز شرارتی انداز میں چلّاتی ہوئی بھاگنے لگی اور میں اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ جلد ہی ناز میری بانہوں میں آگئی اور میں اُسے بانہوں میں لے کر سیدھا سمندر کی لہروں پر گرا۔ ایک ہی جھٹکے میں ہم دونوں بُری طرح بھیگ گئے، مگر ہمیں کسی بات کی پروہ نا تھی۔ اس بار ناز میرے اوپر پانی پھینکنے لگی اور جواباً مجھے بھی اُس پر پانی پھینکنا پڑا۔ نجانے کتنی ہی دیر تک ہم بچّوں کی طرح پانی میں کھیلتے رہے۔ لہروں نے غزب کیا کم ڈھائیا تھا کہ بادل زور سے گرجے اور بارش کی بوندیں ہمارے چہروں پر پڑنے لگیں۔ جلد ہی بارش نے زور پکڑ لیا اور میں ناز کا ہاتھ تھام کر ہٹ کی طرف دوڑا۔ اب ہم بُری طرح بھیگ چُکے تھے۔ ہٹ پر پہنچ کر ہم دونوں کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں اور ہنس کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ناز کی بھیگیز لفیں اس کے سینے پر آگری تھیں۔ سانس پھولی ہوئی تھی۔ ہنس کر وہ باہر بارش کا نظارہ دیکھنے لگی۔ مگر جو نظارہ میری نظریں دیکھ رہی تھیں وہ شاید ناز بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اس لمحے ناز کا جسم کسی پھول کی طرح کھل سا گیا تھا۔ اس کا حسین بدن میری رگوں میں بہتے ہوئے خون کو جمائے دے رہا تھا۔ سکتے کے عالم میں اس کی خوبصورتی کو تکنے لگا۔ تراشی ہوئی کمر، گورا رنگ، خوبصورت بھاری پستان۔ قُدرت کا ایک کرشمہ تھی ناز۔

میں اب دیوانہ ہو چکا تھا، مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہوسکا۔ اسی سکتے کے عالم میں میں اس کے قریب ہونے لگا۔

ناز مجھ سے بیخبر باہر کا نظارہ کر رہی تھی مگر مجھے کسی بات کی پروہ نہ تھی۔ اس لمحے میں اُسے اپنے بدن میں شامل کر لینا چاہتا تھا۔ آخر کار میں ناز کے بالکل قریب آ گیا اور ایک جھٹکے سے میں

نے ناز کو اپنی بانہوں میں لیا۔

''ہاہ!!......''

ناز کے منہ سے نکلا اور وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ میری آنکھیں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔ اس جلتی ہوئی بارش میں میرے سینے میں وہ آگ لگ گئی تھی جس کو بجھانا قریب قریب ناممکن تھا۔ میں دیوانوں کی طرح بہتی ہوئی بوندیں اس کے رخسار پر دیکھنے لگا اور ناز بے جان جسم لیے مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے ناز کو اپنے سے قریب کیا اور پیار سے کہا:

''جس موتی کی آپ کو تلاش ہے......وہ موتی میرے پاس ہے......''

میری یہ بات سن کر ناز مجھے دیکھنے لگی۔

''دیکھنا چاہیں گی؟''

میں نے دھیرے سے پوچھا اور اپنی پینٹ کی جیب سے اپنی ماں کی انگوٹھی نکالی۔ ناز اس قدر خوبصورت ہیرے کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔

"I Love You, Naz"

میرے ان الفاظوں کا ادا ہونا تھا کہ ناز پتھر کی بن گئی۔ وہ پلکیں تک جھپکانا بھول چکی تھی۔ سانسیں تیز ہو گئیں۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مجھے تکتی رہی۔

''میں نے اپنی زندگی میں...... آج تک اس قدر پیار...... کسی سے نہیں کیا...... جتنا آپ سے کر گیا ہوں...... میں آپ کو چاہنے لگا ہوں ناز......مرتا ہوں میں آپ پر......شادی کرنا چاہتا ہوں......''

میرے الفاظ نجانے ناز کے دل پر کتنی بجلی گرا گئے اور وہ سکتے کے عالم میں میرا چہرہ دیکھتی رہی۔ نظروں کو جھکا کر میں اُداس مسکراہٹ اپنے لبوں پر لایا اور انتہائی نزاکت سے...... بالکل نزاکت سے......میں نے ناز کے لبوں کو چُوم لیا۔

اس لمحے ہم دونوں کو ایسا لگا جیسے ہماری روحیں اپنے جسم چھوڑ گئیں۔ ناز اس وقت بالکل ٹھنڈی پڑھ گئی تھی۔ میرے ہاتھ اس کی کمر سے کھسکتے ہوئے اس کی ران تک چلے گئے اور میں نے بیشرمی سے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ میری محبت مجھے مل گئی تھی......اب مجھے زمانے سے کچھ نہیں چاہیے تھا۔ بس میں ناز کے لبوں کو چُومے جا رہا تھا۔

کچھ ہی پل بیتے ہوں گے...... میں نے اپنے لبوں کو اس کے لبوں سے جُدا کیا اور پیار سے اس کا چہرہ دیکھا...... ناز آنکھیں بند ھ کیے...... میرے سینے پر ہاتھ رکھے کانپ رہی تھی...... میں اس کی سانسوں کو محسوس کر سکتا تھا...... اس کا جسم تھرّ ا رہا تھا...... میں نے ابھی بھی اُسے اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا...... اس کے جسم کو تھاما ہوا تھا...... وہ مجھ سے اس قدر قریب تھی...... کہ ہمارے درمیاں ہوا کا بھی گزر نہیں تھا......

ایک بار پھر...... میں نے ناز کے نازک سے لبوں کو چُوم لیا......مگر اس بار...... ناز نے خوف کے عالم میں اپنی آنکھیں کھولیں......دُنیا جہاں کا خوف میں نے اس کے چہرے پر دیکھا......وہ اس لمحے ڈری ہوئی تھی...... بے حد ڈری ہوئی تھی۔

میں سمجھ سکتا تھا، میری محبت کی آگ اُسے جلائے دے رہی تھی، اس لیے مسکرا کر اس کے بدن سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور اس کے ہاتھوں کو تھام لیا:

''ناز......اب ہمیں کوئی الگ نہیں کر سکتا......''

میں نے پیار سے یہ جملے کہے اور ناز کی انگلی میں انگوٹھی پہنانے لگا مگر عین اسی وقت ناز نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''نہیں......نہیں......''

وہ سکتے میں کہنے لگی۔اس کی آواز میں بے پناہ خوف تھا۔

''کیا نہیں؟''میں نے پیار سے پوچھا۔

''یہ...... یہ نہیں ہو سکتا......''

ناز جیسے خوابوں میں کہنے لگی اور پلٹ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔میں مسکرایا اور ناز کو اپنی بانہوں میں لیا:''ناز...... مجھے آپ کا پُورا خیال ہے ناز...... اس لیے تو میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں......میں آج ہی جا کر ابا سے بات کروں گا......''

''نہیں آپ......آپ سمجھ نہیں رہے......''ناز نے گھبرا کر کہا اور میری بانہوں سے نکلی۔

''کیا نہیں سمجھ رہا؟......کیا نہیں سمجھ پا رہا میں؟''میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''روحیل......میرا اور آپ کا رشتہ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں......''

ناز نے گھبرا کر مجھے دیکھا۔

”میں کچھ سمجھا نہیں۔“

میں نے الجھ کر پوچھا۔اب میرا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ناز نے اپنا چہرہ زمین کی طرف کیا اور پھر چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھا۔میں اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

”میں......میں آپ سے پیار نہیں کرتی......“

ناز کے جملے کسی تیر کی طرح میرے دل پر لگے اور میں سکتے کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”میں آپ کے بھائی......اظہر سے پیار کرتی ہوں......“

آسماں پر بادل کچھ اس بُری طرح گرجے......کہ دو پل کے لیے کائنات بھی ہل گئی......قیامت کا اگر کوئی وقت ہونا تھا تو وہ یہ وقت تھا۔میرے جسم میں خون کی روانی رُک چکی تھی۔میں آنکھیں پھاڑ کر ناز کا چہرہ تکنے لگا۔جو اُس نے کہا تھا، وہ سُننے کی مجھے ایک فیصد بھی اُمید نہ تھی۔

☆......☆

چند لمحوں تک میں ناز کا چہرہ اس طرح تکتا رہا جیسے وہ اس جہاں کی مخلوق نا ہو۔جو میں نے سنا تھا اس پر مجھے ایک فیصد بھی یقین نہ تھا، ناز نے ایک بہت ہی عجیب ہی بات کہی تھی جس کا میں نے تصوّر بھی نہ کیا تھا۔میرے پاس اب ہزاروں سوال تھے مگر جواب صرف ناز کے پاس۔

ناز کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں اور چہرہ جھکا ہوا تھا۔میں اس لمحے خاموشی سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

”مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی......بہت بڑی......“

ناز نے اپنے سر کو پکڑ کر یہ جملے کہے اور اس نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں، میں اُسے تکنے لگا۔

”میں اظہر کو آج سے نہیں......پچھلے ڈیڑھ سال سے جانتی ہوں، کب ہم دونوں ایک دوسرے کے بنتے چلے گئے ہمیں پتا ہی نہ چلا......“

ناز کے الفاظ ایک بار پھر میرے دل کو چیر گئے اور آنسو آنکھوں سے چھلک پڑے۔

”اظہر میری زندگی میں بہار کی طرح آئے......اور ہم نے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں...... ہمارا پیار دن با دن بڑھتا چلا گیا......ایک دن اظہر نے مجھ سے آپ کا زکر کیا......کہنے لگے......کہ وہ آپ سے بے حد پیار کرتے ہیں......اور آپ کو اکیلا نہیں دیکھنا چاہتے......وہ

نہیں چاہتے تھے...... کہ جو آپ کی تائی...... اور آپ کی بہن نے آپ کے ساتھ کیا...... ویسا سلوک...... اُن کی ہونے والی بیوی بھی آپ کے ساتھ رکھے...... اس لیے...... میں نے آپ سے دوستی کرنے کا فیصلہ کیا۔''

ناز کے الفاظ میرے اوپر بجلی گرا گئے۔ خون میری رگوں میں گردش کرنا چھوڑ گیا۔

''اُس رات میں جان بوجھ کر اسپتال آئی تھی، تاکہ میں آپ سے دوستی کرسکوں...... آپ سے دوستی کرنا میں اس لیے چاہتی تھی...... کہ اظہر سے شادی کے بعد میں اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھوں...... میرا دیور میرے ساتھ ہو...... جو میرے لیے دوست سے بڑھ کر ہو......''

ناز کے لبوں سے یہ جملے سن کر میری روح کانپ گئی۔ جس عورت کو میں اپنی بیوی کے رُوپ میں دیکھنا چاہتا تھا درحقیقت وہ میرے بھائی کی بیوی بننے والی تھی۔

''میں نے اظہر سے کبھی بھی کچھ نہیں چھپایا...... ہم دونوں کی ایک ایک بات اظہر کو معلوم ہے...... وہ سب جانتے ہیں......'' ناز نے مجھے دیکھتے ہوئے بتایا۔

''ہیلو جان کیسی ہو؟''

او پی ڈی میں اظہر نے فون اٹھا کر پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں آپ کدھر ہیں جناب؟'' ناز نے پیار سے پوچھا۔

''میں اس وقت اسپتال میں ہوں اور مکھیاں مارنے کا سوچ رہا ہوں تم تو جانتی ہو یہ کام میں بہت اچھا کرتا ہوں۔'' اظہر نے ہنس کر کہا۔

''جی ہاں اس کا تو مجھے علم ہے۔'' ناز ہنس کر بولی۔

''ہمم؟'' اظہر کے منہ سے نکلا۔

''میں نے کہا اس کا تو مجھے علم ہے۔'' وہ پھر سے بولی۔

''ہاں...... ہاہاہاہا...... تمھیں میری ٹانگ کھینچنے کے علاوہ کچھ آتا بھی ہے؟''

اظہر نے ہنس کر کہا۔

''اچھا آپ دو منٹ کے لیے خاموش ہوجائیں پلیز۔'' ناز نے کہا۔

''اچھا بابا میں ہوگیا خاموش...... اب تم بولو۔'' اظہر نے کہا۔

''میری اور روحیل کی دوستی بڑھ رہی ہے...... اُس رات کو میں انھیں اپنے گھر لے کر گئی

تھی......‘‘ ناز نے بتایا۔

’’اوہ اچھا پھر؟‘‘ اظہر نے پوچھا۔

’’امی اور ڈیڈی نے بھی انھیں بہت پسند کیا......روحیل کو بھی ہم لوگ بہت پسند آئے ہیں۔‘‘ ناز نے بتایا۔

’’یہ تو بہت اچھی خبر ہے......تم نے اُس سے بات کی؟......دوستی؟‘‘ اظہر نے پوچھا۔

’’ہاں دوستی بس ہو ہی جائے گی، میں نے انھیں اپنے اسکول کا پتا بتایا ہے۔اب دیکھتے ہیں کہ وہ کیا سوچتے ہیں۔‘‘ ناز نے مسکرا کر کہا۔

’’زبردست......بس تم اسی طرح رہو...... مجھے بتاتی رہنا۔‘‘ اظہر نے خوش ہو کر کہا۔

’’میں روحیل کو ابھی تو آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں نا؟‘‘ ناز نے پوچھا۔

’’نہیں نہیں ابھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ اظہر نے کہا۔

’’پر......‘‘ ناز کے منھ سے نکلا کہ اظہر نے فوراً کہا:

’’ارے میں کہہ رہا ہوں نا......اچھا چلو یہ بتاؤ......امی کیسی ہیں؟......اور ڈیڈی؟‘‘

’’بالکل ٹھیک ہیں ماشاءاللہ سے۔ویسے بھی ہونے والا داماد ڈاکٹر ہے تو اب ٹھیک ہی ہوں گے۔‘‘ ناز نے مسکرا کر کہا۔

’’چلو میرا اسلام کہنا انھیں۔‘‘ اظہر نے کہا۔

’’پہلے مجھے **I Love You** کہیں۔‘‘ ناز نے ضد کری۔

’’ہاں ہاں......**I Love You**"۔اظہر نے کہا۔

’’زور سے۔‘‘ ناز نے منھ بنا کر کہا۔

’ارے بابا زور سے نہیں بول سکتا یہ اسپتال ہے...... یہاں آئی لو یو کی اجازت نہں ہے......اگر نرس خوبصورت ہو تو پھر اجازت ہے۔‘‘ اظہر نے ہنس کر کہا۔

’’ہاو!!......اظہر، میں آپ کو چھوڑوں گی نہیں۔‘‘ ناز نے تلملا کر کہا۔

’’ارے!! ارے!! ارے!!......فون پر سے نکل کر مت مار دینا مجھے......چلو او کے اب میں رکھتا ہوں...... خدا حافظ...... اچھا سُنو...... ایک بات کہنی تھی...... **"I LOVE YOU**"۔اظہر نے مسکرا کر زور سے کہا۔

''ہم I love you too......کل شام کا یاد ہے ناں، ہم نے ملنا ہے۔'' ناز نے کہا۔

''ہاں اوکے، I love you too خدا حافظ۔'' اظہر نے مسکرا کر کہا اور فون بند کر دیا۔

اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اظہر ہنس ہنس کر کس سے باتیں کیا کرتا تھا۔ مجھے یاد آیا سیمینار کا وہ دن جب ابا کی تقریر میں اظہر کا موبائل فون بج پڑا تھا:

''ہیلو؟......ارے میں ابھی نہیں بات کر سکتا......'' اظہر نے پریشان ہو کر کہا۔

''پر اظہر سنیں تو......'' ناز نے کچھ کہنا چاہا۔

''میں اس وقت سیمینار میں ہوں...... بعد میں بات کرتے ہیں۔'' اظہر نے کہا۔

''پر میں روحیل کو کل شادی میں بُلانا چاہ رہی ہوں، میں انھیں بُلا لوں؟'' ناز نے پوچھا۔

''ہاں ہاں۔'' اظہر نے کہا۔

''میں آپ سے بات کب کروں؟'' ناز نے پوچھا۔

''بعد میں......اوکے......بائے......''

یہ کہہ کر اظہر نے فون بند کر دیا۔

ناز نے میرا چہرہ دیکھا اور کہنا شروع کیا:

''اس کے بعد میں نے آپ کو شادی میں بُلایا......آپ نے شادی میں آ کر چار چاند لگا دیے...... اور یہ دیکھ کر میں اس قدر خوش ہوئی...... کہ جس گھر میں بہو بن کر میں جانے والی ہوں...... اُس گھر کا ایک ایک فرد کس قدر اچھا ہے۔ میں تو جیسے اظہر کے گھر کی دیوانی ہونے لگی...... مجھے آپ سب بہت اچھے لگنے لگے...... مگر میری محبت اظہر ہیں...... اور اظہر ہی رہیں گے......''

میں سکتے کے عالم میں ناز کا ایک ایک جملہ سُن رہا تھا۔ اس لمحے میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا، میں خاموشی سے اُسے تکے جا رہا تھا۔

ناز نے چہرہ نیچے کیا اور اپنے آنسو پوچھ کر کہنے لگی:

''پھر ایک دن میری وجہ سے آپ کو ابا سے ڈانٹ سُننے کو ملی......آپ کے گھر پر کیا گزری مجھے اس بات کا علم اظہر سے ہوا...... اُسی وقت میں نے یہ فیصلہ کر لیا...... کہ چاہے کوئی بھی آپ سے کتنی ہی نفرت کیوں نا کرے...... میرے دل میں آپ کی عزت ہمیشہ برقرار رہے گی۔''

”ہاں بولو......“اظہر نے کہا۔

”کیا ہوا اظہر؟......خفا ہیں مجھ سے؟“ناز نے پوچھا۔

”ہاں میں خفا ہوں......تمھیں نہیں پتا گھر میں کیا ہنگامہ ہوا ہے......میں جتنا چاہتا ہوں کہ وہ اکیلا پن محسوس نا کرے......وہ اُتنا ہی اکیلا ہو رہا ہے۔“اظہر نے پریشان ہو کر کہا۔

”آپ کچھ سنبھالتے نا۔“ناز نے پریشان ہو کر کہا۔

”میں کیا سنبھالتا......اُسے شک ہو جاتا......اُسے شک ہو جاتا کہ میں اور تم......خیر......بس میری یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم چاہ کیا رہی ہو۔“اظہر نے پریشان ہو کر کہا۔

”اظہر......آپ جانتے ہیں کہ میں کیا چاہ رہی ہوں، میں آپ کے گھر کے ایک ایک فرد کو اپنا دوست بنانا چاہتی ہوں......اپنا کرنا چاہتی ہوں......اور روحیل سے اپنایت حاصل کر کے میں بہت خوش ہوں......آپ کو نہیں پتا کہ میں کس حد تک کامیاب ہو گئی ہوں اور باقیوں کو اپنا کرنے میں کامیاب ہونا چاہتی ہوں۔“ناز نے خوشی سے کہا۔

”تمھیں لگتا ہے کہ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گی؟“اظہر نے پوچھا۔

”ہاں میں ہو جاؤں گی، آپ کو اپنی محبت پر پُورا یقین ہے نا؟“ناز نے پوچھا۔

”ہاں مجھے بھی اپنی محبت پر پورا یقین ہے۔“اظہر نے کہا۔

”آپ دیکھیے گا......جب میں کامیاب ہو جاؤں گی......تو میں خود روحیل کو یہ خوشخبری سُناؤں گی کہ میں ان کی ہونے والی بھابھی ہوں......سب کچھ جان کر وہ بہت خوش ہوں گے۔“

ناز نے خوابوں میں بہتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے......تم اپنا خیال رکھنا......ہو سکے تو جلد از جلد یہ بات کہہ دو......ٹھیک ہے؟“اظہر نے کہا۔

”آپ بے فکر رہیں۔“ناز نے کہا۔

”اوکے......میں فون رکھتا ہوں۔“اظہر نے کہا۔

”آپ کو مجھ سے پیار ہے نا؟“ناز نے پوچھا۔

”آف کورس مجھے تم سے بے حد پیار ہے۔“اظہر نے کہا۔

”تو پلیز روحیل کا بہت خیال رکھیے گا۔“ناز نے کہا۔

''ہاں اوکے، خدا حافظ۔'' اظہر نے کہا۔

''اللہ حافظ۔'' ناز نے کہا۔

''خدا حافظ۔''

اظہر کے منہ سے نکلا اور اس نے فون بند کر دیا۔

''اور پھر آپ میرے گھر پر آئے......ہم نے ساتھ میں غزل گائی......اور کہانی یہاں تک آ پہنچی۔ ان دنوں میں آپ کی قدر میرے دل میں بڑھتی چلی گئی......مگر آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں آپ سے پیار کر بیٹھی ہوں؟......میں کسی اور کی ہو چکی ہوں روحیل......میں آپ کے بھائی کی امانت ہوں......میں اظہر کی ہونے والی بیوی ہوں......''

یہ جملے سُننے سے پہلے کاش زمین پھٹ جاتی اور میں زمین میں زندہ دفن کر دیا جاتا۔ ناز روتے ہوئے حقیقت بیان کرتی چلی گئی اور میں دم بخود کھڑا اُسے دیکھتا رہ گیا۔

ناز نے اپنے آنسوؤں کو روک کر کہا:

''ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا......مگر میں اُمید کرتی ہوں......کہ آپ مجھے وہی عزت اور مقام دیں گے......جو ایک دیور اپنی بھابھی کو دے سکتا ہے......یہ میری گزارش ہے......پلیز۔''

یہ کہ کر ناز روتے ہوئے ہٹ سے بارش میں چلی گئی اور میں اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا......میری دُنیا اجڑ چکی تھی......میری دنیا تج ہو گئی تھی......ناز میری محبت ضرور تھی......مگر......وہ اب اظہر کی امانت تھی......

☆......☆

بارش بیقرار ہو کر برس رہی تھی......ساڑھے آٹھ بجے کے قریب میری گاڑی ناز کے گھر کے پاس آ کر رُکی۔ میں سکتے کے عالم میں بیٹھا ہوا اپنی گاڑی کے اسٹیرنگ کو تک رہا تھا......کچھ یہی حال ناز کا بھی تھا۔ پورے رستے ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بارش کے پانی سے ہم دونوں ہی بھیگے ہوئے تھے......مگر ہمارے دلوں میں لگن موجود تھی۔

ناز نے ایک نظر مجھے دیکھا اور دھیرے سے میرا نام لیا:

''روحیل......''

میں بنا کچھ کہے اپنے اسٹیرنگ کو دیکھتا رہا۔

''آج ہم دونوں کے بیچ جو کچھ ہوا......اس بات کا......کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے......اظہر کو بھی نہیں......''

ناز نے مجھے دیکھ کر گزارش کی اور میری آنکھیں جھلملا گئیں۔

مٹھی کو بھینچ کر میں نے اُسے ہونٹوں پر رکھ لیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''خدا حافظ......''

ناز نے بھی روتے ہوئے یہ جملے کہے اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر اُتر گئی۔ میں اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ناز نے ایک بار بھی پلٹ کر مجھے نا دیکھا اور وہ سیدھی سیدھی گھر میں چلی گئی۔ میری آنکھوں سے آنسو مسلسل بہ رہے تھے، ناز کی جدائی میں سہ نہیں سکتا تھا۔ اپنی قسمت پر مجھے بہت رونا آ رہا تھا۔ میں نے گہرا سانس لے کر گاڑی کو Gear میں ڈالا اور تیزی سے گاڑی چلا دی۔ میری منزل اب اسنوکر کلب تھی جہاں اس وقت اظہر موجود تھا۔

☆......☆

بھیگے ہوئے بدن اور جھلملاتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ناز گھر میں داخل ہوئی اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگی تا کہ کچھ دیر زندگی سے چھپا کر آنسو بہائے۔

''ارے ناز دیکھو کون آیا ہے......''

اس کی ماں کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ ناز نے پلٹ کر دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔ ہال میں غلام حسن صاحب اور فاطمہ بیگم کے ہمراہ ڈاکٹر مظہر، شاہین بیگم، شہناز بیگم، ان کی دختر سائرہ، جمشید، نسیم صاحب اور بیگم نسیم موجود تھے۔ سب کے سب ناز کو دیکھ رہے تھے۔ وہ حیران تھے کے رات آٹھ بجے کے قریب ایک جوان لڑکی اس طرح بھیگی ہوئی کہاں سے آ رہی ہے کہ اُس کا بدن بھی نمایاں ہے۔

اس لمحے بجلی بہت زور سے گرجی اور ناز سکتے کے عالم میں سب کو دیکھنے لگی۔ شاہین بیگم کے چہرے پر نفرت کے بادل دوڑ گئے جب انھوں نے ناز کو اس رُوپ میں دیکھا جہاں اس کے سینے پر سہی سے دوپٹّہ تک موجود نہیں۔ ڈاکٹر مظہر اور دیگر مرد حضرات نے شرم سر جھکا لیے، ناز کا جسم بُری طرح نمایاں ہو رہا تھا۔ فاطمہ بیگم بھی اپنی بیٹی کو بے حال دیکھ کر پریشان تھیں۔ وہ گھبرا کر کہنے

لگیں: ''بیٹا آ گئی پکنک سے؟......آج ان کے اسکول کی پکنک تھی......ساری ٹیچرز کو بُلایا گیا تھا، اسکول کی بس سب کو گھروں پر چھوڑ کر گئی ہے۔''

''اچھا اچھا۔'' بیگم نسیم نے جھینپ مٹا کر کہا۔

''بیٹا سب کو سلام کرو......'' غلام حسن صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''اہم ڈیڈی......'' ناز گھبرا کر بولی۔

''ارے غلام صاحب پہلے اُس بچاری کو لباس تو تبدیل کرنے دیجیے، سلام دعا تو ہوتی رہے گی، لیکن ٹھنڈ بیٹھ گئی نا تو ہماری بہو گھر آنے سے پہلے کلینک آجائے گی۔''

ڈاکٹر مظہر نے ہنس کر یہ جملے کہے اور سب ہنسنے لگے۔

ناز شرما کر اپنے کمرے کی طرف چلی۔

''ڈاکٹر صاحب، آپ نہیں جانتے کے آپ کو سمدھی کے طور پے پا کر مجھے کس قدر خوشی ہوئی ہے۔'' غلام حسن صاحب نے اخلاق کے ساتھ کہا۔

''بھائی صاحب بالکل ویسا ہی داماد ہے جیسا آپ نے سوچا تھا، بس سُروں کے معاملے میں تھوڑا پیچھے رہ گیا ہے۔'' بیگم نسیم نے ہنستے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ہاں......سُروں کے معاملے میں پیچھے رہ گیا......''

غلام حسن صاحب نے سرد آہ بھری اور روحیل کو یاد کیا۔

''اُستاد صاحب، یہ بتایئے کہ آپ شادی کب چاہتے ہیں؟''

شہناز بیگم نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''آپ ایک بار بچّی سے مُلاقات تو کرلیں۔'' غلام حسن صاحب نے گزارش کی۔

''نہیں۔ناز ہمارے اظہر کی پسند ہے تو ہماری پسند ہے۔ہمیں اپنے اظہر پر پُورا یقین ہے کہ اس کی پسند لاکھوں میں ایک ہے۔اس لیے ہم اس رشتے کی ہامی بھرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔''

شہناز بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''بالکل......ویسے بھی ناز جیسی حسین لڑکی ہمیں پورے پاکستان میں نہیں ملے گی۔'' بیگم نسیم نے مکھن لگایا۔

”شاید یورپ میں مل سکتی ہیں۔“

جمشید نے سوچتے ہوئے کہا اور سب نے قہقہہ لگایا۔

جلد ہی ناز لباس تبدیل کر کے آئی اور آ کر ایک ایک کو آداب کیا۔ سائرہ تو ناز کو دیکھ کر ہی دیوانی ہوگئی۔ اُسے ایک ہی پل میں بھابھی کہنے لگی۔ شہناز بیگم، مظہر صاحب اور نسیم صاحب بھی خوش تھے، کوئی خوش نہیں تھا تو وہ شاہین بیگم۔ جلد ہی مظہر صاحب نے غلام حسن صاحب کا منہ میٹھا کیا اور شادی کی تاریخیں رکھی گئیں۔ اگلے ہفتے شادی کا پروگرام رکھا گیا۔ ناز اس لمحے کچھ خوش بھی تھی اور کچھ پریشان بھی، وہ جس قدر خوشیوں کی تلاش میں تھی اُتنی ہی تکلیفیں اس کے نصیب میں آ گئیں۔ جلد ہی شاہین بیگم نے ناز کا ہاتھ تھام کر اُسی انگلی میں اظہر کی انگوٹھی پہنائی...... جس میں کچھ دیر پہلے روحیل کی انگوٹھی موجود تھی۔

☆......☆

میری آنکھیں اس لمحے شعلے اگل رہی تھے!!...... میں اسنوکر کلب کے دروازے کھول کر چلتا چلا گیا۔ میرے پیچھے اس لمحے وسیم بھی تھا جو بے حد پریشان تھا۔

☆......☆

”ہاں...... ہاں...... اچھا...... تم فکر نہیں کرو...... میں سب سنبھال لوں گا...... سب ٹھیک ہو جائے گا...... ناز؟...... ناز میری بات سُنو...... میں کہہ رہا ہو نا...... تم فکر مت کرو...... میں روحیل کو تم سے بہتر جانتا ہوں...... تم پریشان مت ہو...... خدا حافظ۔“

دوسری طرف اظہر نے موبائل فون بند کر کے جیب میں رکھا اور سوچنے لگا۔ جب کہ اس کے دیگر دوست اسنوکر کھیل رہے تھے۔

☆......☆

"Hey Hey Hey..."

اسنوکر کے مینیجر نے مجھے روکنا چاہا مگر میں نے اُسے اس قدر زور سے دھکّا دیا کہ وہ جا کر دیوار سے بُری طرح ٹکرایا!۔

میں نے اس بات کی پروہ کیے بغیر کے اس کے ساتھ کیا ہوا، اسنوکر کلب کا دروازہ کھولا اور اندر گیا۔ اسنوکر ٹیبل کے گرد موجود چار پانچ لڑکون نے چونک کر مجھے دیکھا، پر میری نظریں اظہر پر

جمی تھیں۔ میرا سانس پھول گیا تھا۔ آنسوؤں کو میں نے بڑی مشکلوں سے روکا ہوا تھا۔

دوسری طرف اظہر بھی مجھے دیکھ کر دھواں ہو گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں میرا چہرہ تکنے لگا۔ اس دوران وسیم بھی کلب میں داخل ہوا اور پریشان ہو کر میرے پیچھے ساکت کھڑا ہو گیا۔ اظہر کے دوست بھی ہوشیار ہو گئے۔ ان کے ہاتھ اپنی اپنی پینٹ میں لگی پستول کی طرف رینگ گئے۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟''

اظہر نے سختی سے اپنے دوستوں کو دیکھ کر کہا۔

''اظہر کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔'' ایک لڑکے نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

''وہ میرا بھائی ہے سمجھے!!......''

اظہر نے سخت آواز میں یہ جملے کہے اور لڑکے اطمینان سے کھڑے ہوئے۔ ویسے بھی اگر وہ سب مجھ پر حملہ کرتے بھی تو مجھے پروا نہیں تھی۔ میں زندگی تو بھول آیا تھا، سانسوں کی پروہ مجھے اب نہیں تھی ......

اظہر نے ایک گہرا سانس لیا اور دھیرے سے چلتا ہوا میرے پاس آیا۔ میں ساکت نظروں سے اُسے اپنے قریب آتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میرا بدن اس لمحے بھیگا ہوا تھا اور آنکھیں بے انتہا سُرخ تھیں۔ اظہر میری آنکھوں میں دیکھ کر یہ بات جان گیا تھا کہ میرے دل میں ناز کے لیے کس قدر محبت ہے۔

اظہر چلتا ہوا میرے پاس آیا اور میں اپنے بھائی کا چہرہ دیکھنے لگا۔

اظہر نے سرد آہ لی: ''آئی ایم سوری...... آئی ایم سوری روحیل۔''

میں نے ابھی بھی کچھ نہ کہا، بس اظہر کو ساکت نظروں سے دیکھتا رہا۔

''امی ......اور سائرہ کا رویّہ............ مجھ سے چھپا نہیں تھا...... میں جانتا تھا کہ گھر میں تمھیں وہ حق اور پیار نہ مل سکا...... جو تمھیں ملنا چاہیے تھا............ اس لیے بچپن سے لے کر آج تک ......میں تمھاری پسند اور ناپسند کا خیال کرتا آیا...... کبھی تمھیں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی...... کبھی یہ نہیں چاہا کہ تمھارا دل دکھے...... مگر...... مگر آج میری ایک غلطی کی وجہ سے...... میری برسوں کی محنت مٹی میں مل گئی ہے۔''

اظہر نے نظر جھکا کر یہ جملے کہے اور میں اُسے دیکھنے لگا۔

''میرے گھر کے فرد پُرانے رشتے پیار اور محبت بھول چُکے تھے، اس لیے دل نے یہ خواہش کی کے آنے والے رشتے پیار اور محبت کی بنیاد رکھ سکیں، اسی لیے ناز نے تم سے دوستی کی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ناز سے تم دوستی اس لیے کرو کیوں کہ وہ میری ہونے والی بیوی ہے...... میں چاہتا تھا...... کہ تم دل سے اس کے ساتھ دوستی کرو...... تا کہ ہم لوگ ...... ہمیشہ ساتھ خوش رہ سکیں...... اسی لیے میں نے اُسے تم سے دوستی کرنے کے لیے کہا.......... مگر میں یہ بھول گیا...... کہ ناز میں وہ خوبی ہے...... جس سے فرشتے تو کیا...... خدا بھی عشق کر بیٹھے...... تم تو پھر ایک انسان ہو......''

اظہر کے جملے سن کر میں نظر جھکا گیا۔

''خیر...... اگر تم مجھے دل سے اپنا بڑا بھائی سمجھتے ہو ......تو میری غلطی کو معاف کردو گے...... آج ابا اور امی ...... غلام حسن صاحب کے گھر...... ناز کا ہاتھ...... میرے لیے مانگنے گئے ہیں...... غلام حسن صاحب اس رشتے سے خوش ہیں...... لیکن مجھے کسی کی خوشی کی پروا نہیں...... اگر کسی کی خوشی کی پروا ہے...... تو صرف تمھاری...... مجھے معاف کر کے...... تم خوشی خوشی ناز کو اپنی بھابھی کے روپ میں قبول کرلو...... اس سے بڑھ کر ...... مجھے اور کچھ نہیں چاہیے...... روحیل تم دیکھنا...... ہم تمھارے لیے ...... ناز سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت لڑکی لائیں گے...... پھر ہمارے گھر کو کسی کی نظر نہیں لگ سکے گی...... کبھی بھی نہیں......''

اظہر نے میرے شعانوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے دلاسا دینا چاہا، مگر وہ یہ بھول گیا کہ اس وقت اُس کے الفاظ تیز دھار خنجر سے بھی کہیں زیادہ خطرناک تھے۔ مجھے محبت ناز کی خوبصورتی سے تھی، مگر صرف اس کی خوبصورتی ہی میرے لیے معنی نہیں رکھتی تھی، دل سے دل تک کا رشتہ بن چُکا تھا۔ مگر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا، میرے دل کی کیفیت ...... ناز سمجھتی ...... نہ ہی اظہر......

میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ تھا، بہت سوچ کر، سمجھ کر...... میں نے ایک نظر اظہر کو دیکھا...... اپنے آنسوؤں کو ضبط کر کے...... صرف ...... اتنا کہ سکا:

"You..... you should've told me"

اظہر نے شرمندگی سے چہرہ نیچے کیا۔ ایک پل کے لیے خاموش ہوا، سر اُٹھا کر مجھے دیکھا:

"Yes I should have told you. I'm Sorry"

اظہر کا معافی مانگنا تھا کہ بات ختم ہو کر رہ گئی۔ کہنے کے لیے اب میرے پاس کیا

تھا؟......کچھ بھی نہیں۔ ناز اظہر سے محبت کرتی تھی اور اظہر بھی ناز کو چاہتا تھا تو میرے پاس کچھ کہنے کے لیے بچا ہی کیا۔ ایسے میں سنوکر کلب کا منیجر طیش میں اندر آیا اور مجھے گھورنے لگا۔

میں نے اُسے ایک نظر دیکھا...... اور ہاتھ اُٹھا کہ اُس سے معافی مانگی...... کپکپاتے ہوئے جسم کے ساتھ، آنکھوں میں آنسو لیے میں واپس پلٹ گیا اور سب مجھے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

میں اسنوکر کلب سے چلتا چلا گیا۔ وسیم بالکل میرے عین پیچھے کھڑا تھا، وہ بھی مجھے جاتے ہوئے تکتا رہ گیا۔ پریشان ہو کر وسیم نے پلٹ کر اظہر کی طرف دیکھا۔

اظہر کے چہرے پر پریشانی کے بادل منڈلا رہے تھے اور وہ وسیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وسیم بنا کچھ کہے پلٹ گیا اور میرے پیچھے چل دیا۔ ایک عجیب الجھن نے ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

☆......☆

ناز اپنے کمرے میں موجود تھی، اس لمحے وہ بستر پر بیٹھی اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔ اس کی انگلی میں اظہر کی انگوٹھی ضرور موجود تھی مگر قسمت نے جو کھیل کھیل دیا تھا، وہ سمجھ پائی تھی اور نہ میں۔ بے چینی کے عالم میں برستی ہوئی بارش کو کھڑکی سے تکنے کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی......کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی......

☆......☆

دوسری طرف میں اپنے آپے سے باہر تھا، ندھیری گلیوں میں بھٹک رہا تھا، بارش میں چلّا چلّا کر رو رہا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک صرف خدا سے محبت مانگی تھی...... جو شاید میرے نصیب میں نہ تھی۔ دیوانوں کی طرح میں گلیوں میں اور سڑکوں پر چیزیں توڑتا پھر رہا تھا اور آسماں کو دیکھ کر چلّا رہا تھا: ''کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟...... کیوں؟......میں نے کیا بگاڑا ہے تیرا یا خدا!!......میں نے کیا بگاڑا ہے تیرا!!......میں نے کیا بگاڑا ہے تیرا!!......''

یہ کہہ کر میں گھٹنوں کے بل گر کر زاروقطار رونے لگا۔ کسی نے میرا ماتم نہ سنا...... کسی نے مجھے دلاسہ نہ دیا...... اوپر والا بھی اس لمحے بالکل خاموش تھا۔ میں اس لمحے میں ٹوٹ چکا تھا...... میں بالکل ٹوٹ چکا تھا۔

☆......☆

Chapter 5

نیو یارک کا ریسٹورینٹ اس لمحے خالی ہو چکا تھا۔لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔اب بس بارٹینڈر اپنے سامنے رکھے ہوئے گلاسوں کو صاف کرر ہا تھا، جب کہ میں اور نادیہ ابھی تک اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔سب کچھ سن کر نادیہ سکتے کے عالم میں، آنکھوں میں آنسو لیے میرا چہرہ تک رہی تھی۔

میں بھی خاموشی سے اپنے خالی گلاس کو تک رہا تھا۔

"What Nonsense...." نادیہ کے منھ سے نکلا اور کہنے لگی:

’’میری سمجھ نہیں آرہا......ناز نے اس قدر بڑی غلطی کیسے کردی؟......تم سے دوستی کی...... تمھارے ساتھ گھومی، پھری......تمھارے کہنے پر لال جوڑا پہنا......تمھاری دی ہوئی انگوٹھی پہنی......اور پھر......ایک پل میں سب ختم؟......ایسا کیسے کرسکتی ہے وہ؟‘‘

’’ناز......اظہر سے محبت کرتی ہے......لیکن شاید......ہم دونوں کے شوق......عادتیں...... اور زندگی گزارنے کا ڈھنگ ایک جیسا تھا......شاید......وہ بھی نہ سمجھ سکی......کہ میرے ساتھ...... وہ دوستی نبھارہی تھی......یا محبت......‘‘

میرے منھ سے نکلا اور نادیہ سوچنے لگی۔

’’ناز کو لگا......کہ جس لڑکے سے وہ دوستی کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی ہے......وہ دراصل

وہ اس کا Soulmate ہے......شاید......کچھ چیزیں......وہ بنا سوچے سمجھے کرتی چلی گئی......اُن چیزوں کا......خود ناز کو بھی اندازہ نہیں تھا......

''پھر کیا ہوا؟......آگے کیا ہوا؟''

نادیہ نے تڑپتے دل کے ساتھ پوچھا اور میں اُداس مسکراہٹ اپنے لبوں پر لے آیا۔ گہرا سانس لے کر میں نے کہنا شروع کیا۔

☆......☆

''یہاں سے شروع ہوتا ہے میری ماضی کی زندگی کے آخری باب......میری زندگی کے وہ لمحے......جنھوں نے مجھے بدل کر رکھ دیا۔ صرف مجھے ہی نہیں بلکہ میرے گھر کو بھی۔ ساری رات رو رو کر میں نڈھال ہو چکا تھا، میں آنکھیں کھولتا تو مجھے ناز کا چہرہ نظر آتا......میں آنکھیں بند کرتا تو ناز میری نظروں کے سامنے آجاتی، قسمت نے مجھے بہت بڑا دھوکہ اُس لمحے دیا...... جب میں ناز کو دیوانگی کی حد تک چاہنے لگا۔ اگر ناز مجھ سے الگ ہو کر کہیں اور چلی جاتی تو شاید بات کچھ اور ہوتی، مگر اس کرب کو میں سہ نہیں پا رہا تھا کہ وہ میرے ہی بھائی کی بیوی بن کر میرے گھر میں آئے گی۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

صبح ہی صبح جب سب گھر والے نیند سے بیدار ہو رہے تھے، وہیں میری نیند آنکھوں سے غائب تھی۔ میں رات کا جاگا ہوا، رویا ہوا، تھکا ہوا اپنے کمرے کے فرش پر بیٹھا تھا۔

مجھ پر کیا گزر رہی تھی میں خود نہیں جانتا تھا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا یہ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مجھے ناز سے محبت تھی مگر اس لمحے میرے دل میں اس کے لیے شدید غصہ اور شکایت بھی تھی، نجانے کیا......نجانے کیا سوچ کر میرا دل اُس سے خفا تھا......میرے پاس تو خفا ہونے کا حق بھی نہ رہا تھا......کیوں کہ خفا تو اپنوں سے ہوا جاتا ہے اور اب......ناز میری کوئی نہیں تھی۔

☆......☆

صبح ہی صبح سائرہ خوشی کے عالم میں سب کے لیے ناشتہ تیار کر رہی تھی، اس کے تو جیسے ارمان پورے ہو گئے۔ وہ بھائی کو دولھا بنتے ہوئے دیکھنے والی تھی مگر اُسے شاید اُس بھائی کی پروا نہیں تھی جسے اُس نے کبھی بھائی مانا ہی نہیں۔

''امی!! میں نے سوچا ہے کہ میں شادی میں لال شرارہ پہنوں گی۔''

سائرہ نے ڈائننگ ٹیبل پر جُوس رکھتے ہوئے یہ جملے کہے۔اس وقت ٹیبل پر مظہر صاحب، شہناز بیگم، اظہراورامی موجود تھے۔

''لال رنگ کا شرارہ؟......سائرہ شادی تمھاری ہے؟''

جمشید نے چونک کر پوچھااورسب ہنسنے لگے۔

''میری نہیں پر بھائی کی تو ہے، اکلوتا بھائی ہے میرا سارے ارمان نکالوں گی ان کی شادی پر۔'' سائرہ نے اظہر کے گلے میں بانہیں ڈال کرکہا۔

''اور نہیں تو کیا، تمھیں جو کرنا ہے سائرہ تم کرنا۔جتنا خرچہ کرنا چاہو کرو۔کوئی تمھیں نہیں روکنے والا......اکلوتے بھائی کی شادی ہے......پھر کہاں ایسا موقع ملے گا......''

شاہین بیگم نے مسکرا کرکہا۔

''امّاں؟......آپ کیا کہتی ہیں؟'' سائرہ نے اپنی دادی سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا، جیسا تم اور جمشید میاں چاہیں۔'' شہناز بیگم نے مسکرا کر جواب دیا۔

''امّاں آپ کتنی اچھی ہیں۔'' سائرہ نے اپنی بانہیں دادی کے اردگرد ڈالیں۔

''بس دادی نے مطلب کی کیا بات کردی دادی سب سے اچھی ہوگئیں......''

مظہر صاحب نے مسکرا کرکہا۔

''ابا آپ بھی مطلب کی باتیں کریں نا، زرا شاپنگ کا خرچہ تو دیدیں پلیز......''

سائرہ نے اُداس لہجے میں کہا۔

''سائرہ تمھاری باتوں سے تو واقعی ایسا لگ رہا ہے کہ تمھاری شادی ہے، جب کہ ابھی ہمیں ناز کا جوڑا ابھی لینا ہے۔'' شاہین بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ تو میں خود پسند کروں گی، بھائی جان کی دلھن کا جوڑا صرف میں لوں گی اور کوئی نہیں۔'' سائرہ نے ایک دم سے کہا۔

''چلو بھئی تم ہی لے لینا، مگر رنگ کھلتا ہوالینا۔ ماشا اللہ سے ناز بہت گوری ہے......''

شہناز بیگم نے مسکرا کرکہا۔

''خوبصورت کتنی ہیں، میں تو حیران ہوں۔'' جمشید نے تعریف کی۔

''آپ زرا کم ہی حیران ہوں۔'' اظہر نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اہم اہم نہیں اظہر ایسی بات نہیں ہے، بس اتنا بتا دے شادی کے بعد تیری او پی ڈے ٹائمنگ کیا ہوگی؟'' جمشید نے رازداری سے پوچھا۔

''جمشید!'' سائرہ نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''معافی بیگم!!......''

جمشید نے ایک دم سے کان پکڑے اور سب ہنسنے لگے۔

''آج کتنی خوبصورت صبح ہے!......بس اس صبح کو کبھی کسی کی نظر نہ لگے۔''

شاہین بیگم نے خوش ہو کر کہا۔

"Good Morning Everyone"

میری آواز سن کر سب ایک دم سے چُپ ہو گئے۔ سب پلٹ کر مجھے دیکھنے لگے۔ ایسا لگا جیسے میں نے رنگ میں بھنگ ملا دیا۔ میں نے اس لمحے پینٹ شرٹ اور لُوز ٹائی لگای ہوئی تھی شیو بڑھی ہوئی اور چہرہ اُترا ہوا۔ ہاتھوں میں اسٹیتھو اسکوپ موجود تھا اور آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ سب یہ بات جان گئے تھے کہ میں رات بھر سے سویا نہیں۔

''گڈ مورننگ روحیل بھائی، آپ کا Ovaltene تیار ہے۔''

سائرہ نے ٹیبل پر میرا چاکلیٹ ملک رکھا اور میں خاموشی سے اپنی کُرسی کی طرف بڑھا۔ امّاں نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''برخوردار آپ رات بھر تھے کہاں؟......صبح تین بجے تک تو آپ واپس نہیں آئے تھے۔''

ابا نے مجھے دیکھ کر خشک لہجے میں پوچھا۔

''وہ اہم۔''

میرے منھ سے نکلا کہ ایسے میں اظہر ایک دم سے بولا:

''ارے یہ اور وسیم طرح طرح کے پروگرام بناتے رہتے ہیں، رات بھر نکل کھڑے ہوئے سمندر کی پکنک کے لیے اب حال بُرا ہی ہوگا۔''

''سمندر پر پکنک؟''

ابا کے منھ سے نکلا اور انھوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ انھیں یاد آ گیا تھا کہ کل رات ناز بھی سمندر سے ہو کر آ رہی تھی۔

”چلیں یہ اچھا ہوا کہ اظہر بھائی کی شادی سے پہلے یہ پکنک پر چلے گئے۔اب روحیل بھائی شادی کے بعد والی پکنک پر نہیں چلیں گے۔“

سائرہ نے خوش ہو کر یہ جملے کہے اور سب ہنسنے لگے۔میں جانتا تھا کہ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ سائرہ نے یہ بات محض مذاق میں کہی ہے مگر درحقیقت اس نے اپنے دل کی خواہش کو سب کے سامنے رکھا تھا۔

”میرے خیال سے ہم روحیل کو بریکنگ نیوز بتا ہی دیتے ہیں۔“ جمشید نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں بالکل، گھر میں سب کو پتا ہے بس ایک یہی شخص ہیں جو بے خبر ہیں۔“

ابا نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور میں خاموشی سے اپنا چاکلیٹ ملک پینے لگا۔میں جانتا تھا کہ وہ مجھے کیا خبر سُنانے والے ہیں۔

”بھائی صاحب آپ کچھ سننا چاہتے بھی ہیں یا نہیں؟“

جمشید نے منھ بنا کر مجھ سے پوچھا اور اظہر گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔میں نے ماحول کا تقاضا سمجھ کر ہاں میں سر ہلایا۔

”آپ کے بھائی اظہر میاں بہت جلد گھوڑی چڑھ رہے ہیں، وہ بھی ملک کے مشہور غزل نگار غلام حسن صاحب کی بیٹی گل ناز کے ساتھ۔“

جمشید نے ہنس کر یہ خبر سنائی اور اس کا انداز دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔سائرہ خوشی سے ناچنے لگی، جب کہ یہ جملے میرے لیے برستے تیروں سے کم نہیں تھے۔میرا دل جل کر خاک ہو گیا۔میں جمشید کو تکتا رہا۔

”اور میاں تم سوچ نہیں سکتے کے تمھاری ہونے والی بھابھی کس قدر خوبصورت ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے تاج محل کی کوئی مُورت ہو۔“

ابا نے تعریف کرتے ہوئے یہ جملے کہے اور میں انھیں دیکھنے لگا۔

”شاعری سے اُسے بہت لگاؤ ہے، اُردو اس قدر خوبصورت بولتی ہے کہ ایسا لگتا ہے جیسے پھول جھڑ رہے ہوں۔“

امّاں نے مسکرا کر بتایا اور میں انھیں دیکھنے لگا۔سب مجھے وہ باتیں بتا رہے تھے جو شاید میں اُن سے بہتر جانتا تھا۔

''اور روحیل بھائی غزل اس قدر خوبصورت گاتی ہیں کہ آپ سوچ نہیں سکتے۔'' سائرہ نے خوشی کے عالم میں بتایا۔

''آخر کو وہ اُستاد غلام حسن صاحب کی بیٹی ہیں......سُر تو ان کے گلے میں بسا ہے......'' ابا نے مسکرا کر کہا۔

''بس کہیں جہیز میں طبلہ اور ہارمونیم نہ لے آئے۔''

ایک بار پھر امی نے ایک ایسی بات کہی جسے سن کر سب ایک پل کے لیے خاموش ہو گئے۔کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میرا خون کھول جاتا مگر اس لمحے مجھے امی کے اس جملے سے بڑا سُکون حاصل ہوا۔میں دل ہی دل میں مسکرا کر اظہر اور سب کو دیکھنے لگا۔

''شاہین کس طرح کی باتیں کرتی ہیں آپ، اُستاد غلام حسن کوئی عام انسان نہیں پاکستان کے نامور گلوکار ہیں، بھلا ہم اُن سے جہیز کا تقاضا کیوں کر کرنے لگے۔'' ابا نے بُرا مان کر کہا۔

''اور نہیں تو کیا، ہماری اظہر کی بیوی لاکھوں میں ایک ہے اور ہمیں کیا چاہیے۔''

امّاں نے فخر سے کہا اور میں سوچنے لگا کہ واقعی ناز لاکھوں میں ایک ہے۔

''ویسے بھائی جان، آپ ہنی مون پر کب جائیں گے؟''

سائرہ نے خوش ہو کر پوچھا اور میرا دل جل کر خاک ہو گیا۔میں سفاک نظروں سے اظہر کو دیکھنے لگا۔

''اُمم......اہم......'' اظہر شرمانے لگا۔

''آئے ہائے ہائے زرا گال تو دیکھو صاحب جی کے، کس قدر لال ہو گئے ہیں۔'' جمشید نے خوش ہو کر اُسے چھیڑا۔

''بھئ اس قدر حسین بیوی ہماری ہو تو ہمارے گال بھی لال ہو جائیں۔ ابا نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا، تو یہ بات ہے......'' شاہین بیگم منھ بنا کر بولیں اور سب ہنسنے لگے۔

''ویسے بھائی جان آپ ہنی مون پر جرمنی جائیں، اس قدر رومینٹک جگہ پر اتنا رومینٹک کپل کتنا اچھا لگے گا......'' سائرہ نے خوش ہو کر کہا اور میں سائرہ کو دیکھنے لگا۔

''چلو تم لوگ کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔'' اظہر نے بات جلد از جلد ختم کرنا چاہی۔

''چلو یہ تو ہوا، ویسے بھی ناز جیسی لڑکی کو جرمنی سے کم کسی جگہ پر نہیں جانا چاہیے اس کا حسن ہی

اس قابل ہے کہ اُسے دنیا کی سب سے خوبصورت جگہ پر لے جایا جائے۔‘‘

امّاں نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور میرا دل بیٹھنے لگا۔

’’بالکل...... دنیا دیکھے گی کہ میں اپنے بیٹے کے لیے کس قدر حسین بہو لے کر آئی ہوں...... چراغ ہاتھ میں لے کر بھی ڈھونڈنے نکلو تو ناز جیسی لڑکی نہیں ملے گی کسی کو۔‘‘

امی نے غرور میں یہ جملے کہے اور مجھ سے برداشت سے باہر ہو گیا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا:

’’ابا میں چلتا ہوں۔‘‘

’’جا رہے ہو بیٹے؟‘‘ ابا نے پیار سے پوچھا۔

’’جی۔‘‘ میں نے مختصر جواب دیا اور چل دیا۔

’’روحیل؟‘‘

’’امّاں کی آواز سن کر میرے اٹھتے قدم رُک گئے اور میں پلٹا۔

’’جی امّاں؟‘‘ میں نے پلٹ کر پوچھا۔

"You forgot to congratulate Azhar" امّاں نے دھیرے سے مجھے یاد دلایا اور سب مجھے دیکھنے لگے۔ اظہر بھی پلٹ کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اظہر کو ایک نظر دیکھا، مگر اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ اظہر نے کُرسی کھسکائی اور چل کر میرے پاس آیا کہ شاید میں اُسے گلے لگا لوں، مگر میں اظہر کو تکتا رہا۔ سب میرا یہ رویّہ دیکھ کر تھوڑا سا الجھن کا شکار ہو گئے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

میں نے سرد آہ لی اور ہاتھ بڑھا کر کہا:

"Wish you a good life brother"

میں نے ابھی بھی اظہر کو مبارکباد نہیں دی تھی اور یہ بات سب نے محسوس کی مگر اب کسی نے کچھ کہا نہیں۔ اظہر نے شکریہ کہہ کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور میں باہر کی طرف چل دیا۔ سب مجھے جاتے ہوئے دیکھتے رہے، کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہ کی۔

☆......☆

میری دُنیا اُجڑ چکی تھی۔ دل مرجھا گیا تھا۔ ایک اُمید کے سہارے یہاں تک آ پہنچا تھا، سوچا تھا کہ زندگی کا اگلا حصہ بہترین ہوگا۔ میری تکلیفوں میں کمی آئے گی، مجھے ایک گھر ملے گا جہاں میرا

اپنا خود کا خاندان ہوگا، وہ خاندان ...... جسے میں ناز کا ہاتھ تھام کر بنانا چاہتا تھا...... وہ سپنا...... اب بکھر چُکا تھا۔ میرے جسم کے اندر میری روح کا انتقال ہو چکا تھا۔

اسپتال کی او پی ڈی میں اپنی کُرسی پر بیٹھا، میں اپنی بربادی پر اکیلا ماتم کر رہا تھا۔ بہت بڑا دھوکا دیا گیا تھا مجھے۔ میرا دل کرب سے تڑپ رہا تھا۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر سب کی باتیں سن کر میرا دل مزید جل چُکا تھا۔ ناز کی روح پر اظہر کے پیار کی مہر تو تھی ہی...... مگر اب اس کے جسم پر بھی اظہر کا حق تھا۔ یہ بات سوچ کر میرا دل جل رہا تھا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ میں کیا کروں اور کیا نہیں، کیوں کہ مجھ سے ناز کو چھیننے والا کوئی غیر نہیں بلکہ میرا بھائی ہی تھا۔ مجھے ناز کے ساتھ بتائے ہوئے ہر پل یاد آرہے تھے، اس کی باتیں، اس کی آہٹ، اس کے لمس کو میں ابھی بھی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ کس حد تک میرے قریب آ کر آ چکی تھی صرف میرا خدا ہی سمجھ سکتا تھا۔

''دھوکا...... دھوکا دیا تم نے مجھے ناز......''

میرے منھ سے نکلا اور میں نے غصے کے عالم میں اپنی مُٹھی کو بھینچ لیا۔ اب میرے اندر محبت کا نہیں بلکہ نفرت کا لاوا پک رہا تھا۔ زندگی نے مجھے کچھ نا دیا تھا۔ امی اور سائرہ نے سوائے نفرت کے مجھے کچھ نا دیا، امّاں بچاری کب تک میرا ساتھ دیتیں، وہ پہلے ابا سے محبت کرتی ہیں، بعد میں کہیں جا کر میرا نمبر آتا ہے۔ ابا مجھے بار بار اپنا بیٹا کہتے ہیں، مگر ناز...... ناز اظہر کے حصے میں آئی، اور اظہر؟...... اظہر نے تو حد ہی کر دی...... مجھے بھائی کہ کر...... میری زندگی مجھ سے چھین لی!۔

پر اب میں کر بھی کیا سکتا ہوں، کسی کو پروہ نہیں تھی کہ میں جیوں یا مروں...... میں اگر گل ناز کی یاد میں روتا بھی...... تو میرے آنسوؤں کو بے معنی سمجھا جاتا...... میں اگر گل ناز کی یاد کے لیے تڑپوں...... تو مجھے یہ کہ کر گنہگار کہ دیا جائےگا...... کہ میں اپنے بھائی کی بیوی کے لیے اس قدر گھناونی بات سوچ رہا ہوں...... لیکن قصور میرا نہیں...... قصور میرا نہیں!!...... میں نے کیا ہی کیا ہے؟...... جو عورت میرے قریب آئی...... جس نے میری سوچوں کو اپنے قبضے میں لیا...... میرے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا...... اُس عورت نے دوستی کے نام پر...... مجھ سے وہ رشتہ چھپا لیا...... جو حقیقت میں تھا۔

بس بہت ہو گیا!...... بہت کھلونا بن چُکا میں...... بہت کھیل لیا لوگوں نے میری زندگی کے

ساتھ......اب ناز کو کچھ سوالوں کے جواب دینے ہوں گے......

یہ سوچ کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی او پی ڈی سے باہر نکلا۔ میں نے اپنے لیے کچھ فیصلے کر لیے تھے اور اب میرا دل انھیں فیصلوں پر عمل کرنے جا رہا تھا۔ بہت ہو گیا دوسروں کے لیے جینا...... بہت ہو گیا دوسروں کے لیے مرنا۔ اب مجھے اپنے لیے کچھ کرنا تھا۔

میں اپنی او پی ڈی سے باہر نکلا اور اسپتال سے نکلتا چلا گیا۔ نرسز اور ڈاکٹرز مجھے جاتے ہوئے دیکھتے رہے مگر کسی نے روکنے کی کوشش تک نا کی۔ میں پارکنگ لوٹ میں آیا اور اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ میں نے بیدردی سے اپنی گاڑی پارکنگ لوٹ سے باہر نکالی اور ہارن بجاتا ہوا اسپتال سے باہر نکلا۔ میں نے اس بات کا لحاظ بھی نہیں کیا تھا کہ اسپتال کے سامنے حورن بجانا سخت منع ہے۔ میری گاڑی اس لمحے Horizon School کی طرف دوڑ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔

جلد ہی ناز کے اُسکول کے سامنے پہنچ گیا۔ بنا وقت ضائع کیے اپنی گاڑی سے اُترا۔ دروازہ سختی سے بند کیا اور اسکول کی طرف چلا۔ اسکول کا مرکزی دروازہ کھولتا ہوا میں ناز کی کلاس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ استقبالیہ پر لڑکی نے بھی حیران ہو کر مجھے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ شخص انتہائی غصے میں ہے جسے روکنا قریب ناممکن ہے۔

میں چلتا ہوا ناز کی کلاس کی طرف بڑھا اور جلد اس کی کلاس میں داخل ہوا۔

ناز نے چونک کر مجھے دیکھا۔ وہ کُرسی پر بیٹھی ہوئی بچّوں کو نظمیں سنا رہی تھی۔ اس کے زانوں پر نظموں کی کتاب موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی۔ حیرت زدہ سی مجھے تکنے لگی۔ ہمیشہ کی طرح وہ حسین لگ رہی تھی، نیلے کُرتے شلوار میں اس کا حُسن دیکھنے والا تھا، مگر اس کی آنکھوں سے پتا لگ رہا تھا کہ رات بھر وہ بھی نہیں سوئی۔

بچّے بھی دو پل کے لیے گھبرا سے گئے اور ڈر کر مجھے دیکھنے لگے۔

''روحیل؟......آپ؟''

ناز نے پریشان ہو کر مجھے دیکھا۔ وہ اس لمحے تھوڑی ڈر سی گئی تھی۔

میری نظریں ناز پر جمی ہوئی تھیں اور میں اُسے بے رحمی سے گُھور رہا تھا۔ ناز کتاب ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور گھبرا کر مجھے دیکھنے لگی۔

میں چلتا ہوا ناز کے پاس آیا اور اُسے دیکھنے لگا۔ اس لمحے وہ بھی مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔
اچانک میں نے ناز کا ہاتھ جکڑ لیا اور اُسے گھسیٹ کر باہر لیجانے لگا۔
’’آہ!......روحیل!‘‘
تکلیف کے عالم میں ناز نے مجھے پُکارا!...... پر میں بے رحمی سے اُسے گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ اب ہم دونوں کوریڈور پار کررہے تھے اور میں کسی خالی کلاس کے لیے نظریں دوڑا رہا تھا۔ جلد ہی مجھے ایک خالی کلاس نظر آئی اور میں جھٹکے سے ناز کو اندر لے گیا۔
اندر لیجاتے ہی میں نے ناز کو دھکّا دیا اور دروازہ بند کر کے چابی سے لاک لگایا۔ جیسے ہی دروازہ لاک ہوا میں نے چابی لاک سے نکال کر دُور پھینک دی۔
ناز اس لمحے بُری طرح ڈر گئی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیے، وہ خوفزدہ ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔
میں پلٹا اور ناز کو گُھورنے لگا۔ اس لمحے وہ دہشت سے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔ میں چلتا ہوا ناز کے پاس گیا اور اس کے گلے پر ہاتھ جما دیے۔
’’آہ!!......‘‘ ناز کے منھ سے تکلیف کے عالم میں آہ نکلی۔
"Why you did that to me!!?!.... Tell me why the hell! you did that to me!!?!" میں اُس پر چلّایا۔
’’روحیل پلیز......‘‘ ناز آنکھیں بھینچ کر رونے لگی۔
’’تم میری ہو اور میری رہو گی!...... میں کچھ نہیں جانتا کہ کون کس سے پیار کرتا ہے اور کس سے محبت!...... اب وقت آ گیا ہے کہ جو میرے لیے بنا ہے میں وہ حاصل کرلوں!...... میں تھک گیا ہوں زندگی سے ہار ہار کر!...... اب نہیں!...... اب اور نہیں!!...... تمھیں اظہر سے شادی سے انکار کرنا ہوگا!......‘‘ میں نے غرّا کر کہا۔
’’میں یہ نہیں کرسکتی......‘‘ ناز روتے ہوئے بولی۔
’’کیوں نہیں کرسکتیں!؟!...... تمھارا پیار میں ہوں وہ نہیں ہے!...... ہم دونوں نے جو وقت ساتھ میں گزارا ہے وہ اُس میں شامل نہیں ہے!...... ناز ہم دونوں کے بیچ میں کوئی نہیں آسکتا!......‘‘ میں نے چلاّ کر کہا۔

''لیکن میری محبت آپ نہیں ہیں !!......'' ناز نے بھی چلّا کر جواب دیا۔

''پھر کون ہے تمھاری محبت ؟'' میں چیخ اُٹھا !

''میں صرف......اور صرف...... اظہر سے پیار کرتی ہوں...... اور مرتے دم تک کرتی رہوں گی !''

ناز نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ جملے کہے اور میں نفرت کے عالم میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے ناز نہ تو ڈگمگائی تھی اور نا ہی اس کی آنکھیں جھوٹ بول رہی تھیں۔ میں جان گیا تھا کہ وہ جو کہ رہی ہے بالکل سچ کہ رہی ہے۔

میرا دل خاک کا ہو کر رہ گیا۔ میں نے اپنی گرفت ناز کے گلے پر مضبوط کرلی۔

''آہ !......'' ناز کے منہ سے تکلیف کے عالم میں نکلا۔

''جی تو چاہتا ہے کہ تمھارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں......لیکن تم میرے بھائی کی امانت ہو اس لیے چھوڑ دیتا ہوں......مگر اتنا یاد رکھنا......کہ تم نے مجھے دھوکا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی !......تم ایک دھوکے باز ہو ناز !!''

میرے یہ جملے ناز کے دل پر تیر کی طرح لگے۔ وہ سکتے کے عالم میں چہرہ چہرہ تکنے لگی۔ اُسے ایک فیصد بھی اُمید نا تھی کہ میں اُس پر اس قدر گھناونا الزام لگا سکتا ہوں۔

''تم محبت اظہر سے کرتی ہو...... پر گھومتی میرے ساتھ تھیں......تم عشق اظہر سے کرتی ہو مگر سنگیت میری زندگی میں گھولا......تم اظہر سے شادی کرنا چاہتی ہو...... جب کہ تمھیں بانہوں میں میں نے لیا......ناز تم وہ ناگن ہو......جس نے مجھے بُری طرح ڈسا ہے......''

میں انتہائی غصے میں یہ سب کچھ کہ گیا اور میں نے محسوس کیا کہ ناز کی نظروں میں اب میرے لیے محبت نہیں بلکہ نفرت ہی نفرت بڑھ گئی ہے۔ دو پل کے لیے ناز میرا چہرہ تکتی رہی...... پھر اپنے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ لا کر کہا:

''آخر......ایک کافر عورت کا خون رنگ لے آیا......''

ناز کے یہ الفاظ اگر سمندر پر پڑتے تو سیلاب کے سیلاب آ جاتے، ناز کے یہ الفاظ اگر پہاڑوں پر پڑتے تو شاید پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جاتے، ناز کہ یہ الفاظ اگر ہواؤں پر پڑتے تو شاید ہوائیں کہیں کھو جاتیں، مگر یہ میرا دل تھا جو اس قدر تلخ جملے سننے کے باوجود بھی دھڑک

رہا تھا۔ میری آنکھیں پھٹ پڑی تھیں۔ جسم سکتے کے عالم میں آ گیا۔ میں حیران ہو کر اُس لڑکی کو دیکھنے لگا جسے میں نے زندگی میں سب سے زیادہ چاہا، مگر آج اُسی لڑکی نے ایک ایسی بات کہی تھی ...... جسے سُننے کی مجھے ایک فیصد بھی اُمید نہ تھی۔ میرے ہاتھ ناز کے گلے سے ہٹ گئے اور میں حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ ناز نے اپنا گلا سہلایا اور میری طرف نفرت انگیز نظروں سے دیکھ کر کہنے لگی:

''اب تک میں سمجھتی تھی ...... کہ دنیا غلط ہے مگر آپ صحیح ہیں ...... میں سمجھتی تھی کہ اظہر کی آپ سے محبت بے وجہ نہیں ہے ...... لیکن آج میں آپ کے چہرے پر تھوکتی ہوں!! ...... میں اُس ہر شخص کی ہامی بھرتی ہوں جو آپ سے نفرت کرتا ہے! ...... کیوں کہ آپ صرف نفرت کے قابل ہیں!! صرف نفرت کے!!''

ناز کے جملے سن کر میں رو پڑا۔ آنسو اب میرے چہرے پر بہ رہے تھے۔

''پیار چھین کر حاصل نہیں کیا جاتا روحیل صاحب ...... پیار خدا کی طرف سے انسان کو ایک عطیہ ہے، یہ پیار مجھے اظہر سے ہے ...... یہ پیار اظہر کو مجھ سے ہے ...... آپ کے دل میں جو چیز موجود ہے وہ پیار نہیں صرف ایک ہوس ہے!! ...... اور ہوس صرف جانوروں میں ہوتی ہے ...... انسانوں میں نہیں!! ......''

ناز نے ایک ایک جملہ نفرت سے بھرے زہر کے ساتھ ادا کیا اور میں اس کا چہرہ تکتا رہ گیا۔ جس لڑکی سے میں نے ہمیشہ محبت کی خواہش رکھی آج وہی لڑکی مجھ سے نفرت کرنے لگی تھی۔ میں روتی ہوئی آنکھوں سے ناز کا چہرہ تک رہا تھا۔

''میری رگوں میں مسلمان گھرانے کا خون بہ رہا ہے ...... اور میرے باپ نے میری پرورش مسلمان طور طریقے سے کی ہے ...... میں ایک کافر ماں کی اولاد سے محبت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی ...... اب مجھے ہر اُس پل کو سوچ کر گھن آ رہی ہے جو میں نے آپ کے ساتھ بتایا۔'' ناز نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ناز ...... ناز ...... پلیز ......'' میں رو پڑا۔

''مجھے آپ سے صرف نفرت ہے ...... صرف نفرت!! ......''

وہ غرّا کر بولی اور میں آنکھیں بھینچ کر رونے لگا۔

اسی وقت کلاس کا دروازہ باہر سے کھلا۔اضافی چابی سے باہر سے دروازے کالاک کھول دیا گیا تھا۔جیسے ہی دروازہ کھلا کئی چوکیدار، ٹیچرز اور اسکول پرنسپل کلاس میں آئے۔

''پکڑلواُسے!!......''

اسکول پرنسپل نے چلّا کر حکم دیا اور چوکیداروں نے مجھے جکڑ لیا!......:

''اوے!لڑکی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے!......''

چوکیداروں نے میرا گریبان کھینچ کر یہ جملے کہے پر میری نظریں ناز پر ہی ٹکی رہیں۔ناز بھی اس لمحے مجھے نفرت سے دیکھتی رہی۔چوکیداروں نے مجھے کھینچنا شروع کیا...... پر میں ناز کو ہی تکتا رہا...... وہ مجھے بے دردی سے گھسیٹ کے باہر لے جانے لگے...... مجھے گالیاں دے رہے تھے...... مجھے دھکّے دے رہے تھے......مگر میں اس لمحے ختم ہو چکا تھا...... میں مٹ چُکا تھا......

ایک طرف کھڑی ناز مجھے دیکھتی رہ گئی۔اسکول پرنسپل آگے بڑھ کر ناز سے اس کا حال پوچھنے لگے۔چوکیدار مجھے گھسیٹ کر اسکول کے باہر لے آئی۔

اس وقت کئی لوگ کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے لگے تھے۔کچھ نے موبائل فون نکال کر وڈیو بنانا شروع کر دی۔

''سالا عورت کی عزّت پر ہاتھ ڈالتا ہے!......حرامزادہ!......''ایک چوکیدار طیش میں بولا۔

''سالے کی ماں چکلے پر بیٹھتی ہوگی۔''ایک چوکیدار نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''حرامزادوں!......''

میں چلّا اُٹھا!اور ایک چوکیدار سے ڈنڈا کھینچ لیا اور کس کے دوسرے کے سر پر دے مارا!!۔

ایک ہی لمحے میں چوکیدار کا سر پھٹ گیا اور وہ پلٹ کر گرا۔اب میری طرف دوسرا چوکیدار بڑھا پر میں نے اس بار ڈنڈا اس کے پیٹ پر دے مارا۔وہ بلبلا اٹھا۔طیش میں آ کر میں نے دو چار مُکّے اس کے منھ پر برسا دیے، وہ الٹ کر گرا۔اب میں اُس چوکیدار کی طرف پلٹا جس نے میری ماں کے بارے میں غلط الفاظ کہے تھے۔

''حرامزادے اٹھ!......اٹھ!!......''

میں نے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا!! مگر وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔آس پاس کے لوگ خوفزدہ ہو کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔ناز بھی اس لمحے باہر آ گئی اور میرا یہ رُوپ دیکھ کر دھک

سے رہ گئی تھی۔

''اب بول میری ماں کے بارے میں!...... اب بول میری ماں کے بارے میں!!...... بول!!......''

میں پاگلوں کی طرح چیختا ہوا چوکیدار کو ڈنڈے مار رہا تھا۔ وہ اس وقت خون میں لت پت تھا اور میرے کپڑے بھی کیچڑ اور خون میں بھیگ چُکے تھے، مگر میرے اوپر دیوانگی طاری تھی، مگر مجھے ہوش تب آیا جب نہایت ہی موٹا ڈنڈا میرے سر پر پڑا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ میرا سر پھٹ چُکا تھا، خون بہت تیزی سے باہر آیا تھا۔ اسی حالت میں میں پلٹا تو دوسرے چوکیدار کو سامنے پایا۔ وہ ایک بار پھر مجھے مارنے کے لیے تیار تھا مگر اس بار میں نے اس کا ڈنڈا ہاتھ سے پکڑ لیا اور ایک لات اس کے پیٹ پر دی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ اب ہم تینوں ہی سڑک پر نڈھال پڑے تھے اور لوگ صرف حیران ہو کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ میری سانس پھولی ہوئی تھی اور سر سے خون بہ کر میرے چہرے پر آ گیا تھا۔

''میری ماں کو گالی دی...... میری...... میری ماں کو گالی دی......''

پھولی ہوئی سانس کے ساتھ میں اُٹھا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ سب مجھے حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ میں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اپنی سیٹ کے نیچے سے پستول نکال کر چوکیداروں کی طرف بڑھا۔ پستول دیکھ کر لوگوں میں دہشت دوڑ گئی اور سب بھاگ کر پیچھے ہونے لگے۔ میں پستول لوڈ کر کے چوکیداروں کی طرف آیا۔

''روحیل!!...... روحیل!!......''

ناز چلّا اُٹھی اور میری طرف دوڑ کر آئی مگر میں اپنے آپے میں نہیں تھا۔ میں نے پستول چوکیداروں پر تان لی!، میں فائر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا!!...... چوکیدار خوف زدہ ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں ٹریگر پر انگلی رکھ کے دبانے ہی لگا تھا کہ عین اسی وقت ناز دوڑتی ہوئی آئی اور میرے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی!......

''چھوڑ دو مجھے ناز!......'' میں چلّایا!!۔

''نہیں روحیل! نہیں!......'' ناز مجھے روکنے لگی۔

’’میں کہتا ہوں چھوڑ دو مجھے!......‘‘ میں دھاڑا!!......

یہی وہ لمحہ تھا جب ایک زناّٹے دار تھپڑ میرے گال پر رسید ہوا!۔

تھپڑ میرے گال پر پڑنا تھا کہ میرے جسم سے روح نکل گئی...... جسم سُن پڑ ھ گیا......لوگ سکتے کے عالم میں یہ منظر دیکھنے لگے۔ ناز نے میرے گال پر تھپڑ جڑ دیا تھا، وہ میری طرف دیکھ کر اب زارو قطار رو رہی تھی۔

’’برباد کر دیا......سب کچھ برباد کر دیا......سب کچھ......‘‘

ناز روتے ہوئے کہنے لگی اور میں اُسے آنسو بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ نیچے پڑے چوکیدار بھی اب خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

پولیس کے سائرن سب لوگوں نے سُنے اور جلد ہی پولیس موبائل آ کر رُکی۔ ایس ایچ او نے اُترتے ہی سارہ ماجرہ سمجھ لیا: ’’لے چلو اسے......‘‘

کانسٹیبل میری طرف بڑھے اور میری ہتھیلیوں میں ہتھکڑی لگانے لگے۔ میری نظریں اس لمحے ناز پر ہی جمی تھیں اور وہ مجھے روتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پولیس والے مجھے تھام کر موبائل میں بٹھانے لگے۔ پولیس موبائل چل پڑی اور میں بہت دیر تک ناز کو دیکھتا رہا...... بہت دیر تک۔

☆......☆

ڈاکٹر مظہر اپنے اسپتال کے دفتر میں بیٹھے ہوئے اپنا کام سمیٹ رہے تھے۔ اظہر بھی انہی کے پاس موجود تھا کہ ایسے میں ان کے فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر مظہر نے فون اٹھایا۔

’’ڈاکٹر مظہر اسپیکنگ۔‘‘

دوسری طرف کی بات سن کر وہ کہنے لگے:

’’اوہو وسیم میاں یہ آپ ہیں...... کہیے کیا حال ہیں؟......کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟ کیا؟...... یہ تم کیا کہ رہے ہو؟......روحیل؟‘‘

اپنے بھائی کا نام سن کر اظہر بھی بُری طرح چونکا اور انھیں دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر مظہر کے چہرے پر اب ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔ سب کچھ سُننے کے بعد وہ کہنے لگے:

’’تم فکر مت کرو...... میں پولیس اسٹیشن آ رہا ہوں، تم بھی پولیس اسٹیشن پہنچو۔ خدا حافظ‘‘۔

یہ کہ کر انھوں نے فون بند کر دیا۔

''کیا بات ہے ابا؟ سب ٹھیک تو ہے؟'' اظہر نے پریشان ہو کر پوچھا۔
''روحیل حوالات میں ہے، اٹیمپٹ مرڈر کیس چارج ہوا ہے۔''
ڈاکٹر مظہر نے پریشانی کے عالم میں بتایا اور اظہر حیران رہ گیا۔ڈاکٹر مظہر اپنی کُرسی سے اٹھے اور کوٹ پہنتے ہوئے کہنے لگے:
''میں وسیم کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں، تم میرے ڈرائیور کے ساتھ گھر جاؤ، کسی سے کچھ کہنا نہیں کہ کیا ہوا ہے۔ میں اُسے واپس لے کر آتا ہوں۔''
''ٹھیک ہے ابا......''
اظہر نے پریشان ہو کر یہ جملے کہے اور ڈاکٹر مظہر اپنے دفتر سے نکلے۔اظہر پریشانی کے عالم میں وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆......☆

''انسپکٹر پلیز......''
وسیم نے تھانے میں بیٹھے ہوئے اُسے سمجھانا چاہا مگر انسپکٹر نے اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دی۔
''نہیں وسیم صاحب، یہ ممکن نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔
''سر کیوں ممکن نہیں؟......حادثہ صرف ایک گھریلو جھگڑا تھا اور کچھ نہیں......''
وسیم نے پیار سے کہا۔
''ایک لڑکی کی عزّت پر حملہ کر دینا اور پھر دو چوکیداروں کو قریب قریب قتل کر دینا گھریلو جھگڑا تو نہیں ہوتا وسیم صاحب۔'' انسپکٹر نے طنز کیا۔
''دیکھیے، محترمہ ہمارے ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا جھگڑا ایک گھریلو جھگڑا تھا۔خدانخواستہ ایسا ویسا روحیل نہیں کرنا چاہتا تھا۔روحیل ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے، آپ خود سوچیں بھلا ایک ڈاکٹر ایسا کیسے کر سکتا ہے؟'' وسیم فکر مند ہو کر کہتا چلا گیا۔
''چلیے یہ چھوڑیے آپ یہ بتائیں چوکیداروں کو کس خانے میں فٹ کریں گے؟''
انسپکٹر نے ہاتھ باندھ کر پوچھا۔
''انھیں آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔''

ڈاکٹر مظہر کی آواز سن کر انسپکٹر اور وسیم نے چونک کر انھیں دیکھا۔ ڈاکٹر مظہر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ پریشانی کے عالم میں انسپکٹر کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ کی تعریف؟" انسپکٹر نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

"یہ ملک کے مشہور ڈاکٹر جناب ڈاکٹر مظہر ہیں، روحیل کے تایا۔" وسیم نے تعارف کرایا۔

"تشریف رکھیے ڈاکٹر صاحب۔"

انسپکٹر نے اطمینان بھرے لہجے میں انھیں بیٹھنے کے لیے کہا اور ڈاکٹر مظہر کرسی پر بیٹھ گئے۔

"ہاں جی فرمایئے ڈاکٹر صاحب...... کیا تربیت دی ہے آپ نے اپنے بھتیجے کو؟"

انسپکٹر نے طنز کیا اور ڈاکٹر مظہر شرمندہ ہو گئے۔

"دن دیہاڑے ریپ کرنے کی کوشش کرتا ہے...... قتل کرنے کا سوچتا ہے...... مجھے تو آپ لوگوں پر شک ہو رہا ہے۔" انسپکٹر نے زہر اگلا۔

"آپ ان سب باتوں کو رہنے دیں جن کا کوئی مقصد نہیں۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میں دونوں چوکیداروں کے علاج کا خرچہ اور ان کے دو مہینے کا خرچہ اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔" ڈاکٹر مظہر نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب معاملہ اتنا سیدھا سادھا نہیں رہا جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ اٹیمپٹ مرڈر کیس ہے پورا علاقہ ہل گیا ہے اس بات سے۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

اُس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"انسپکٹر میں ایک انتہائی مصروف آدمی ہوں، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں اور میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم کام کی بات پر آجائیں۔" ڈاکٹر مظہر نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو کیجیے نا کام کی بات، میں نے منع کب کیا ہے۔" انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

"پچاس ہزار روپے، نقد......

یہ کہ کر ڈاکٹر مظہر نے نوٹوں کی گڈّی اس کے سامنے رکھی۔"

انسپکٹر نے نوٹوں کو دیکھا اور ہنس کر کہنے لگا:

"بات مجھ تک نہیں رہی ہے ڈاکٹر صاحب، تھانے کے کانسٹیبل بھی سارہ واقعہ دیکھ چکے

ہیں۔ پچاس ہزار تو اُن کو چُپ کرانے میں ہی خرچ ہو جائیں گے۔''

''ایک لاکھ روپے، نقد۔''

ڈاکٹر مظہر نے اطمینان کے ساتھ یہ جملے کہے اور نوٹوں کی گڈّی اس کے سامنے رکھی۔ انسپکٹر نے ایک نظر نوٹوں پر ڈالی اور پھر ڈاکٹر مظہر پر۔ پھر مسکرا کر بولا:

''تھوڑا......اور......''

ڈاکٹر مظہر نے گہرا سانس لیا اور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک گڈّی اور نکالی۔

''پانچ لاکھ روپے......نقد۔''

''ہائے......'' انسپکٹر نے ایک گہرا سانس لیا اور گڈّی پر ہاتھ رکھا۔

''آپ واقعی ملک کے مانے ہوئے ڈاکٹر ہیں......رحیم......ڈاکٹر کو لے آؤ......''

اس کا حکم سن کر وسیم اور ڈاکٹر مظہر نے اطمینان کا سانس لیا اور ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆......☆

میں حوالات میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ میرے سر سے خون بہ کر ماتھے پر جم چُکا تھا۔ مجھے ہر ایک منٹ بعد شدید چکّر محسوس ہو رہا تھا۔ شاید مجھے Concussion ہوا تھا۔ تکلیف اگر چوٹ کی ہوتی تو برداشت ہو جاتی مگر اس لمحے ناز کے جملے واپس پلٹ پلٹ کر میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ ناز کے الفاظوں نے میرا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔ میرے پاس جینے کی اب کوئی وجہ نہ تھی۔ جس لڑکی کو میں نے حد سے زیادہ پیار کیا تھا وہ مجھے ہوس کا طعنہ دے چُکی تھی۔

''چلو اٹھو......تم رہا ہو گئے ہو......''

کانسٹیبل کی آواز سن کر مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا، میں وہیں بیٹھا رہا۔ کانسٹیبل اس بات کو سمجھ چکا تھا کہ میرا اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ منہ بنا کر اندر آیا اور مجھے بیدردی سے اٹھا کر باہر کی طرف لیکر چلا۔

میں پھنسے پھنسے قدموں سے چلتا ہوا انسپکٹر کے کمرے میں داخل ہوا تو وسیم اور ابا کو وہاں پایا۔

''روحیل!!......''

وسیم کے منہ سے خوشی سے نکلا اور اُس نے مجھے تھاما۔ میں نے ابا کو دیکھا تو وہ انتہائی حیرت

کے عالم میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ جس لڑکے کو انھوں نے بڑے پیار سے ڈاکٹر کی ڈگری دلائی تھی آج وہی لڑکا پھٹی شرٹ، ماتھے پر خون اور بے حال ان کے سامنے کسی غنڈے کے رُوپ میں کھڑا تھا۔ اس لیے اُن پر سکتہ ہونا لازمی بات تھی۔

''ڈاکٹر مظہر آپ اپنے بھتیجے کو سمجھالیں کہ آئندہ اگر ایسی پنچ قسم کی حرکت کی تو سیدھا جیل بھجوادوں گا۔'' انسپکٹر نے اکڑ کر کہا۔

''رنڈی کی اولاد......'' میرے منہ سے انتہائی نفرت میں نکلا۔

''روحیل!......'' ابا دھک سے رہ گئے۔

''کیا بولا!!......'' انسپکٹر غرّا کر اٹھا۔

''اطمینان!!......اطمینان انسپکٹر!''

ابا نے ہاتھ بڑھا کر یہ جملے کہے اور انسپکٹر مجھے دیکھتا ہوا واپس کُرسی پر بیٹھا۔

''روحیل!!......'' ابا نے مجھے سختی سے گھُورا لیکن اس بار میں خاموش رہا۔

''چلو وسیم۔''

ابا نے وسیم کو دیکھ کر حکم دیا اور وسیم مجھے تھام کر لیجانے لگا۔

انسپکٹر کافی دیر تک مجھے گھُورتا رہا۔

☆......☆

تھانے سے باہر آکر وسیم اپنی گاڑی میں گھر چلا گیا، جب کہ میں ابا کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ خاموشی کے عالم میں کھڑکی سے باہر تک رہا تھا۔ ابا بھی خاموشی سے گاڑی چلا رہے تھے۔ شاید ہم دونوں کے پاس کچھ کہنے کو نہیں تھا، مگر میں جانتا تھا...... بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ ابا کے پاس کچھ سوال ہیں...... جن کے جوابات کے وہ طلبگار تھے...... وہ بیتاب تھے۔

گاڑی چلاتے ہوئے ابا نے مجھ پر ایک نظر ڈالی۔ میں خاموشی سے بیٹھا رہا، ایک لفظ نہ کہا۔ ابا نے گہرا سانس لے کر گاڑی کو سائیڈ پر روکا۔ گاڑی کے رُکنے سے ہی میں سمجھ گیا کہ ابا مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔

انھوں نے اپنی آنکھوں پر لگے چشمے کو اُتارا اور اپنی آنکھوں پر انگلیاں رکھ لیں۔ کچھ پل رُک کر انھوں نے واپس چشمے کو آنکھوں پر لگایا اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگے:

''تو.....توتم.....تم ناز سے محبت کرتے ہو؟''

ابا کا یہ سوال میرا دل تڑپ گیا۔ وہ سمجھ چکے تھے میرے غصے کا سبب۔ میں دل ہی دل میں رونے لگا۔ لبوں سے کچھ نہ کہا۔

''یہی وہ لڑکی تھی جسے تم نے چاہا تھا؟.....جس سے تم پیار کرنے لگے ہو؟''

انھوں نے ٹھیرے ہوئے لہجے میں پوچھا اور میں خاموشی سے آنسو بہانے لگا۔

''لڑکیوں کی طرح رونا بند کرو روحیل!!.....'' ابا غرّائے مگر میرے آنسو نا رُکے۔

''یا اللہ.....''

ابا نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور سوچنے لگے۔ میں اب بھی خاموش رہا۔ ابا نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہنے لگے:

''اب کیا چاہتے ہو تم؟..... ناز کو ڈرانا دھمکانا چاہتے ہو؟..... زبردستی شادی کرنا چاہتے ہو؟..... یا اظہر اور ناز کی زندگی میں زہر گھولنا چاہتے ہو؟.....کیا چاہتے ہو تم؟..... کہ میں غلام صاحب سے کہوں..... اظہر نہیں.....روحیل اب ناز سے نکاح کرے گا؟.....پھر اظہر کا کیا ہوگا؟.....اس کی محبت کا کیا ہوگا؟''

اُن کے اس سوال پر بھی میں خاموش رہا۔

''روحیل تم میرے سب سے پیارے بیٹے رہے ہو..... میں نے تمھیں ہمیشہ اظہر سے زیادہ چاہا ہے.....اس لیے کہ تم میرے بھائی کی آخری نشانی ہو..... مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ کس چیز کی کمی رہ گئی جو آج تم اس حال میں اُتر آئے ہو.....؟.....ایسی کیا کمی رہ گئی؟''

ابا نے دکھی لہجے میں پوچھا۔

''محبت.....''

میرے اس آنسو بھرے جواب نے ابا کو تھرّا دیا۔ وہ میرے چہرے کو تکنے لگے۔

''ہاں ابا.....محبت کی کمی رہی..... مجھے آپ سے محبت ملی ہے ابا..... مجھے آپ نے بہت پیار دیا ہے.....مگر جب کبھی میں نے کسی کو چاہا..... جب کبھی میں نے کسی سے پیار کیا..... مجھے نہیں ملا.....''

میں نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور ابا مجھے دیکھنے لگے۔

''یاد ہے ابا آپ کو؟...... اکتوبر بائیس کی وہ تاریخ...... ایک رات آپ جب اپنی او پی ڈی سے باہر آرہے تھے...... تو ایک لڑکی آپ کے کلینک میں داخل ہوئی تھی...... بدحواس...... پریشان حال...... اپنی ماں کے لیے...... آپ کو لے جانے آئی تھی...... اور آپ کو جانا پڑا تھا...... اور کب...... کیسے...... کس طرح آپ اُسکو چاہنے لگے...... یہ بات آپ آج تک نہیں سمجھ سکے...... یاد ہے آپ کو؟''

میرے یاد دلانے پر ابا خاموش ہو گئے اور گاڑی کے اسٹیئرنگ کو تکنے لگے۔

''وقت نے بالکل یہی کہانی میرے ساتھ دوہرای ہے ابا...... میں آپ کی شادی کی سالگرہ کی وہ رات نہیں بھول سکتا...... جب ناز بدحواس ہو کر اسپتال آئی تھی اور مجھے اپنے ساتھ گھر پر لے گئی...... مجھ سے دوستی کی...... ...... میری ادھوری زندگی میں خوشبو بکھیرتی چلی گئی...... وہ میرے ساتھ گھومی...... وہ میرے ساتھ پھری...... مجھ سے اپنے دل کی باتیں کہیں...... کچھ میرے دل کی سُنی...... ہم دونوں کب ایک دوسرے کے دوست بنتے گئے...... وہ جانتی تھی...... نہ ہی میں...... لیکن میری کہانی کا انجام...... آپ کی کہانی سے مختلف نہ رہا...... آخر میں...... جس طرح آپ نے اُس کو کھو دیا...... وجہ یہ تھی...... کہ وہ کسی کی امانت تھی...... اُسی طرح آج میں نے اُسے کھو دیا...... کیوں کہ وہ کسی اور کی امانت ہے...... بس افسوس اس بات کا ہے...... کہ وہ کوئی اور...... کوئی اور نہیں بلکہ...... میرا اپنا بھائی ہے......''

یہ کہہ کر میں زار و قطار رونے لگا۔ ابا میرے درد کو سمجھنے لگے۔

''مجھے صرف اتنا سمجھا دیں ابا...... کہ آج بیس پچیس سال گزرنے کے بعد بھی...... کیا آپ اپنی محبت کو بھول سکے؟...... تو بتائیے...... میں کیسے بھول سکتا ہوں؟''

میرا یہ کہنا تھا کہ ابا نے مجھے گلے لگا لیا اور میں اُن سے لپٹ کر رونے لگا۔

''بس میرے لعل...... بس......''

ابا کی آنکھیں جھلملا گئی اور میں روتا رہا۔

''زندگی نے تیرے لیے بہت سخت امتحان لکھے ہیں میرا بچّہ...... اسے بھی ایک امتحان ہی سمجھ لے...... بس ایک امتحان سمجھ لے۔''

ابا نے میرا چہرہ تھام کر یہ جملے کہے اور میں اُن سے لپٹ کر روتا رہا۔ اپنی بربادی کا

غم مناتا رہا۔

☆......☆

رات کو اظہر پریشانی کے عالم میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب کہ شاہین بیگم غصے کے عالم میں ادھر اُدھر ٹہل رہی تھیں۔ شہناز بیگم بھی حیران گہری سوچ میں گم بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب کچھ پل خاموشی کی نظر ہوئے تو شاہین بیگم نے جلے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا:

''میری سمجھ نہیں آتا کہ یہ پولیس اسٹیشن گئے کیوں؟ دوسروں کے کرتوت یہ اپنے سر پر کیوں لے رہے ہیں؟''

''امی......'' اظہر نے تنگ آ کر کہا۔

''بس رہنے دو امی۔ تنگ آ گئی ہوں میں آپ سب سے، اس لڑکے نے ہماری زندگی میں آج تک زہر گھولنے کے سوا کیا بھی کیا ہے، انھوں نے روحیل کے لیے کیا کچھ نہیں کیا اور بدلے میں اس نے کیا کیا......حملہ؟...... وہ بھی جان لیوا حملہ؟......ہم نے آستین میں سانپ نہیں...... اژدھا پالا ہے۔''

شاہین بیگم نے جل کر کہا اور وہ دونوں خاموش رہے۔

''کیا کچھ نہیں دیا ہم نے اُسے......اس کے سر پر چھت دی، گھر دیا، تعلیم دی، ڈاکٹر بنا دیا، اس کا سلا یہ ملا ہے کہ آج میرے شوہر تھانے میں دو ٹکے کے پولیس والوں کے سامنے ہاتھ جوڑھے؟ امّاں اگر ہم روحیل کو یہ چھت نا دیتے تو وہ پڑا ہوتا امریکا میں اپنی خالہ کے ساتھ کسی جوے خانے میں۔ بیچ رہا ہوتا نشے کی دوائیں اور خود بھی نشے میں دھت ہوتا!''

شاہین بیگم زہر اُگلتی چلی گئیں اور اظہر، امّاں نے گہرا سانس لیا۔ انھوں نے اس وقت شاہین بیگم کی باتوں کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

''اب بھی وقت ہے، ابھی بھی وقت ہے......جس لڑکے کو آپ لوگ اس گھر کے چھوٹے بیٹے کی آخری نشانی سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے ہیں دراصل وہ ایک کافر عورت کی نشانی ہے...... ایک آوارہ انگریز عورت کا خون ہے......اب بھی وقت ہے اُسے آج ہی گھر سے باہر نکال دیں......اور جائداد سے بے دخل کر دیں......ہماری جائدادوں کا ہمارا مسلمان بیٹا وارث ہوگا...... کسی کافر کی اولاد نہیں۔''

شاہین بیگم نے شہناز بیگم کو دیکھ کر کہا مگر وہ خاموش رہیں۔ اظہر بھی اس لمحے خاموش رہا۔

جلد ہی گاڑی رُکنے کی آواز آئی اور تینوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو ابا مجھے تھام کر گاڑی سے اُتارتے ہوئے نظر آئے۔

''روحیل!!......''

اظہر کے منھ سے نکلا اور وہ دوڑ کر میرے پاس آیا۔قریب آ کر اُس نے میرا حال دیکھا تو دھک سے رہ گیا۔ میرے سر پر خون جما ہوا تھا، کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ میرا حال کسی غنڈے سے مختلف نہیں تھا۔

''روحیل؟......کیسا ہے؟''اظہر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں......''میں نے نرمی سے جواب دیا۔

''چل ......چل اپنے کمرے میں...... میں تیرے زخم دیکھتا ہوں......''اظہر نے پریشان ہو کر مجھے سہارا دیا اور اندر کی طرف لے کر چلا۔

''کیا ہوا روحیل؟......کیا ہوا تمھیں؟''

امّاں تڑپ کر میری طرف آئیں اور پریشان ہو کر میرے گالوں کو تھاما۔

''ہونا کیا ہے خون رنگ لا رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔''

شاہین بیگم کے الفاظ گھر میں گُونج کر رہ گئے۔ سب ہی پلٹ کر ان کو تکنے لگے۔ میں بھی خاموشی سے انھیں دیکھنے لگا۔

''امی خدا کے واسطے خاموش ہو جائیں۔''اظہر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میں نہیں ہوں گی خاموش!!......جس لڑکے کی نظر میں اس گھر کی ہونے والی بہو کی عزت نہیں......اس گھر کے لوگوں کی عزت نہیں...... وہ کسی اور کا کیا ہو کر رہے گا......سانپ سے جس قدر محبت کرو......ڈستا وہ اپنے مالک کو ہی ہے!......''

شاہین بیگم نے چلّا کر کہا اور میرا خون جلنے لگا۔

''مظہر نے تو بیٹا بنا کر پالا تھا نا...... بیٹے جیسا پیار دیا تھا نا...... کہاں گئی اس کے اندر کی انسانیت؟......کہاں گیا باپ کا پیار؟......کہاں گئی بھائی کی محبت؟......اسنے بچپن سے لے کر آج تک اپنے علاوہ کبھی کسی کا سوچا بھی ہے۔''شاہین بیگم نے جل کر کہا۔

”ٹھیک کہا آپ نے......“

میری آواز سن کر سب نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے آج تک امی کے کسی طعنے یا گالی پر پلٹ کر جواب نہیں دیا تھا، مگر اس بار میری آواز سن کر سب چونک اٹھے تھے۔ اظہر اور ابا حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ امّاں بھی حیرت زدہ رہ گئیں۔ شاہین بیگم کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

”بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے......اور بھی کچھ ہے تو کہہ دیجیے......آوارہ......نالائق......گھر پر سانپ بن کر بیٹھا ہے......ایک دن اسی گھر کو نگل جائے گا......اور بھی کچھ ہے تو کہیے......مگر امی......صرف اتنا سُن لیجیے......کہ میں جب پیدا ہوا......میں کوئی سانپ نہیں تھا......میں ایک انسان تھا...... بالکل آپ جیسا انسان جس کے سینے میں بھی دل ہے......وہ دل......جو پیار کرنا جانتا ہے......محسوس کرنا جانتا ہے......جو کبھی ضد بھی کرتا ہے......کبھی اپنے دل کو سمجھا لیتا ہے......میں تو بس......آپ لوگوں کی طرح......ایک معمولی انسان ہی تو تھا......“

میں نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور سب مجھے دیکھنے لگے، امی نفرت سے مجھے دیکھنے لگیں۔

”سوال یہ ہے......کہ میں سانپ بنا کیسے؟......کیونکہ میں نے یہ سوچ لیا کہ میں اس گھر کو ہڑپ کر جاؤں گا......کیونکہ میں اس گھر کے فرد کا دُشمن بن گیا......کیونکہ میں آپ کی نفرت کا نشانہ بنتا چلا گیا؟......کیوں؟......آخر کیوں؟......آپ جاننا چاہتی ہیں کیوں؟......میں انسان سے سانپ بنا ہوں صرف آپ کی وجہ سے امی......صرف آپ کی وجہ سے......“

میں نے امی کو دیکھ کر یہ جملے کہے اور وہ غصے کے عالم میں مجھے دیکھنے لگیں۔

”نفرت کا زہر آپ نے میرے سینے میں بھرا ہے......الگ مجھے سب سے آپ نے کیا ہے......سائرہ، اظہر سے مختلف ہمیشہ آپ نے مجھے رکھا ہے......مجھے ہمیشہ تنہا رکھا ہے......تو میں کیوں نا بنتا سانپ؟......کیوں نا بنتا میں اس گھر کی خوشیوں کا دُشمن......سانپ تو آپ نے ہی پالا ہینا......ہے نا امی؟“

میرے کہنے پر وہ مجھے خاموشی سے تکتی رہیں۔ اظہر اور ابا کے چہرے بھی جھکے ہوئے تھے۔ جب کہ امّاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہنا شروع کیا:

''امی میرا اس گھر پر نا تو بچپن سے کوئی حق تھا نہ اب ہے......نا ہی میں نے آپ سب سے کبھی کچھ زیادہ مانگا...... خدا سے جو مانگا تھا......وہ بھی نہیں مل سکا......اندھیروں میں جینے کی عادت سی ہوگئی ہے مجھے...... چلیے آپ کی نظر میں میں ایک سانپ ہوں......تو یہ سانپ کہیں بھی جی لے گا......مگر اب میرے جینے سے آپ لوگوں کو تکلیف نہیں ہوگی......آپ کو یہ گھر......اس گھر کے مالک......اپنا بیٹا......اور نئی نویلی بہو مبارک ہو...... یہ کافر اس گھر کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا رہا ہے......''

''روحیل!......''اظہر کے منھ سے نکلا۔

''نہیں اظہر......بس......اب بس......''

میں نے آنسوؤں کے ساتھ یہ جملے کہے اور وہ مجھے دیکھنے لگا۔

''میں اب مزید تم لوگوں کی خوشیوں میں زہر نہیں گھول سکتا......تم لوگ خوش رہو......ایک دوسرے کے ساتھ رہو...... میری یہی دعا ہے......میں اپنے آپ کو الگ کردوں......اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے......

......میں چلتا ہوں......''

میرے لہجے کی مضبوطی شاید سب کو یہ بات بتا گئی کہ میرا فیصلہ اٹل ہے اور میں پلٹنے والا نہیں۔ابا بھی اس لمحے خاموش تھے اور سر جھکائے ہوئے تھے۔امّاں زار و قطار رو رہی تھیں مگر امی کی آنکھوں میں آنسو نا تھے۔اظہر بھی سکتے کے عالم میں کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔کیا سے کیا ہوگیا تھا......سب کچھ برباد ہوگیا تھا۔

میں لنگڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف گیا اور جلدی جلدی اپنا سامان باندھنے لگا۔نیچے ہال میں موجود سب لوگ خاموشی سے فرش کو تکتے رہے۔صرف دس منٹ کی دیری سے میں اپنا بیگ لے کر نیچے آیا اور سب پر ایک نظر ڈالی۔میں نے ابا کی طرف دیکھا تو وہ ہاتھ باندھیں ایک طرف کونے میں کھڑے نظر آئے۔میں ان کی طرف چلا:

''ابا......''

میری آواز سن کر انھوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔میں نے اپنے آنسو پوچھے:

''ہوسکے......تو مجھے معاف کردیجیے گا......''

میرا یہ کہنا تھا کہ ابا نے تڑپ کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔اپنے تایا کے گلے لگ کر مجھے بہت سکون محسوس ہوا۔

میں پلٹا اور امّاں کی طرف بڑھا۔امّاں نے بیتاب ہو کر میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

''امّاں......شکریہ......شکریہ......بچپن سے لے کر آج تک مجھے برداشت کرنے کا......''

امّاں نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے خون آلود ماتھے کو چُوما:

''برداشت؟......تُو برداشت کی بات کرتا ہے؟......میں نے تو تجھ سے محبت ہی کی......اپنے پوتے سے محبت ہی کی...... برداشت تو تُو نے کیا......اس گھر کا ظلم......نفرت......اور بھی نجانے کیا کیا......اور آج......تُو مجھ سے دُور جا رہا ہے......ہاں...... یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ...... یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا میرے لعل......''

امّاں یہ کہتے ہوئے رو پڑیں۔

میں نے امّاں کے ہاتھوں کو چُوما:

''رشتے احساس ہی تو ہیں امّاں......اپنے دل سے پوچھیے......کیا میں آپ سے دُور ہو سکتا ہوں؟''

امّاں نے ہاں میں سر ہلایا اور میرے سینے سے لگیں۔میں نے بھی امّاں کو تھام لیا۔

امّاں سے مل کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور اظہر کی طرف بڑھا۔اظہر سر جھکائے کھڑا تھا۔

''اظہر؟''

میں نے اُسے آواز دی اور اُس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔

''مجھے معاف کر دینا میرے بھائی...... جانے انجانے میں میں نے تمھیں بہت درد دیا......''میں نے روتے ہوئے اُس سے معافی مانگی۔

''نہیں روحیل......جانے انجانے میں شاید......میں بہت بڑی بھول کر گیا......کیا سوچا تھا......اور کیا ہو گیا......میں تو تجھے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا تھا یار......''اظہر نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہو تو بس ایک کام کرنا۔''میں نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور سوالیا نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''ناز کو خوش رکھنا......''

میرے کہنے پر اظہر نے سرد آہ لی اور ہاں میں سر ہلایا۔ اپنے بھائی کے گلے لگ کر میں پلٹا اور گھر سے چل پڑا۔ میں نے گاڑی تک نہیں لی تھی، بس دروازہ کھول کر چل پڑا۔ امی کی بیس پچیس سال کی محنت رنگ لے آئی تھی......میں آخر کار گھر چھوڑ کر چلا ہی گیا تھا۔

☆......☆

رات دو بجے میں نے اپنی پھپو کے گھر پر دستک دی۔ جلد ہی دروازہ کھلا تو مجھے تحسین پھپو اور پھوپھا حیدر کا چہرہ نظر آیا۔ وسیم بھی دوڑا دوڑا دروازے پر آیا۔

''روحیل تم؟'' وہ مجھے دیکھ کر بولے، وسیم بھی مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے آ کر مجھے تھاما۔

''روحیل اتنی چوٹیں؟......کیا بات ہے بیٹا؟......تم ایسے یہاں؟''

پھوپھا نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''روحیل......کیا بات ہے؟''

پھپھو نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔ میں انھیں دیکھ کر اُداس مسکراہٹ لبوں پر لایا:

''کچھ دنوں کے لیے کرائے پر کمرہ مل سکتا ہے؟''

میری بات سن کر وہ اُداس مسکراہٹ چہروں پر لے آئے۔ تحسین پھپوؤں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور میں اُن سے لپٹ کر رونے لگا۔

☆......☆

زندگی بدلتے ہوئے ایک پل کی دیری بھی نہیں لگتی۔ کچھ چیزیں اس قدر جلد تبدیل ہو جاتی ہیں کہ آپ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ موت اور زندگی میں صرف ایک سانس کا ہی تو فرق ہے۔ کچھ دن پہلے میں وسیم سے اس بارے میں بات کر رہا تھا کہ کس طرح ناز کی اُنگلی میں اپنی ماں کی انگوٹھی پہناؤں، لیکن اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے بعد سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا۔

میں نے جب سے گھر چھوڑا تھا، بدستور وسیم کے پاس قیام رہا۔ میں اب اسپتال بھی نہیں جا رہا تھا، میری او پی ڈی بند ہو چکی تھی۔ دن بھر کمرے کے بستر بستر پر پڑا رہتا، حالات کے بارے میں سوچتا رہتا، اپنی یادوں میں قید رہتا۔ اس دوران میری پھپھو نے میری کافی خدمت کی۔ انھوں نے میرے دکھ اور درد کو سمجھا بھی مگر میرے درد کی دوا کسی کے پاس موجود نہ تھی۔

دوسری طرف اظہر اور ناز کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ میرے جانے کے بعد امی اور سائرہ کھل کر شاپنگ کر رہی تھیں اور ادھر اُدھر لوگوں کو شادی کے کارڈ بنٹ رہے تھے۔ اُستاد غلام حسن صاحب نے بھی کسی خرچے میں کمی پیشی نہ کی۔ ناز کی سہیلیاں اور دوستیں آ کر گھر میں ڈھولکی بجا رہی تھیں اور اُسے چھیڑریں جا رہی تھیں۔ کبھی اُسے ابٹن لگتا تو کبھی اس کے ہاتھوں میں مہندی رچتی۔ ناز کے چہرے پر اس لمحے خوشی ہی خوشی تھی۔ جس شخص سے اُسے محبت نہیں تھی، اُس شخص کے زندگی سے چلے جانے کا غم بھی اُسے نہ تھا۔ میرے ساتھ دوستی کا ڈھونگ بھی اس لیے

رچایا گیا کیوں کہ میں اظہر کا بھائی تھا۔ جب گل ناز کو اس بات کا پتا چلا کہ میں گھر چھوڑ کر جا چکا ہوں تو اس نے اس بات کو کافی سراہا اور نازامی کے اس فیصلے سے بہت خوش تھی۔ ایک اور عورت نے مجھ سے نفرت کا بیڑا اٹھالیا تھا اور میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ بڑا احسان تھا میرے تائی ابا کا مجھ پر جنھوں نے میرے سر کے اوپر کم ازکم چھت تو دی تھی۔

شادی میں اب بس دو دن بچے تھے۔ اظہر بھی اپنی شادی کی شاپنگ میں مصروف رہا۔ اُس نے ناز کے لیے ہیرے کی انگوٹھی پسند کی جو سہاگ رات پر ناز کو دینا چاہتا تھا۔ ناز بھی شاید اسی انگوٹھی کے لیے بیتاب تھی۔

ایک دوپہر ناز کے ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی رچائی جارہی تھی۔ اس وقت وہ سادہ سے کُرتا شلوار میں بیٹھی تھی اور تہمینہ، عظمیٰ اس کے برابر بیٹھیں اُسے مہندی لگا رہی تھیں۔

''ہائے...... تیری مہندی کا رنگ دیکھ کر تو رشک ہو رہا ہے۔'' عظمیٰ نے آہیں بھر کر کہا۔

''مہندی کا رنگ دیکھ کر؟...... وہ کیوں؟'' ناز نے مسکرا کر پوچھا۔

''اس قدر گہرا رنگ چڑھ رہا ہے تجھے کے بس...... اس کا مطلب تیری محبت بھی اُتنی ہی گہری ہے۔'' عظمیٰ نے خوش ہو کر کہا اور ناز مسکرانے لگی۔

''سچ میں تُو بہت قسمت والی ہے جو اس قدر پیارہ جیون ساتھی مل رہا ہے، ہمیں دیکھو پیارے...... پیارا تو کیا کوئی لنگڑا لُولا بھی نہیں ہے۔'' عظمیٰ نے منھ بنا کر کہا۔

''ارے تو جلدی کیا ہے، صبر اور تحمل کے ساتھ جیو تمھیں تمھاری مطلب کا کوئی مل ہی جائے گا۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں صبر کے ساتھ ہی جیو تو اچھا ہے۔'' عظمیٰ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کہیں تم اُس صبر خان کی بات تو نہیں کر رہیں جو کالج میں ہمارے ساتھ پڑھتا تھا؟'' ناز نے الجھ کر پوچھا۔

''ارے تجھے کیسے پتا لگا؟'' عظمیٰ نے چونک کر پوچھا اور ناز ہنسنے لگی۔

''چلو بھائی جو بھی زندگی میں آئے، فی الحال تو میں یہ مہندی والے ہاتھ دھونے جارہی ہو۔ کہیں تیری مہندی کا رنگ مجھے نہ چڑھ جائے۔'' وہ شرارتی انداز میں کہنے لگی۔

''اُس سے کیا ہوگا؟'' ناز نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''اُس سے یہ ہوگا کہ تیرا شوہر میرا ہو جائے گا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔
''ٹھیر جا ذرا......''
ناز نے اُٹھتے ہوئے یہ جملے کہے اور عظمیٰ ہنس کر دوڑ پڑی۔
ناز بھی اُسے ہنستے ہوئے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر تہمینہ کو دیکھا جو انتہائی سنجیدگی سے اُسے مہندی لگا رہی تھی۔
''تم کیوں اتنا خاموش ہو؟'' ناز نے مسکرا کر اُس سے پوچھا۔
''نہیں ایسے ہی......'' تہمینہ نے بات کو ٹال دیا۔
''کہو نا......کیا ہوا ہے؟......ابھی وہ دن تو نہیں آئے ہیں کہ تم اپنے دل کی بات مجھ سے نہ کہ سکو۔'' ناز نے پیار سے کہا۔
''دل کی باتیں جذباتی ہوتی ہیں ناز......عقل کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اور مجھے لگتا ہے کہ اب وقت دل کی باتوں کو کہنے کا نہیں رہا۔'' تہمینہ نے اطمینان کے ساتھ کہا۔
''ایسا کیا ہو گیا ہے؟'' ناز نے الجھ کر پوچھا اور تہمینہ نے گہرا سانس لے کر اُسے دیکھا:
''ناز......مہندی کا رنگ واقعی بہت گہرا آیا ہے......مگر کیا واقعی یہ مہندی اظہر کے نام کی ہے؟......کیا اس مہندی پر کسی اور کا حق نہیں بنتا؟''
تہمینہ کے پوچھنے پر ناز کی مسکراہٹ یک لخت غائب ہوگئی اور وہ سنّاٹے میں آ گئی۔ وہ اب تہمینہ کا چہرہ گھورنے لگی۔
''ہاں...... میں ڈاکٹر روحیل کی ہی بات کر رہی ہوں...... جسے تم نے جانے انجانے میں بہت درد دے دیے......ناز میں تم سے زیادہ انھیں نہیں جانتی......مگر اتنا ضرور جانتی ہوں......کہ وہ تم سے بے پناہ محبت......''
''انھیں مجھ سے محبت نہیں ہے تہمینہ۔'' ناز نے خشک لہجے میں کہا۔
''ناز سمجھنے کی کوشش......''
تہمینہ نے کچھ کہنا چاہا کہ ناز بول پڑی:
''بس میں اب اور کچھ نہیں سُننا چاہتی......میں ان کی جس قدر مدد کر سکتی تھی میں نے کی...... مگر کچھ لوگ یہاں اپنے نصیب خود نہیں بدلنا چاہتے......اور روحیل اُنہی کچھ لوگوں میں سے ایک

ہیں......بہتر ہی ہے کہ اب تم دوبارہ ان کا نام لے کر میرا موڈ خراب نہ کرو۔‘‘

نازکہ یہ کہنے پر تہمینہ خاموش ہوگئی اور اُسے مہندی لگانے لگی۔

ناز نے بھی اپنا چہرہ کہیں اور کرلیا تھا۔

ایسے میں عظمٰی دوڑتی ہوئی آئی اور بولی:

’’ناز!!......ناز!!......اظہر بھائی آئے ہیں!!......‘‘

اظہر کا نام سن کر ناز کے چہرے پر خوشی کے رنگ آگئے اور وہ مسکرا اٹھی۔

☆......☆

’’آؤ آؤ اظہر میاں آؤ۔‘‘

غلام حسن صاحب نے اپنے داماد کا استقبال کرتے ہوئے یہ جملے کہے۔اظہر گھبراتا ہوا ان کے لاونج میں آ گیا۔اس وقت وہ سیدھا اس وقت اسپتال سے آ رہا تھا۔

’’کہو بھئ کیسے آنا ہوا؟‘‘ غلام حسن صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

’’ارے اب اس کا سسرال ہے،اب یہ نہیں آئے گا تو کون آئے گا۔‘‘

فاطمہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

’’ہاں واقعی......اب اظہر نہیں آئے گا......تو کون آئے گا......‘‘

غلام حسن صاحب نے فرش کو تکتے ہوئے یہ جملے کہنے لگے اور فاطمہ بیگم خاموش ہوگئیں۔اظہر بھی گھبرا کر انھیں دیکھنے لگا۔

’’اور سناؤ اظہر اسپتال کیسا جا رہا ہے؟‘‘ غلام صاحب نے چونک کر پوچھا۔

’’ایک دم ٹھیک غلام صاحب......بس آپ لوگوں کا پیار اور دعائیں چاہیے۔‘‘

اظہر نے مسکرا کر کہا۔

’’اور مریض بھی تو چاہیے ہوں گے۔‘‘

غلام صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

’’اگرچہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے......مگر بات درست ہے......کام کے لیے تو مریض ہی چاہیے ہوتے ہیں۔‘‘ اظہر نے مسکرا کر کہا۔

’’صحیح بات ہے......بیماری ختم ہو جائے تو تم لوگوں کی روٹی ہی چھن جائے گی......اس لیے

مجھے اپنے کام سے محبت ہے...... میں غزل کہتا ہوں...... اور غزل کی غذا لوگوں تک پہنچاتا ہوں...... میرا کام لوگوں کے دلوں کے درد کو بانٹنا ہے...... انھیں تسکین پہنچانا ہے...... اس حساب سے...... آدھا ڈاکٹر تو میں بھی ہو گیا ہو......''

غلام حسن صاحب نے شرارتی انداز میں کہتے گئے۔

''آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔''

اظہر نے الجھ کر جواب دیا۔ اُسے اس وقت غلام صاحب کی باتیں بہت بورنگ لگ رہی تھیں۔

''شاعری سے دلچسپی ہے تمھیں؟'' انھوں نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔

''جی؟'' اظہر چونکا۔

''میں نے پوچھا شاعری سے دلچسپی ہے تمھیں؟'' انھوں نے پھر پوچھا۔

''جی...... جی کچھ خاص نہیں......''

اظہر نے گھبرا کر جواب دیا اور غلام حسن اس کا چہرہ تکنے لگے۔ انھیں اظہر کا یہ جواب بہت ناگوار گزرا تھا۔

''اچھا ہی ہے جو شاعری سے لگاؤ نہیں...... ہمارے شوہر نے شاعری سے محبت کر کے کیا حاصل کیا......'' فاطمہ بیگم نے اپنے شوہر کو چھیڑا۔

''فاطمہ...... بیشک میں کچھ حاصل نہ کر سکا ہوں...... مگر اس شاعری سے میں نے ایک عزیز کو ضرور حاصل کیا تھا...... اور آج وہ بہت رنج وغم میں ہے...... افسوس اس بات کا ہے...... کہ میں اس کے لیے کچھ کر بھی نہیں سکتا۔''

غلام حسن نے سرد آہ لے کر کہا اور اظہر کی نظریں جھک گئیں۔

''یہاں میرے ساتھ بیٹھ کر...... اس نے غزل کہی تھی ...... بہت سچائی تھی اس کے لہجے میں...... بہت سُونا پن تھا اس کی آواز میں...... مگر کچھ آوازیں...... کچھ غزلیں سُونی ہی اچھی لگتی ہیں...... تنہائی اس کا مقدر تھی اور ہے...... رہنے دو اُسے تنہا...... شاید یہی اس کے حق میں بہتر ہے......''

غلام حسن صاحب جیسے اپنے آپ سے سب کہ گئے اور اظہر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

’’نجانے کیوں آج بہت دنوں بعد...... مجھے جون ایلیا کا وہ کلام یاد آ رہا ہے جو انھوں نے محبت کی بربادی پر کہی تھی...... جون ایلیا نام تو سُنا ہی ہوگا؟‘‘ انھوں نے اظہر کو دیکھ کر پوچھا۔

’’جی...... بس...... نام سُنا ہوا...... ہے۔‘‘ اظہر نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

’’نام سُنا ہوا ہے۔‘‘ غلام حسن صاحب طنزیہ ہنسی ہنسے اور گہرا سانس لے کر کہنے لگے:

’’ٹھیک کہا تم نے بیٹے...... وہ بس ایک نام ہی تو تھا...... وہ شاعر کم...... عاشق زیادہ تھا...... محبت کا درد اُسے بھی کھا گیا...... سچ پوچھو...... یہ درد کسی کو کہیں کا نہیں چھوڑتا......‘‘

اُن کے کہنے پر اظہر انھیں دیکھنے لگا۔ فاطمہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

’’جون ایلیا نے کیا خوب کہا:

ہر بار میرے سامنے آتی رہی ہو تم
ہر بار تم سے مل کے بچھڑتا رہا ہوں میں
تم کون ہو یہ خود بھی نہیں جانتی ہو تم
میں کون ہوں یہ خود بھی نہیں جانتا ہوں میں
تم مجھ کو جان کر ہی پڑی ہو عذاب میں
اور اس طرح خود اپنی سزا بن گیا ہوں میں

تم جس زمین پر ہو میں اس کا خدا نہیں
پس سر بسر اذیت و آزار ہی رہو
بیزار ہو گئی ہو بہت زندگی سے تم
جب بس میں کچھ نہیں ہے تو بیزار ہی رہو
تم کو یہاں کے سایہ و پرتو سے کیا غرض
تم اپنے حق میں بیچ کی دیوار ہی رہو

میں ابتدائے عشق سے بے مہر ہی رہا
تم انتہائے عشق کا معیار ہی رہو
تم خون تھوکتی ہو یہ سن کر خوشی ہوئی
اس رنگ اس ادا میں بھی پرکار ہی رہو

میں نے یہ کب کہا تھا محبت میں ہے نجات
میں نے یہ کب کہا تھا وفادار ہی رہو
اپنی متاع ناز لٹا کر مرے لیے
بازار التفات میں نادار ہی رہو

جب میں تمہیں نشاط محبت نہ دے سکا
غم میں کبھی سکون رفاقت نہ دے سکا
جب میرے سب چراغ تمنا ہوا کے ہیں
جب میرے سارے خواب کسی بے وفا کے ہیں
پھر مجھ کو چاہنے کا تمہیں کوئی حق نہیں
تنہا کراہنے کا تمہیں کوئی حق نہیں

اس قدر دل کو ہلا دینے والی شاعری جب غلام حسن صاحب نے کہی تو اظہر سکتے کے عالم میں ان کا چہرہ تکنے لگا۔ فاطمہ بیگم کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔ غلام حسن صاحب اپنی ہی دھن میں نجانے کیا سے کیا کہتے رہے، اور اظہر خاموشی سے ان کا چہرہ تکتا رہا۔ ان کے لبوں سے نکلا ہوا وہ ایک ایک لفظ سمجھ رہا تھا۔ وہ کس کے لیے یہ سب کہ رہے تھے وہ سب سمجھ رہا تھا۔

''اظہر بھائی؟''

اچانک عظمیٰ کی آواز آئی جو سیڑھیوں سے دوڑتی ہوئی نیچے اس کے پاس آ رہی تھی۔

''اوہو......سالی صاحبہ بھی آئی ہوئی ہیں۔'' اظہر نے ایک دم سے نارمل ہو کر کہا۔

''جی ہاں......اور سالی صاحبہ اکیلی نہیں بلکہ کسی کو ساتھ بھی لے کر آ رہی ہیں......''

عظمیٰ نے مسکرا کر کہا اور تب ہی اظہر نے دیکھا تہمینہ، ناز کو لے کر نیچے آ رہی تھی۔ ناز کا حسن دیکھ کر اظہر اپنی قسمت پر فخر کرنے لگا۔ وہ واقعی حُسن کا مجسمہ تھی۔

''آؤ آؤ ناز......آؤ......''

غلام صاحب نے مسکرا کر کہا اور ناز چلتی ہوئی ان کے پاس آئی۔ غلام حسن صاحب نے پیار

سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے:
''اظہر میاں ...... بہت خیال رکھیے گا ہماری گڑیا کا...... بہت پیار سے ہم نے اسے پالا ہے۔''
''آپ بےفکر رہیں غلام صاحب۔''
اظہر نے مسکرا کر اپنا اعتماد ظاہر کیا اور غلام صاحب وہ اٹھ کر چل دیے۔
اب ناز اظہر کے ساتھ اکیلی کھڑی تھی۔
''تم لوگ آرام سے بیٹھو اور باتیں کرو، میں چائے لے کر آتی ہوں۔''
فاطمہ بیگم نے پیار سے یہ جملے کہے اور عظمیٰ، تہمینہ کے ساتھ چلی گئیں۔
ناز نے مسکراتے ہوئے انھیں جاتے ہوئے دیکھا اور پلٹ کر اظہر کو دیکھا۔
''بیٹھو......'' اظہر نے پیار سے کہا اور وہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔
''آج آپ یہاں کیسے آ گئے؟ بائیک پر آئے ہیں؟'' ناز نے مسکرا کر پوچھا۔
''ہاں......'' اُس نے جواب دیا۔
''اظہر...... اب بائیک چلانا چھوڑ دیں...... شادی کے بعد میں آپ کے ساتھ بائیک پر نہیں بیٹھنے والی۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔
''آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی تمھیں۔'' اظہر مسکرا کر کہا پھر کہنے لگا:
''ناز مجھے تم سے کچھ کام تھا......''
''کہیے......۔'' ناز نے اپنے شوہر کو دیکھ کر پوچھا۔
''ناز...... میں تمھیں کہیں لیجانا چاہتا ہوں۔'' اظہر نے سوچتے ہوئے کہا۔
''کہاں؟''
اُس نے الجھ کر پوچھا اور اظہر نے گہرا سانس لے کر کہا:
''زندگی میں اکثر ہم غلطیاں کر جاتے ہیں...... کچھ درد جانے انجانے میں دوسروں کو دے دیتے ہیں۔ مگر مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ اس بار میں نے درد کسی بہت اپنے کو دیا ہے۔''
اظہر کی بات سن کر ناز نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔
اظہر نے پلٹ کر اُسے دیکھا:

”چلو ناز...... چلو روحیل کو چل کر منا لیتے ہیں۔ غلام حسن صاحب بھی اُسے بہت مس کر رہے ہیں۔“ اظہر نے نرمی سے کہا۔

”اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی آپ یہ جذبات ان کے لیے رکھتے ہیں؟“

ناز نے بُرا مان کر اُسے دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں...... وہ میرا بھائی ہے ناز...... میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں...... بیشک اُس نے تمھارے ساتھ غیر اخلاقی حرکت کی...... لیکن اس کا مقصد وہ نہیں تھا...... وہ کسی کا بُرا نہیں چاہتا...... وہ تو ایک چُوہا تک نہیں مار سکتا...... کسی کو درد کیا پہنچائے گا......“ اظہر نے اپنے بھائی کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

”اظہر...... جنھیں آپ اس قدر بزدل کہ رہے ہیں...... اُنھوں نے قریب قریب کسی کی جان لے لی تھی۔“ ناز نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

”اب اندازہ لگاؤ کہ کس قدر تکلیف میں ہے وہ......“

اظہر نے ٹھیرے ہوئے لہجے میں یہ جملے کہے اور ناز خاموش ہو کر سوچنے لگی۔ واقعی روحیل کے سینے میں کس قدر درد تھا، یہ اب اُسے محسوس ہونے لگا تھا۔

☆......☆

دوپہر کے وقت میں وسیم کے کمرے میں موجود اس کے کمپیوٹر پر اپنی ای میل چیک کر رہا تھا کہ اچانک کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

”آ جایئے پھپو۔“ میں نے آواز دی اور کام کرنے لگا۔ دروازہ کھلا اور پھپو نے کہا:

”روحیل دیکھو کون ملنے آیا ہے؟“

میں نے چونک کر پلٹ کے دیکھا تو دھک سے رہ گیا۔ دروازے پر پھپو کے ساتھ اظہر موجود ہے اور اظہر کے پیچھے ناز کھڑی تھی۔ لال کُرتا شلوار میں اس کا گورا رنگ کھل رہا تھا۔ ہاتھوں پر مہندی رچی تھی، چوڑیاں اس کی کلائی میں کھنک رہی تھیں۔ اُسے دیکھ کر میرا دل ہمیشہ ہی دھڑک جایا کرتا تھا، اس بار بھی دھڑک گیا۔ سمجھ نہ آیا کہ اس موقع پر میں کیا کرتا۔ میں اُن دونوں کو دیکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا۔

”السلام علیکم۔“

اظہر نے مسکرا کر مجھے سلام کیا اور میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔
''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' اظہر نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔
"Ahmm... Yeah Yeah Sure"
میں نے گڑبڑا کر یہ جملے کہے اور گھبرا کر کمرہ ٹھیک کرنے لگا۔ اظہر کمرے میں داخل ہوا، اس کے ساتھ ساتھ ناز بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ ناز کا سر جھکا ہوا تھا، چہرے پر ناگواری تھی۔
''اب تم لوگ آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو اور آپسی ناراضی ختم کرو، میں تم لوگوں کے لیے چائے لاتی ہوں۔'' پھپو نے مسکرا کر کہا۔
''نہیں پھپو، تکلف کی کوئی ضرورت نہیں، میں اور ناز بس جانے ہی والے ہیں......''
اظہر نے مسکرا کر کہا۔
''ارے بھئی بیٹھو اطمینان سے بات کرو، ویسے بھی بھائیوں کی جب گپّے شروع ہو جاتی ہیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔''
تحسین پھپو نے مستی میں یہ جملے کہے اور مسکرا کر باہر چل دی۔ ان کے جانے کے بعد کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ میں نے ایک نظر اظہر کو دیکھا:
''کیسی جا رہی ہیں شادی کی تیاریاں؟''
''بہت اچھی، سائرہ نے بہت کام سنبھالا ہوا ہے۔ ہر چیز بھاگ بھاگ کر انجام دے رہی ہے۔'' اظہر نے مسکرا کر بتایا اور میں نے ہاں میں سر ہلایا۔ اُداس مسکراہٹ چہرے پر لا کر پوچھا:
''مجھے زیادہ یاد تو نہیں کر رہی؟''
میرے یہ کہنے پر اظہر ہنسنے لگا:
''تمھیں جو لوگ یاد کرتے ہیں......اُن کو تم جانتے ہی ہو......ابا دن رات تمھیں یاد کرتے ہیں...... امّاں ہر نماز میں تمھارے لیے دعا کرتی ہیں......اور میں......میں تمھارے سامنے ہوں......رہا نہیں گیا مجھ سے...... اس لیے چلا آیا......مگر ہمارے علاوہ......غلام صاحب بھی ہیں......جو تمھیں بے حد یاد کرتے ہیں......
غلام صاحب کا نام سن کر میں نے چونک کر ناز کی طرف دیکھا مگر وہ منھ پھیرے ہی کھڑی رہی۔ میں خاموشی سے سر جھکا گیا۔

''بہر حال......''

اظہر کے منھ سے نکلا اور کوٹ کی جیب سے شادی کا کارڈ نکال کر کہنے لگا:

''میں یہ تمھیں شادی کا کارڈ دینے آیا تھا۔''

اظہر نے کارڈ میری طرف بڑھایا اور میں نے اس کے ہاتھوں سے کارڈ لیا۔

''دراڑیں تو ویسے ہی پڑ چکی ہیں......مگر چاہتا ہوں کہ اس دن ایک بار پھر ہم دونوں بھائی بن کر جیے...... بنا کسی دراڑ کے...... بنا کسی دُوری کے...... روحیل...... میں شادی کر رہا ہوں یار..........''اظہر نے خوش ہو کر کہا اور میں نے مسکرا کر اظہر کو دیکھا۔

''ناز......اور......روحیل۔''اظہر نے ہم دونوں کو دیکھ کر کہا پھر کہنے لگا:

''تم دونوں کے بیچ جو کچھ ہوا...... اس کا زمہ دار میں ہوں...... نادانی میں نجانے کیا کرتا چلا گیا...... اور کیا ہو گیا...... اب جو کچھ ہو رہا ہے...... یہ میرا خواب نہیں تھا...... میرا خواب تو کچھ اور تھا...... میرا خواب یہ تھا...... کہ ہم سب مل جُل کر جیے...... ناز جب گھر میں قدم رکھے......تو ہم تینوں ساتھ کھانا کھانے جائیں...... فلم دیکھیں...... اگر ناز کا شوہر کہیں مصروف ہے......تو دیور اس کا خیال رکھے...... اگر میں کہیں کام میں پھنس گیا ہوں......تو دیور بھابھی کے کام بجا لائے......اور ہم دونوں ملکر...... دیور کے لیے ایک حسین سے پری کو تلاش کریں......تا کہ ہم دونوں بھائی......ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکیں...... کسی کو علیحدہ کرنے کے بارے میں میں نے سوچا تک نہ تھا...... ویسے بھی اپنوں سے الگ تو نہیں ہوا جاتا...... دل کے رشتے...... کچّے دھاگوں سے بندھے ضرور ہوتے ہیں......لیکن یہ کچّے دھاگے......زنجیروں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتے ہیں...... ہے ناں روحیل؟''

اظہر نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر یہ جملے کہے اور میں الجھن کے عالم میں سر جھکا گیا۔

''اس لیے پلیز تم دونوں بھول جاؤ جو کچھ ہوا...... آج سے ہم ایک نئ زندگی کی شروعات کریں گے......ہم سب نے ساتھ رہنا ہے...... یہ رشتے ایسے ہی نہیں ٹوٹ جاتے...... یہ خون کے رشتے ہیں......انھیں ساری زندگی ساتھ رہنا ہوتا ہے......''

اظہر انتہائی محبت سے ہمیں سمجھاتا رہا اور ہم دونوں خاموشی سے اُسے سنتے رہے۔

''ناز...... میں چاہتا ہوں......تم روحیل سے معافی مانگو......''

اظہر نے پیار سے اپنی ہونے والی بیوی کو حکم دیا اور ناز نے نفرت سے میرا چہرہ دیکھا۔اس لمحے میں نظروں کو جھکا گیا۔میں جان گیا تھا کہ اس کے دل میں میری کوئی جگہ نہیں۔وہ صرف اظہر کا مان رکھنے کے لیے اس کمرے میں موجود ہے۔اس لمحے میں کوئی بات نہیں کہنا چاہتا تھا۔بس دیکھ رہا تھا کہ میرے ساتھ ہونے کیا جا رہا ہے۔

ناز نے گہرا سانس لیا اور کہا:

''مجھے معاف کر دیجیے......''

اس کے یہ کہنے پر میں خاموشی سے سر جھکائے رہا۔

''شکریہ ناز......''اظہر نے مسکرا کر کہا اور پھر پلٹ کر مجھے دیکھا۔

''روحیل اب تمھاری باری ہے۔''

اظہر نے پیار سے مجھ سے کہا اور میں نے اظہر کو ایک نظر دیکھا۔پلٹ کر ناز کا چہرہ دیکھا۔وہ منھ پھیرے خاموشی سے کھڑی رہی۔میں جان گیا تھا کہ ناز نے مجھے دل سے معاف نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ بچی ہے۔مگر پھر بھی اپنے بھائی کی خاطر میں نے یہ الفاظ کہے:

''میں معافی صرف ناز سے ہی نہیں...... بلکہ تم سے بھی مانگوں گا اظہر...... میری وجہ سے تم لوگوں کی خوشیاں خراب ہوگئیں...... ہو سکے تو تم دونوں مجھے معاف کر دینا......''

میرے یہ جملے سن کر ناز نے میرا چہرہ دیکھا۔

''نہیں روحیل...... تم نے کوئی ہماری خوشیاں نہیں چھینی، ہاں اگر تم اب بھی مجھ سے الگ رہے تو شاید میری خوشیوں کو چھین لو گے۔بس تم واپس چلو میرے بھائی۔''اظہر نے مچل کر کہا۔

''نہیں اظہر...... میں واپس نہیں جا سکتا...... گھر سے بے دخل ہونے میں...... بہت سے لوگوں کی خوشی شامل ہے...... سائرہ خوش ہے...... امی خوش ہیں...... تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو...... میں یہیں ٹھیک ہوں...... دو چار دن میں اپنا مستقل ٹھکانہ تلاش کر ہی لوں گا...... مگر میرا یہ وعدہ ہے تم سے...... کہ میں تمھاری شادی میں ضرور آؤں گا...... اور بہت دھوم دھام سے آؤں گا......''

میں نے مسکرا کر یہ بات کہی جسے سن کر اظہر بہت خوش ہوا۔

”میرے بھائی کی شادی ہے......کوئی عام بات نہیں......تمھارے سر پر سہرا ہوگا......اس سے زیادہ حسین منظر میرے لیے اور کیا ہوسکتا ہے......“

میں نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور اظہر خوشی کے عالم میں مجھے تکنے لگا۔

”اظہر میں یہ تمھیں پہلے نہیں کہہ سکا...... پر اب کہہ دیتا ہوں......شادی بہت بہت مبارک ہو میرے بھائی......“

میں نے جذبات میں یہ جملے کہے اور وہ ہنس کر میرے گلے لگ گیا۔ ناز ہمیں دیکھنے لگی مگر اس کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔

اظہر نے میرا چہرہ تھاما: ”جلدی آجانا......بارات ہم ساتھ لے کر چلیں گے، میں تمھارے ہمراہ شادی کی سیج پر چڑھنا چاہتا ہوں۔“

”میں ضرور آؤں گا......“

میں نے مسکرا کر اُس سے وعدہ کیا اور وہ خوش ہو کر چل دیا۔

ناز بھی خاموشی سے سر جھکا کر چل دی۔

میں انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ان کے جانے کے بعد میں کمرے میں تنہا کھڑا رہ گیا، کچھ میرے پاس تھا......تو بس......اظہر اور ناز کی شادی کا کارڈ۔

☆......☆

آخر کار وہ دن بھی جلد ہی آیا جب اظہر اور ناز کی شادی تھی۔ یہ وہ رات تھی، جب ناز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری زندگی سے چلی جائے گی۔ میرے جینے کا مقصد......ختم ہو کر رہ جائے گا۔ جتنی سانسیں لکھی ہیں، سب بے معنی رہ جائیں گی۔ مگر آج کی رات میں نے فیصلہ کیا، کہ آنسوؤں کی جگہ لبوں پر مسکراہٹ ہوگی۔ غم کی جگہ خوشی ہوگی۔ خاموشی کی جگہ لبوں پر گیت ہوں گے۔ وجہ تھی اُن احسانوں کی، جو ناز اور اظہر نے میرے اوپر کر دیے تھے۔

اظہر نے میرا ساتھ دینے کی انتہا کر دی تھی۔ اس لیے میرا بھی فرض بنتا تھا کہ میں بھائی کے رشتے کو پہلے نبھاؤں پھر اُن بکھرے ہوئے رشتوں کے بارے میں سوچوں جو شاید کبھی تھے ہی نہیں۔

شادی شیرٹن ہوٹل میں رکھی گئی اور سب گھر والے بہترین تیاری کے ساتھ پہنچے۔ نسیم

صاحب اور بیگم نسیم بھی زبردست تیاری کے ساتھ موجود تھے، جمشید اور سائرہ بھی کسی سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ جمشید نے بلیک کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور سائرہ نے لال شرارہ۔ پھوپھا حیدر اور پھپھو تحسین بھی شادی میں پہنچ چکی تھیں، وسیم بھی اپنے ڈی ایس ایل آر کیمرے کے ساتھ موجود تھا، کوئی لیٹ ہوگیا تھا تو وہ صرف میں۔

اظہر اور ابا کالی شیروانی پہنے ہوئے شیرٹن کے دروازے پر رُک کر میرا انتظار کرنے لگے مگر امی اور سائرہ کو جلدی ہوئی کہ وہ اظہر کو لے کر جلد از جلد اسٹیج کی طرف بڑھیں۔ میرے جانے کے بعد سے امّاں بالکل خاموش ہوگئی تھیں، اس لیے وہ ابھی بھی چُپ چاپ اس بارات کے ساتھ موجود تھیں۔

کراچی کے ٹریفک سے نکل کر میں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر اظہر اور ابا کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ حسبِ معمول امی اور سائرہ نے بُرا سا منھ بنایا۔ میں گاڑی سے اُتر کر دوڑتا ہوا اظہر کی طرف گیا۔

"اماں کدھر رہ گئے تھے یار؟" ابا نے ہاتھ چلا کر پوچھا۔

"سوری ابا آپ کو تو پتا ہے کراچی کا ٹریفک۔"

میں نے ان کے گلے لگ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"روحیل میاں دولھے بھائی سے بھی مل لو، اب تو بھائی پرائے ہو جائیں گے۔"

نسیم بیگم نے ہنستے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"اجی کیوں نہیں، ہم اپنے بھائی سے ایک آخری کنواری جھپّی ضرور لیں گے۔"

میں نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور سب ہنسنے لگے۔

میں اظہر سے بغلگیر ہوا اور اظہر مجھ سے ملکر جذباتی ہوگیا۔ کچھ میری بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔ بھائی کی شادی کی خوشی بیاں کرنا لفظوں میں ممکن نہیں تھا۔ میں اظہر کی بانہوں سے جُدا ہوا اور اس کے سر پر سجے ہوئے سہرے کو دیکھا۔ ماشااللہ میرے بھائی کو کسی کی نظر نہ لگے۔

"چلیں بھئی بارات لے کر اندر چلیں۔" میں نے سب کو دیکھ کر پوچھا۔

"ارے جائیں گے تب نا جب لڑکی والے ہمیں اندر جانے دیں گے۔"

وسیم نے منھ بنا کر کہا۔

’’کیوں کیا ہوا؟‘‘ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔
’’اندر آنے کے لیے اظہر بھائی نے کچھ فیس دینی پڑے گی۔‘‘ وسیم نے مسکرا کر کہا۔
’’ارے ڈاکٹر روحیل!!......‘‘
اچانک میں نے عظمیٰ اور تہمینہ کی آواز سُنی اور پلٹ کر انھیں دیکھا تو وہ دونوں ناز کی کئی کزنز کے ساتھ چلتی ہوئی آئیں۔
’’آپ آ گئے......آپ سوچ نہیں سکتے آپ کو دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے۔‘‘
تہمینہ نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور امی کا دل جل کر خاک ہوا۔
’’لیکن بھئی ہمیں اندر بھی تو جانے دیا جائے۔‘‘ میں نے ہنس کر کہا۔
’’ایسے نہیں...... پہلے فیس۔‘‘ تہمینہ نے اترا کر کہا۔
’’ہاں فیس دینے پر کوئی اعتراض نہیں مگر آپ لوگوں کی فیس بہت زیادہ ہے......‘‘
سائرہ نے پریشان ہو کر کہا۔
’’ارے تو ہماری دلھن بھی تو دیکھیں، اس کے لیے ایک لاکھ روپے کچھ کم تو نہیں۔‘‘
عظمیٰ نے ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔
’’میرے خیال سے ماموں لٹنے کا وقت آ گیا ہے۔‘‘
وسیم نے ہاتھ مل کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔
’’جی نہیں، ابھی کچھ وقت باقی ہے۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔
’’پر وہ کیسے بھئی؟‘‘ ابا نے حیران ہو کر پوچھا۔
’’دلھن کی سہیلیوں کے لیے ہمارے پاس سفارش جیسی چیز موجود ہے۔‘‘
میں نے مسکرا کر کہا۔
’’سفارش؟‘‘ دونوں نے حیران ہو کر پوچھا۔
’’ہاں، سفارش۔ غلام صاحب؟‘‘ میں نے آواز دی۔
’’ارے یہ تو ڈاکٹر روحیل کی آواز ہے۔‘‘
غلام حسن صاحب کی چونکتی آواز سن کر سب ہنس پڑے۔
وہ مجمع کو چھوڑ کر باہر آئے اور مجھے دیکھ کر انتہائی خوشی سے بولے:

’’ارے روحیل!! میرا یار!!......‘‘

یہ کہ کر وہ بانہیں کھول کر میری طرف بڑھے اور میں ان کے گلے لگا۔امی، سائرہ اور باقی سب حیران ہو کر ہمیں دیکھنے لگے۔

’’کہاں ہو بیٹے؟......نہ کوئی فون نہ کوئی خبر تمھاری؟......مریض زیادہ بڑھ گئے ہیں کیا؟‘‘

غلام صاحب نے مستی کے عالم میں پوچھا۔

’’فی الحال تو ان خوبصورت مریضوں نے اپنی فیس زیادہ بڑھا دی ہے غلام صاحب، آپ ہی کچھ کم کرائیں۔‘‘میں نے شرارتی لہجے میں کہا۔

’’اوہو تم فکر مت کرو، کتنے میں بات ڈن کروں؟‘‘ غلام صاحب نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

’’بس پچاس پر بات ختم کرا دیں۔‘‘میں نے مسکرا کر کہا۔

’’نہیں!نہیں!نہیں!......‘‘

تہمینہ اور عظمیٰ ملکر باقی لڑکیوں کے ساتھ کہنے لگیں۔

’’ارے ایسے کیسے نہیں،بس پچاس ہزار میں بات ڈن۔روحیل صاحب آپ اپنا دولھا لے کر اندر جا سکتے ہیں......‘‘

غلام صاحب نے اشارہ کیا اور ہم سب ہنس پڑے۔

"Yeah!"

سب لڑکے چلّائے اور لڑکی والے پیر پٹخ کر رہ گئے۔اس لمحے سب ہنس کر میری پیٹھ تھپتھپانے لگے۔

’’بھئی روحیل تُو نے تو کام کر دکھایا۔‘‘وسیم نے خوش ہو کر کہا۔

’’جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی۔‘‘عظمیٰ نے چڑ کر کہا۔

’’اجی جنگ ختم ہو گئی ہے اور بالکل ہو گئی ہے،ہاں مگر یہاں ہار کر کوئی نہیں جائے گا۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔

’’وہ کیسے؟‘‘تہمینہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

’’ایسے کہ جنگ ہارنے والوں کو بیس ہزار مزید میری طرف سے ملیں گے۔‘‘

یہ کہ کر میں نے اپنی کوٹ کی جیب سے بیس ہزار روپے نکالے۔

"Wow!... Dr.Rohail is great!!"

لڑکیوں نے خوش ہو کر پیسے لیے اور سب ہنسنے لگے۔ ابا، امّاں، پھپو اور پھوپھا جان نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنسے جا رہے تھے۔ میری دیوانگی دیکھ کر بے انتہا خوش تھے۔ میں لڑکوں کے ہمرا بھنگڑا کرتے ہوئے اظہر کا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف چلا۔ لڑکی والوں نے شادی کا بہترین سیٹ اپ کیا ہوا تھا۔ اس طرح یہ شادی ایک بہترین شادی لگ رہی تھی۔ کچھ ہی دُور ہم چلیں ہوں گے کہ مجھے فاطمہ بیگم کا چہرہ نظر آیا۔ میں نے انھیں جھک کر آداب کیا تو وہ چل کر میرے پاس آئیں اور میرے ماتھے کو چُوما۔ ایک بار پھر امی اور سائرہ یہ دیکھ کر جل چکی تھیں۔ وہ حیران تھیں کہ اظہر کے سسرال والوں سے اتنی اچھی جان پہچان کیسے تھی؟ بہرحال ہم اسٹیج کی طرف بڑھے اور میں نے بڑے ہی پیار سے اظہر کو صوفے پر بٹھایا۔ اب میں اور وسیم کبھی اظہر کا سہرا صحیح کر رہے تھے کہ کبھی اس کی شیروانی۔ مہمان بھی صوفوں پر بیٹھ چکے تھے اور حسین شادی کا سماء دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔

''روحیل میرا سہرا صحیح ہے؟'' اظہر نے سہرے کے اندر سے پوچھا۔

''ہاں بالکل صحیح ہے، بس تھوڑی دیر میں اُتار دیں گے۔''

میں نے اس کے کان کے پاس جا کر کہا۔

''ابے یار میرا دم گھٹ رہا ہے، مائیگرین سا ہو رہا ہے۔'' اظہر نے اندر سے کہا۔

''اوہ بھائی تھوڑی دیر برداشت کر لے! پھر سہرا کیا سب ہی کچھ اُترے گا تیرا۔''

وسیم نے مستی میں کہا اور ہم سب ہنسنے لگے۔

''اور نہیں تو کیا!......آج تو بھائی کی آفیشل سہاگ رات ہے۔''

میں نے اظہر کے کندھے پر کندھا مارا۔

''میلے ہو تم لوگ۔''

اظہر نے جل کر یہ جملے کہے اور میں وسیم کے ہاتھ پر تالی مار کر ہنسنے لگا۔ ناز سے محبت کا گلا میں گھونٹ چُکا تھا، اس وقت مجھے صرف اپنے بھائی کی خوشی نظر آ رہی تھی اور کچھ نہیں۔

''ایکسکیوز می ڈاکٹر روحیل؟''

میں نے چونک کر دیکھا تو تہمینہ کھڑی نظر آئی۔

”ہاں کہیے تہمینہ……بیس ہزار بھی کم ہیں کیا؟“

میں نے اس کے پاس جا کر مسکرا کر پوچھا۔

”آپ کا ساتھ ہی ہمارے لیے بہت ہے ڈاکٹر روحیل۔“ تہمینہ نے مسکرا کر کہا۔

”شکریہ بہت بہت۔“ میں نے سر جھکا کر کہا۔

”ڈاکٹر کیا میں ایک منٹ آپ سے بات کر سکتی ہوں؟“

تہمینہ کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور میں چونک سا گیا۔ بھلا اس طرح شادی کے بالکل بیچ مجھے اکیلے میں بُلانے کی کیا ضرورت تھی۔

”ایکسکیوز می۔“

میں نے وسیم اور اظہر کو دیکھ کر کہا اور کوٹ کا بٹن لگاتے ہوئے تہمینہ کے ساتھ چلا۔

”سب ٹھیک تو ہے؟“ میں نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

”ناز آپ سے اکیلے میں کچھ بات کرنا چاہتی ہے۔“

تہمینہ کے جملے سن کر میں دھک سے رہ گیا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ ایک ہی لمحے میں میری مسکراہٹ، میری خوشی جیسے غائب ہوگئی۔ وہی گھبراہٹ، وہی اندر کی تنہائی ظاہر ہوئی۔ میں پریشان ہو گیا۔

”میں نہیں جانتی کہ اُسے کیا بات کرنی ہے……وہ آپ سے بس بات کرنا چاہتی ہے۔“

تہمینہ نے مجھے دیکھ کر بتایا اور میں سوچنے لگا۔

”آپ چل رہے ہیں؟“ اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

میں نے گہرا سانس لے کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر تہمینہ کی طرف دیکھ کر کہا:

”ٹھیک ہے……چلیے۔“

یہ کہہ کر میں تہمینہ کے پیچھے چل پڑا۔

ہم مہمانوں سے گزرتے ہوئے جلد ہی ڈریسنگ رُوم کی طرف پہنچے۔

”آیئے……“

تہمینہ نے مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا اور میں گہرا سانس لے کر اندر کی طرف چلا۔ میں ہچکچاتا ہوا ڈریسنگ رُوم میں داخل ہوا۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ منظر میں نے دیکھا…… جو اپنے

سپنوں میں کئی بار میں دیکھ چُکا تھا۔ میں جب اس شادی میں آیا تھا تو دل کو سخت کر کے، اپنی محبت کا گلا گھونٹ کر آیا تھا۔ مگر ناز کو اس طرح دلھن بنے ہوئے دیکھ کر میری محبت تڑپ کر باہر نکلی۔ ناز میرے سامنے دلھن بنی بیٹھی تھی اور وہ آسمان سے اُتری ہوئی کسی حُور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اسی ایک لمحے سے بچنے کے لیے میں تڑپ رہا تھا کہ میں اپنی زندگی کو کسی اور کی دلھن بنے ہوئے نہ دیکھوں، مگر کسی نہ کسی طرح یہ درد بھی میں جبر کر گیا۔ پتھر کے بُت کی طرح اس کا چہرہ تکنے لگا۔ ناز میرے سامنے صوفے پر بیٹھی تھی جب کہ میں اس کے سامنے بے بس کھڑا تھا۔

''تہمینہ......تم جاؤ۔''

خشک لہجے میں ناز کا حکم سن کر تہمینہ سر ہلا کر چلی گئی۔ جاتے ہوئے اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ اب ڈریسنگ رُوم میں' میں اور ناز اکیلے تھے۔ میں پریشان ہو کر ناز کو دیکھنے لگا۔ ناز اس لمحے مکمل خاموش تھی۔

''کہیے......مسز اظہر؟''

میں نے اطمینان سے یہ جملہ اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

ناز میرا لہجہ سمجھ چکی تھی۔ وہ اپنی نشست سے اُٹھی اور ایک قدم چل کر مجھ سے دُور ہوئی۔ میں اپنی جگہ موجود اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

ناز نے ایک گہرا سانس لیا:

''روحیل...... میری زندگی...... ایک کتاب کی صورت میں ہے...... میری کتاب میں......کئی باب ہیں...... ہر باب کا ایک پہلو ہے......ایک شروعات ہے...... اور پھر انجام ہے...... میں اپنی زندگی کی اس کتاب سے...... مطمئن ہوں......سکون میں ہوں...... مجھے میری زندگی کی یہ کتاب...... بے حد پسند ہے...... بے حد پسند......''

ناز کہتی چلی گئی اور میں اُسے تکنے لگا۔

''مگر میں یہ بات مانتی ہوں...... کہ میری زندگی کا ایک ایسا باب ہے......جس کا تعلق......آپ سے ہے......اُس باب کا نام...... روحیل ہے......اور آج......آج میں اس باب کے آخری صفحے پر موجود ہوں......آج میں اس باب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کرنا چاہتی ہوں...... میں اس باب کے صفحے...... پھر کبھی دوبارہ...... نہ پڑھنا چاہتی ہوں...... نہ

ہی ان لفظوں کو دیکھنا چاہتی ہوں ......''

ناز نے دھیرے سے یہ بات کہی اور میں سوچنے لگا۔

''......اظہر نے ہمیشہ آپ سے محبت کی ہے......وہ آپ کو بہت چاہتے ہیں......چھوٹا بھائی کہتے ہیں آپ کو......آپ کی عزّت کرتے ہیں...... آپ کا مان رکھتے ہیں......اور میں جانتی ہوں...... کہ وہ ساری زندگی......آپ سے محبت کرتے رہیں گے......شاید......اس زندگی کے بعد بھی......مگر......کبھی غلطی سے یہ مت سوچیے گا...... کہ آپ کی چاہت...... اپنے دل میں آنے دوں گی......''

ناز کی زہریلی بات سن کر میرا دل نفرت سے سکڑ گیا اور میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''میرا اور آپ کا جتنا وقت ساتھ میں گزرا ہے......اُس وقت کو...... اپنی زندگی کے اس باب میں لکھ کر...... میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھلا رہی ہوں......اور چاہتی ہوں...... چاہتی ہوں کہ آپ بھی بھلا دیں......اب سے کچھ دیر بعد........... میں آپ کی بھابھی......اور آپ میرے دیور ہوں گے...........ہم دونوں کی دوستی کا رشتہ......رشتے داری میں بدلنے والا ہے...........مگر یقین جانیے......میں آپ سے اب کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی......''

ناز کہ ان جملوں کا مجھے اندازہ تھا۔اس لیے میں خاموش رہا، سُنتا رہا۔

میں نے مزید سُنا، ناز طنزیہ ہنسی ہنس کر کہنے لگی:

''بہت اچھی طرح جانتی ہوں...... آپ آج کی رات خوش نہیں ہیں...... بقول آپ کے...... کہ آپ کو مجھ سے محبت ہوگئی ہے...... ایک ایسی عورت جسے آپ چاہتے ہوں...... وہ آج کسی اور کی دلھن بنی آپ کے سامنے موجود ہے......لیکن سچ پوچھیے...... مجھے آپ سے کوئی ہمدردی نہیں...... میرے دل میں اگر آپ کے لیے جو جذبات ہیں......وہ محض نفرت کے سوا کچھ نہیں......''

ناز نے سفّاک لہجے میں یہ جملے کہے اور نا چاہتے ہوئے بھی میری آنکھیں بھیگنے لگیں۔آنسو میری آنکھ سے چھلک پڑا۔

''لیکن......لیکن اظہر نے صحیح کہا...... کچھ رشتے کبھی نہیں ٹوٹ سکتے......مگر ایک بات اظہر نہیں جانتے......وہ یہ...... کہ کچھ رشتے ساری زندگی کے لیے روٹھ ضرور سکتے ہیں......رشتوں کے

نام......مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں......لیکن روٹھے ہوئے رشتے......زندہ ہو کر بھی......کبھی ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھتے......کبھی نہیں دیکھتے......"

یہ کہ کر ناز پلٹی اور مجھے دیکھ کر کہنے لگی:

"میں......اب آپ سے کسی بھی قسم کا کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی......نہ دوستی کا......نہ ہمدردی کا......نہ بھابھی اور دیور کا............میں نہیں چاہتی کہ جس شہر میں......میں......اور میرا پیار جی رہا ہو وہاں......آپ کا سایہ تک پڑے......میں اب اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی......"

ناز کی خواہش سن کر میں دھک سے رہ گیا، میں ابھی بھی اس کا چہرہ تک رہا تھا......

"چلے جایئے میرے گھر سے......اس سے پہلے آپ میرے گھر کی خوشیاں کھا جائیں......آپ چلے جائیں......کیوں کہ آپ میرے لیے مر چکے ہیں......جایئے روحیل......اس شہر کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے جایے......اب آپ کے لیے اس شہر میں کوئی جگہ نہیں......اگر آپ کو ذرا سی بھی مجھ سے محبت ہے تو میرا کہنا ضرور مانیں گے......آپ اس شہر کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلے جایئے۔"

ناز نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا اور میں سکتے کے عالم میں اس کا چہرہ تکتا رہ گیا۔ میرے محبوب نے مجھ سے مانگا بھی تو کیا مانگا۔ جُدا تو ویسے ہی تھے اب در بدر بھی کر دیا۔ میں گھر سے بے گھر ہو چکا تھا، مگر اب شہر سے بھی پرایا ہو گیا۔ محبت میں اس طرح برباد ہونگا میں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔

"اگر آپ کو ذرا سا بھی میرا خیال ہے......تو پلیز......آج رات ہی آپ یہ شہر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے جائیں......میں آپ کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے......آگے نہیں بڑھ سکتی......"

ناز نے اپنی بات کہی اور میں سر جھکا گیا۔ خاموشی سے آنسو بہانے لگا۔ میں نے محسوس کیا، ناز کو میرے رونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ بس میرے جواب کی منتظر تھی۔

میں نے دو آنسو صاف کیے اور پھر ناز کا چہرہ دیکھ کر......صرف اتنا کہہ سکا:

"جو چاہو تم......"

یہ جملے کہہ کر......میں مرکزی دروازے کی طرف بڑھا......دروازے کا ہینڈل پکڑ کر

کھینچا......اور ڈریسنگ رُوم سے نکلتا چلا گیا۔گل ناز مجھے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔شاید آج ہم نے آخری بار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

☆......☆

میں باہر آیا تو ایک بار پھر سے اندھیروں میں کھو گیا۔اب میرے آس پاس کی خوشیاں سب بے معنی ہو گئی تھیں۔میں اپنے ہی غم کے اندھیرے میں جینے لگا۔ہال میں آکر میں ایک طرف کھڑا ہو کر خاموشی سے اظہر کو تکنے لگا۔اظہر اس لمحے بے صبری سے اپنے نکاح کا انتظار کر رہا تھا اس کی خوشی اس کے چہرے پر نُمایاں تھی۔میں مسکرا کر اپنے بھائی کی خوشی کو تکنے لگا۔

جلد ہی مولانا صاحب اسٹیج پر آئے اور اظہر کا نکاح پڑھانے لگے۔میں نے ہاتھوں کو بلند کر کے اظہر کے لیے دعائیں مانگیں۔آخر کار اظہر اور ناز کا نکاح ہو گیا اور مبارک ہو!!......مبارک ہو!!......کی صدائیں شادی ہال میں گُونجنے لگیں۔

میں نے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرا، خدا کا شکر ادا کیا، اپنی ناز کو ہمیشہ کے لیے الودہ کر دیا تھا۔ناز میری زندگی سے ہمیشہ کے لیے چلی گئی۔یہ قیامت بھی میں سہہ گیا۔

اب وقت تھا کہ میں اپنے محبوب کا حکم بجالاؤں۔

سب سے پہلے اظہر سے گلے ملنے والوں میں سے میں تھا۔میں نے جی بھر کے اظہر کو گلے لگایا اور اس کا ماتھا چُوما۔اظہر اس لمحے بہت خوش تھا۔اب میں ابا کے سینے سے لگا۔ابا میری بہادری سے بے انتہا متاثر تھے اور مجھے دیکھ کر حد سے زیادہ خوش۔اس کے بعد میں، پھوپھا صاحب، نسیم صاحب، جمشید اور غلام حسن صاحب سے ملا۔مردوں سے ملنے کے بعد میرے قدم خواتین کی طرف بڑھے۔میں نے امی کو سلام کیا اور سائرہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔سائرہ نے سر جھکا یا مگر اس کی توجو اس وقت دولھا تھا۔میں چلتا ہوا امّاں کے پاس آیا اور اپنی دادی کو سینے سے لگا کر ان کی راحت کو محسوس کرتا رہا۔جب سب گھر والوں سے مبارکباد وصول کر چُکا تو میں پلٹ کر وسیم کے پاس آیا اور اُسے ایک کونے میں لیکر چلا۔

''وسیم...... یہ میرا کریڈٹ کارڈ ہے......تم جلد از جلد آج رات کی نیو یارک کی میری فلائیٹ بُک کرا دو......''

میری بات سن کر وسیم دھک سے رہ گیا۔میرے لہجے کی مضبوطی وہ سمجھ چُکا تھا۔وہ جان گیا

کہ کچھ کہنا بے معنی ہے۔ دو پل رُک کر اس نے کہنے کی کوشش کی:

''تُو......تُو کیا پاگل ہو گیا ہے؟''

''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو، پلیز......''

میں نے خشک لہجے میں یہ جملے کہے اور وسیم خاموش ہو گیا۔ میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وسیم سمجھ گیا کہ کوئی بات ہوئی ہے۔ خاموشی سے پلٹ کر وہ چل دیا اور ہال سے نکلتا چلا گیا۔ میں پلٹ کر دوبارہ سے اظہر کو دیکھنے لگا۔ جلد ہی ناز کو اسٹیج پر لایا گیا اور میں آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ اس کا چہرہ تکنے لگا۔ اس کی سہیلیاں ہنستی ہوئی ناز کو لے کر باہر آ رہی تھیں۔ میں روتے ہوئے اُسے دیکھتا رہا۔

امی اور سائرہ نے بھی بڑے پیار سے اظہر کی دلھن کو تھاما ہوا تھا۔ اظہر گھبرا کر لال رومال سے کبھی اپنا ماتھا صاف کرتا تو کبھی اُسے جیب میں رکھتا۔ میں آنکھوں میں آنسو لیے یہ منظر دیکھتا رہا۔ ناز جلد ہی اسٹیج پر پہنچی اور اظہر نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب کیا۔ خوشی سے ناز کا چہرہ دمک رہا تھا اور نیا جوڑا فوٹوگراف کے لیے پوز دینے لگا۔ میں روتی ہوئی آنکھوں سے اپنی محبت کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ قریب قریب ایک گھنٹے کے بعد وسیم واپس آیا اور میرے کان میں آ کر مجھے بتایا کہ میری فلائیٹ رات دو بجے کی بُک ہو گئی ہے۔ میں نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھا اور ہال سے نکلتا چلا گیا۔ وسیم بھی میرے ساتھ ہو لیا۔

☆......☆

ہال سے نکل کر میں سیدھا وسیم کے گھر آیا اور جلد از جلد اپنی پیکنگ کی۔ وسیم خاموشی سے مجھے سامان باندھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ اس وقت ساکت تھا۔

جلد ہی میں وسیم کے ساتھ بیٹھا ہوا ایرپورٹ کی طرف اڑھا جا رہا تھا۔ ٹرمنل پر پہنچ کر میں نے ایک نظر گیٹ کی طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر وسیم کو دیکھا تو وہ آنکھوں میں آنسو لیے نظر آیا۔

''غم نا کر یار......میری زندگی میں شاید یہی لکھا تھا۔''

میں نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ یہ جملے کہے اور وسیم میرا ہاتھ تھام کر بولا:

''تُو بہت یاد آئے گا یار۔''

اس کا یہ کہنا تھا کہ میں نے اُسے گلے لگا لیا۔ وسیم مجھ سے گلے لگ کر رونے لگا، میں نے اس

کے گالوں کو تھپتھپایا اور ٹرمینل کی طرف چل دیا۔ وسیم مجھے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆

رات ایک بجے کے قریب رخصتی ہوئی اور باراتی گھر کو آنے لگے۔ پندرہ بیس گاڑیاں جب گھر واپس پہنچی۔

تو سب شور مچاتے ہوئے اور ہارن بجاتے ہوئے واپس آئے۔ باراتی خوش کیوں نہ ہوتے، دلھن جو گھر میں آ گئی تھی۔

سب سے پہلے ڈاکٹر مظہر کی گاڑی رُکی اور وہ سیدھے اُتر کر اندر کی طرف چلے۔

گھر میں اس وقت وسیم اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔

''وسیم؟......تم یہاں ہو؟......ہم تمھیں اور روحیل کو کہاں کہاں تلاش نہیں کر رہے تھے؟''

ڈاکٹر مظہر نے گاڑی سے اُترتے ہوئے پوچھا مگر وسیم خاموش رہا۔ اب آہستہ آہستہ سب گھر میں داخل ہونے لگے۔ دولھا اور دلھن بھی اندر آئے۔ شاہین بیگم اور فہمیدا بیگم بھیان کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

''کیا بات ہے؟......کہاں گئے تھے تم؟ اور یہ روحیل کہاں ہے؟''

ڈاکٹر مظہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ماموں جان وہ......'' وسیم نے کچھ کہنا چاہا۔

''ہاں ہاں کہو، کہاں ہے روحیل؟'' انھوں نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ماموں جان......روحیل......روحیل......چلا گیا......'' وسیم نے سرد لہجے میں کہا۔

''چلا گیا؟......کہاں چلا گیا؟''

انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ اظہر بھی حیران ہو کر وسیم کا چہرہ تکنے لگا۔ جمشید، سائرہ، امّاں، امی، نسیم صاحب اور نسیم بیگم بھی اُسے دیکھنے لگے۔ حیدر صاحب اور تحسین بیگم بھی وسیم کو تکنے لگے۔ وسیم نے سر جھکا کر کہا:

''ماموں جان......روحیل ہمیشہ کے لیے......امریکا چلا گیا......''

وسیم کا یہ کہنا تھا کہ مظہر صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ شہناز بیگم بھی سکتے کے عالم میں صوفے پر بیٹھ گئی اور فرش کو تکنے لگیں۔ اظہر بھی خاموشی سے یہ الفاظ سُنتا رہ گیا اور اب اُس پر

بھی سکتہ طاری تھا۔ان کا روحیل سارے رشتے اور ناتے توڑ کر چلا گیا تھا۔اس لمحے مظہر صاحب کی جیسے کمر ٹوٹ گئی، انھوں نے اپنے آپ کو بہت تنہا محسوس کیا۔جمشید بھی سر جھکا گیا۔حیدر صاحب اور تحسین بیگم بھی سر جھکا گئے۔

"وہ ہم سب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا ہے ماموں جان......اب ہمارے بیچ وہ کبھی نہیں ہوگا......بہت نفرت تھیں نہ ہمیں اُس سے......وہ یہ گھر چھوڑ کر چلا گیا......مگر شاید......کچھ لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں تھا......"

وسیم نے آنسوؤں کے ساتھ یہ جملے کہے اور ناز سر جھکائے کھڑی رہی۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ہم نے اُسے دھکّے دیکر نکالا ہے؟"

شاہین بیگم نے آگے بڑھ کر یہ جملے کہے اور وسیم ان کا چہرہ تکنے لگا۔

اظہر اور شہناز بیگم نے بھی انھیں دیکھا۔جب کہ مظہر صاحب ساکت صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"اور کیا کریں ہم اس کے لیے؟...... ہمارا بچّہ گھر جا کر اپنی ناک رگڑ کر اس کے سامنے آ گیا......پر اس کی اکڑ ہی ختم نہیں ہو رہی......بار بار اظہر نے کہا میرے بھائی پُرانی باتوں کو بھول جاؤ......پُرانی باتوں کو بھول جاؤ......مگر نہیں......وہ نہیں بھولا......اس کا مقصد جو کامیاب نہ ہوسکا......روحیل ایک کینہ پرور انسان تھا......اور وہ اس نفرت کو ہمیشہ اپنے دل میں جگائے رکھتا......خدا نہ کرے اگر روحیل اسی شہر میں ہوتا تو شاید ہم میں سے کسی کا خون تک کر دیتا...... ہماری تو نہ جانیں محفوظ تھیں نہ عزّتیں!......" شاہین بیگم نے چلّا کر کہا۔

"امی......" اظہر نے خشک لہجے میں کہا۔

"خدا نہ کرے کل کو گھر میں ڈس کر چلا جاتا تو کیا کرتے......یہ بات آپ سب یاد رکھیں کے روحیل کی رگوں میں ایک کافرماں کا خون دوڑ رہا ہے......وہ کافرماں......جن کا نہ خاندان کا پتا نا باپ کا پتا......جنھیں صرف عزتوں کے ساتھ کھیلنا آتا ہے......ناز کی بات کو رہنے دیں......خدا نہ کرے کل کو وہ سائرہ کے ساتھ کچھ کر جاتا تو کیا ہوتا!......" شاہین بیگم نے چلّا کر کہا۔

"شاہین!......"

ڈاکٹر مظہر دھاڑ کر اٹھے!......اور ایک زنّاٹے دار تھپڑ شاہین بیگم کے منہ پر پڑا!......

اس قدر زبردست تھپڑ کی گُونج سن کر سب کے دل دہل گئے سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ منظر تکنے لگے۔شہناز بیگم، کی آنکھیں پتھرا گئیں۔فہمیدہ بیگم بھی حیران ہوکر ماجرہ تکنے لگیں۔تھپڑ کچھ اس قدر زوردار تھا کہ شاہین بیگم کا چہرہ ابھی تک بائیں طرف کو مُڑا ہوا تھا،ان کی آنکھوں میں آنسو اور دُنیا جہاں کی حیرت شامل تھی۔چہرہ بالکل ساکت۔

وسیم، سائرہ، جمشید بھی دھک سے رہ گئے۔شہناز بیگم روتے ہوئے یہ منظر دیکھنے لگیں۔شاہین بیگم نے گردن موڑ کر اپنے شوہر کو دیکھا تو ان کی آنکھیں شعلہ اگل رہی تھیں۔وہ بے انتہا نفرت سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''بہت فخر ہے تمھیں اپنے مسلمان ہونے پر...... بہت فخر ہے تمھیں ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھنے پر......مگر ایک یتیم کے اوپر اس قدر گھناؤنے الزام لگانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیا ہوتا شاہین......کہ کہیں کل کو خدا تم سے یہ فخر نہ چھین لے......''

اُن کے یہ کہنے پر شاہین بیگم ان کا چہرہ تکتی رہیں۔

''میں آج!......اس بھری محفل میں!...... تجھے یہ بدعا دیتا ہوں!...... کہ آج کے بعد سے......تُو پیار کو ترسے گی!......''

ڈاکٹر مظہر نے شاہین بیگم کے چہرے کی طرف اشارہ کر کے بددعا دی اور وہ دھک سے رہ گئیں۔سب کے سب اس لمحے سکتے میں آ گئے۔

''تُو تڑپے گی!!...... اپنے شوہر کے لیے...... اپنے بیٹے کے لیے...... اپنی خوشی کے لیے...... یہ گھر تجھے کاٹ کھانے کو دوڑے گا...... تجھ سے تیری ساری خوشیاں الگ ہوجائیں گی......اور پھر تُو...... ناک رگڑ کر......ایڑیاں رگڑتی ہوئی......اُسی کافر کے پاس جائے گی...... اُسی بن ماں کے بچّے کے پاس جائے گی......اُسی بن باپ کے بچّے کے پاس جائے گی...... جسے تیرے طعنے کھا گئے......جس کی خوشیوں کو تُو نے آگ لگا دی......جس کو جیتے جی تُو نے مار دیا......''

یہ کہ کر ڈاکٹر مظہر زاروقطار رونے لگے اور سب کے چہرے جھک گئے۔

وسیم اس لمحے ہچکیوں سے رونے لگا۔

''اے ظالم عورت!!......میں تجھے یہ بددعا دیتا ہوں......میں تجھے یہ بددعا دیتا ہوں!!...... میں تجھے یہ بددعا دیتا ہوں!............''

یہ کہ کرڈاکٹر مظہر چلتے چلے گئے۔کسی نے انھیں روکنے کی کوشش نہ کی۔سب کے سب اس لمحے بُت بنے کھڑے تھے۔گھونگٹ کے اندر ناز نے اپنا چہرہ جھکایا ہوا تھا اور وہ خاموش تھی۔اس کے دل میں اپنی ساس کے لیے رحم آیا۔شاہین بیگم نے بات کڑوی کہی مگر اس کے مطابق سچ تھی، روحیل کا اس گھر سے دُور چلے جانا ہی اس کے لیے بہتر تھا۔وہ کسی قیمت یہ نہیں چاہتی تھی کہ اظہر کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے روحیل بھی اس چھت کے نیچے رہے، اس لیے وہ اطمینان سے اپنی جگہ کھڑی رہی۔اس نے ایک لفظ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

☆......☆

گھر میں کیا کچھ ہو گیا تھا اس چیز سے بے خبر میں بلندیوں میں کھویا ہوا اپنی ماں کے وطن واپس جا رہا تھا۔جہاز کی کھڑکی سے باہر گزرتے ہوئے بادلوں کو دیکھتا گیا۔میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب پلٹ کر کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔اپنی زندگی کے بارے میں انھیں کچھ بتانا ہے نا ہی اُن اپنے گھر والوں کی کوئی خیریت مطلوب کرنی ہے، یہی سوچ کر میں نے موبائل سے اپنا فیس بُک، انسٹا گرام اور دیگر ایپس کو نکال دیا جہاں میرا ذرّا بھر بھی کوئی رشتہ باقی رہے۔اپنے فون کو تکتے تکتے کب میری آنکھ لگی مجھے خود یاد نہیں رہا۔میں اپنے دکھ اور غموں کی چادر اوڑھ کر سو چکا تھا۔
بائیس گھنٹے کے سفر کے بعد جب میں نیویارک پہنچا تو خوبصورت ماحول نے میرا گرم جوشی سے سواگت کیا، مگر میرا اپنا کوئی نہیں تھا۔میں خاموشی سے ٹیکسی کی طرف چلتا چلا گیا۔اپنا بیگ رکھ کر ڈرائیور کو پتا سمجھایا۔جلد ہی میں بُروکلن علاقے میں پہنچا اور ڈرایور نے اپنی ٹیکسی ایک چھوٹے سے خوبصورت سے گھر کے پاس روکی۔میں نے ٹیکسی کا بل ادا کیا اور ٹیکسی سے اُتر کر گھر کی طرف بڑھا۔سردی کافی تھی اس لیے میرے ہاتھ سرد پڑ رہے تھے اور اس لمحے میرے پاس اوورکوٹ بھی نہیں تھا۔بہر حال میں نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔کسی کے نہ آنے پر میں نے ایک بار پھر دستک دی۔

"Who is this?" اندر سے ایک انگریز عورت کی آواز آئی۔

"It's me aunty"

میں نے مسکرا کر کہا اور اندر خاموشی چھا گئی۔

جلد ہی دروازے کی چٹخنی ہٹی اور دروازہ کھلا۔میں نے دیکھا مسز مارگریٹ بہت بوڑھی

ہو گئی تھیں مگر میری آواز اب بھی پہچانتی تھیں ۔ یہ میری ماں کی بڑی بہن تھیں ۔ میری سگی خالہ تھیں۔

"Is that ... is that you Rohail?"

مسز مارگریٹ نے حیرت کے عالم میں پوچھا۔

"What do you think?" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"Oh Rohail my boy!!"

مسز مارگریٹ اپنی باہیں کھول کر مجھ سے لپٹ گئیں اور میں اُن سے۔

"It's soo!! good to see you!... Thank God you are here!"

مسز مارگریٹ نے تڑپ کر کہا۔

"You're looking beautiful Aunt" میں نے مسکرا کر کہا۔

"Oh Come On!, I'm too old to handle this shit"

مسز مارگریٹ نے ہاتھ چلا کر کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"Come inside!.. Come"

انھوں نے پیار سے کہا اور میں اندر چلا آیا۔

یہ ایک چھوٹا سا گھر تھا مگر صاف ستھرا تھا۔ پورے نیو یارک میں مسز مارگریٹ ہی وہ خاتون تھیں جنھیں میں جانتا تھا۔

"Come.. sit here"

مسز مارگریٹ نے مجھے کاوچ پر بٹھایا اور میں مسکرا کر انھیں دیکھنے لگا۔

"Look at you!, you have your mother's beautiful eyes, and a tough body like your father"

وہ مسکرا کر بولیں اور میں نظریں جھکا کر ہنسنے لگا۔

"You don't know how much I am glad to see you here, I always see Juliana in you" انھوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"How is your health?" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"Oh!, I'm fine dear, the only pain in my ass are the chlidren next door, they are very loud!".

انھوں نے منھ بنا کر کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"Rohail?... is there something wrong? you look quite .. sad"

اُنھوں نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا اور میری ہنسی کا گلا جیسے ایک دم سے گھٹ گیا۔ میں ان کا فرش تکنے لگا۔

"What happened son?"

انھوں نے حیران ہو کر پوچھا اور میری آنکھوں میں آنسو اُتر آئے۔ دو پل کے لیے میں نے ان کا فرش تکا اور پھر مسکرانے لگا۔

آنٹی مارگریٹ میرے جواب کی منتظر تھیں۔ میں نے گہرا سانس لیا اور انھیں دیکھ کر کہنے لگا:

"I made ....a terrible mistake aunt.....a terrible mistake"

میرے یہ کہنے پر آنٹی مارگریٹ مجھے تکنے لگیں۔

"I fell in love Aunt, I'm in love with someone. But ....but she does'nt belong to me.....this is the reason I left Pakistan forever".

میرے یہ کہنے پر مسز مارگریٹ نے کچھ دیر میرا چہرہ دیکھا۔

میں نے ان کا ہاتھ تھاما اور کہنے لگا:

"I need job aunt, I wanna get settle here, I'm not going back anymore. Save me ....., just save me"

میں نے روتے ہوئے اُن سے التجا کی اور مسز مارگریٹ نے تڑپ کر مجھے گلے لگا لیا۔ میں اُن سے لپٹ کر رونے لگا۔

"Relax chld, I understand..... life is always hard on you, but you have to control yourself, I am sure you will achieve your dreams... sooner or later...... but you will be happy in your life,.... that's my promise to you"

مسز مارگریٹ نے میرا چہرہ تھام کر یہ جملے کہے اور میں انھیں دیکھنے لگا۔ مسز مارگریٹ ہی اب میری ایک اکیلی ڈھال تھیں...... جن کے سہارے میں نیویارک پہنچ گیا تھا۔ میری زندگی میں اب کیا ہونا ہے...... میں نہیں جانتا تھا۔

☆......☆

احسان تھا میرے ابا کا مجھ پر، جنھوں نے مجھے اس قابل بنایا کہ آج زندگی کے اس موڑ پر جہاں میرے ساتھ کوئی نہیں تھا، میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکا۔ آنٹی مارگریٹ کی مدد سے میری نوکری نیویارک کہ ایک مانے ہوئے اسپتال Queen's Hospital میں ہوگئی۔ جلد ہی میں اپنے کام میں کامیاب ہوا اور پورے اسپتال میں میرا نام گونجنے لگا۔ اس دوران میں نے اپنے لیے مستقل رہائش کا بھی بندوست کیا، اپنا فلیٹ، گاڑی، سب کچھ الگ کیا۔ میرے پیٹ پیچھے کراچی میں بہت کچھ ہوا، مجھے پل پل کی خبر سے کسی نے آگاہ رکھا تو وہ وسیم تھا جس نے ای میل کے زریعے مجھ سے تعلق رکھا۔ اُس نے مجھے شادی کی تصویریں تک بھیجی۔ فیملی گروپ کی تصویر۔ میں مسکرا کر یہ تصویر دیکھنے لگا، جیسے بھی تھے، تھے تو میرے اپنے ہی۔

اظہر اور ناز شادی کے بعد اب دعوتوں میں شرکت کر رہے تھے، وہ اپنے پیار کی جیت کا جشن منا رہے تھے۔ وہیں میں اُن دونوں سے کوسوں دُور...... بہت دُور سینٹرل پارک میں بیٹھا ہوا ہاٹ ڈاگ اور ڈائٹ پیپسی لیے گُم سُم بیٹھا تھا۔ اظہر اور ناز ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر پارکس میں ٹہلتے ایک دوسرے کی بانہوں میں دن گزارتے۔ دوسری طرف میں مین ہٹن کے لوگوں سے بھری سڑکوں پر اپنا اوورکوٹ پہن کر اکیلا ہی چلتا چلا جاتا۔ ہم دونوں بھائیوں کی زندگیاں بے حد الگ ہوچکی تھیں اور شاید...... یہی ہمارے حق میں بہتر تھا کہ ہم اب ایک دوسرے سے دُور رہیں۔

اسی کشمکش میں آٹھ مہینے گزر گئے۔ میں اپنے کام میں کھو سا گیا اور اب تو وسیم نے بھی ای میلز کرنا کم کر دی تھیں۔ بچا کھچا تعلق بس اب اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا، میں اپنوں سے اس قدر دُور چلا گیا تھا کہ جہاں میری یاد بھی انھیں نہ آئی۔

ایک دن اپنے کام سے گھر فلیٹ پر واپس لوٹا تو میرے موبائل پر نوٹیفکیشن آیا۔ میں نے دیکھا، اظہر نے مجھے ای میل کی ہے۔ اظہر کا نام پڑھ کر میں دھک سے رہ گیا۔ ای میل پڑھی تو یہ دیکھ کر میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی کہ ابا کی طبیعت خراب ہے، وہ اسپتال میں ایڈمٹ تھے۔ انھیں شدید دل کا دورہ ہوا تھا۔ ڈاکٹرز نے ان کے بچنے کی اُمید کم ظاہر کی ہے۔ اظہر نے مجھے فوراً لوٹنے کے لیے کہا۔

میں پریشان ہو کر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ سمجھ نہیں آیا کہ واپس پلٹ کر جاؤں یا نہیں، جن لوگوں سے میں تعلق ختم کر آیا ہوں، اب جواز نہیں تھا واپس جانے کا۔ مگر...... مگر ابا کی محبت مجھے کھینچ رہی تھی۔

آخر کار میں نے فیصلہ کیا کہ میں واپس ضرور جاؤں گا۔ جیسے تیسے کر کے فلائٹ پر اپنی سیٹ بُک کروائی اور چار دن کی چھٹی لے کر کراچی چلا۔ ایک بار پھر بائیس گھنٹے کے طویل سفر کے بعد میں کراچی پہنچا۔

جہاز سے نکل کر جب سر اُٹھایا تو اُسی بے وفا شہر کو پایا...... جسے میں ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ آیا تھا...... ایک بار پھر اس شہر کو جینا تھا...... اس کی گلیوں سے گزرنا تھا......

ایئرپورٹ سے نکل کر میں ٹیکسی اسٹینڈ پر پہنچا اور ڈرائیور کو سیدھا سہارا اسپتال جانے کے لیے کہا۔

جلد ہی میں سہارا اسپتال پہنچا۔ ٹیکسی سے اُتر کے میں سیدھا مرکزی دروازے کی طرف بڑھا۔ قریب ایک سال بعد میں نے اپنے اسپتال میں قدم رکھا تھا۔ یہاں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں نے چھوڑا تھا۔ اسپتال کا عملہ مجھے دیکھ کر حیران ہوا مگر وہ جلد ہی سمجھ گئے کہ میں کس سلسلے میں یہاں موجود ہوں۔ عملے کی پروا کیے بغیر میں اوپر ہی اوپر پرائیویٹ وارڈ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

میں چلتا ہوا ابا کے کمرے پر پہنچا اور بے دھڑک دروازہ کھولا مگر اسی لمحے مجھے ایک

زبردست جھٹکا لگا۔

میں نے دیکھا، ابا بستر پر لیٹے ہوئے بے خبر سو رہے تھے۔ تکلیف کے عالم میں ہلکا سا ان کا منھ کھلا ہوا، داڑھی اور مونچھیں سفید پڑ گئی تھیں، وہ حد سے زیادہ کمزور ہو گئے تھے۔ ای سی جی اور ڈرپس اسٹینڈ ان کے برابر لگے ہوئے تھے۔ میرے سامنے لگا مونیٹر پلس ریٹ بتا رہا تھا۔ مگر جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ سکتے میں ڈالا...... وہ تھی گل ناز...... جو خاموشی سے صوفے پر حسین ساڑھی پہنے ہوئے بیٹھی...... مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆

لال رنگ کی حسین ساڑھی میں ناز کا حُسن دیکھنے والا تھا۔ بال کھلے ہوئے اور ہونٹوں پر ہلکی ہلکی لپ اسٹک، نازک کلائیوں میں سونے کے کنگن اور گلے میں سونے کا ہار۔ اس کا یہ سہاگن رُوپ اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہا تھا۔ مگر یہ خوبصورتی میرے لیے نہیں تھی۔ وہ اظہر کی بیوی تھی۔ اس حقیقت کو سمجھ کر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور قدم اندر رکھے۔ ناز نے پنا چہرہ پھیر لیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور ابا کو دیکھنے لگا۔ ابا کی ناک پر آکسیجن پائپ لگی ہوئی تھی۔ انھیں یقیناً سانس لینے میں دشواری تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، کیا حال ہو گیا تھا میرے ابا کا۔ وہ شخص جسے دیکھ کر زمانہ ڈرجاتا تھا، آج بے بس بستر پر پڑا اپنی آخری سانسیں گن رہا ہے...... میں پیار سے اپنے ابا کا چہرہ دیکھنے لگا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ہمّت کر کے برابر میں رکھی ہوئی رپورٹس اُٹھائیں اور انھیں پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے میں رپورٹ پڑھتا گیا، میرا دل ڈوبنے لگا۔ رپورٹس کچھ خاص اچھی نہیں تھیں۔ نا ہی ای سی جی صحیح آ رہا تھا۔ میں روتے ہوئے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ناز بھی اس لمحے کن اکھیوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں ابا کا ہاتھ تھام کر رونے لگا۔

"کون؟"

ابا نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور پوچھا۔

"ابا......"

میرے منھ سے روتے ہوئے انھیں پُکارا۔

میرے ابا...... ڈاکٹر مظاہر...... جن کا رعب لوگوں کے دلوں پر آج بھی بیٹھا ہوا تھا، بڑی

مشکلوں سے انھوں نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔

''روحیل؟''

انھوں نے بے یقینی کے عالم میں یہ جملے کہے اور میں نے ان کا ہاتھ تھاما۔

''کہاں چلا گیا تھا میرے لعل؟''

ابا نے بھرّا کر پوچھا اور میں رونے آنکھیں بھینچ کر رونے لگا۔اس لمحے ناز کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے......

''بہت دیر کر دی تُو نے آنے میں میرے بیٹے...... میں نے ......میں نے مظاہر کو صاف کہ دیا...... میں تمھارے ساتھ تب چلوں گا......جب میرا بیٹا روحیل...... ایک بار آ کر مجھ سے ملاقات کر لے......میں بس تیرے ہی انتظار میں یہاں پڑا ہوں......''

ابا نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ مجھے بتایا اور میں ان کا ہاتھ تھام کر رونے لگا۔روتے ہوئے میں نے ان کے ہاتھ کو چُوم لیا اور ان کا چہرہ دیکھا:

''آپ کو کچھ نہیں ہوگا...... میں آپ کو لے جانے آیا ہوں...... نیو یارک میں آپ کا بہترین علاج ہوگا ابا...... مجھ پر یقین کیجیے......''

''کم آن......''

وہ آنکھیں بند کر کے مسکرائے اور کہنے لگے:

''تم اور میں...... ہم ......کوالیفائڈ ڈاکٹرز ہیں...... ہم دونوں یہ جانتے ہیں کہ...... کہ جس اسٹیج پر میں آ گیا ہوں......وہاں سے واپس پلٹنا ناممکن ہے......''

انھوں نے تھکے ہوئے لہجے میں یہ جملے کہے اور میں لاجواب ہو گیا، وہ صحیح کہ رہے تھے۔

''مجھے کوئی غم نہیں ہے میرے بچّے......جانا تو سب نے ہے ایک نہ ایک دن...... میں اب جا رہا ہوں ......تو کیا فرق پڑتا ہے......میں اپنی زندگی جی چُکا ہوں...... میری کہانی گزر گئی......مگر......مگر میں یہ نہیں دیکھ سکتا......کہ تُو اپنی زندگی نا جیے......یہ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔''

یہ کہ کر ابا کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور میں خاموش ہو گیا۔

ناز بھی اس لمحے خاموش رہی۔

''تیری محبت کی زبان ...... یہاں کے لوگ نہیں سمجھتے میرے بچّے......تُو بہت پرایا ہو گیا

ہے سب سے......تُو محبت کر کے......سب سے پرایا ہو گیا ہے۔"

ابا نے روتے ہوئے مجھے دیکھا اور گہرا سانس لے کر کہنے لگے:

"ہائے رے زندگی......موت دی ہے......کوئی گلا نہیں......مگر میرے بچّے کی خوشی کو نظر لگ گئی......

میں یہ کبھی نہیں سہہ سکتا......مرنے کے بعد بھی نہیں سہہ سکتا......"

ابا کا یہ کہنا تھا کہ میں ہچکیوں سے رونے لگا۔

ناز بھی اپنے آنسو نا روک سکی۔ شرمندگی سے اس کا سر جھکتا چلا گیا۔

"روحیل......بیٹا......میری بات سُنو......"

ابا نے میرا ہاتھ تھاما اور میں نے انھیں دیکھا۔

"بہت پیار کرتے ہو نا ناز سے؟"

ابا کا یہ سوال سننا تھا کہ میں نے تڑپ کر بے ساختہ ناز کی طرف دیکھا۔ ناز ابا کے یہ جملے سن کر سکتے میں آ گئی تھی۔ خود میں بھی دم بخود رہ گیا، دل دھڑک اُٹھا۔ میں خاموشی سے ان کا چہرہ تکنے لگا۔

"کہو روحیل...... آج کھل کر ایک بار اپنے باپ سے کہو...... بہت پیار کرتے ہو نا ناز سے؟......وہی لڑکی تھی نا ناز...... جسے تم اپنی بیوی بنانا چاہتے تھے؟...... بولو بیٹے...... بولو......"

انھوں نے دھیرے سے پوچھا اور میں سکتے کے عالم میں کن اکھیوں سے ناز کی طرف دیکھنے لگا۔ ناز گھبری ہوئی کہیں اور دیکھ رہی تھی۔

"کہو روحیل......کہو......بلکل اُسی طرح......جس طرح...... ایک دن میں نے تم سے ......اپنی محبت کے بارے میں کہا تھا......"

انھوں نے مجھے دیکھتے ہوئے یہ جملے کہے۔

میں نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں......سر جھکا لیا......:

"ہاں ابا...... چاہتا ہوں ناز کو......"

میرا یہ کہنا تھا کہ ناز کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ سر جھکا کر شرم سے پگھلنے لگی، اس کا دل دھڑک اُٹھا۔ شاید اُسے پہلی بار اس بات پر یقین آیا کہ میں اُس سے کس قدر محبت کرتا ہوں، کس

قدر عشق کرتا ہوں۔

''اس دنیا کی ہر شے سے کہیں زیادہ چاہتا ہوں میں اُسے...... بہت پیار کرتا ہوں میں اُس سے ابا...... بہت پیار...... پر میری محبت ناکام ہوگئی ہے ابا...... میری محبت بُری طرح ناکام ہوگئی...... میرے ساتھ بھی کچھ ویسا ہی ہوا ہے...... جو آپ کے ساتھ کبھی ہو چکا ہے......''

میں روتے ہوئے کہتا گیا اور ابا آنکھیں بھینچ کر رونے لگے۔ ناز بھی آنکھوں میں آنسو لیے چہرہ جھکائے کھڑی رہی۔

''بیٹا ناز......''

ایسے میں ابا نے ناز کو آواز دی اور وہ چونک کر ان کی طرف بڑھی۔

''جی ابا؟'' اس نے نازک سے لہجے میں پوچھا۔

''اپنا ہاتھ دو بیٹے......''

ابا نے ہاتھ بڑھایا اور ناز نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دیا۔

''تمھیں کیا کہوں میں...... تم جیسی بہو نصیب والوں کو ملتی ہے...... تم نے ان آٹھ مہینوں میں میری جس طرح خدمت کی ہے...... وہ...... یا تو تم جانتی ہو...... یا میرا رب...... میں...... میں نہیں جانتا...... کہ تمھارا شکریہ کس طرح کروں...... بس...... جاتے جاتے...... اپنے اس مرتے ہوئے باپ کی...... ایک آخری خواہش سُن لو...... بس...... کبھی میرے اس بیٹے سے نفرت مت کرنا......''

ابا نے میری طرف اشارہ کر کے یہ جملے کہے اور میں روتے ہوئے ابا کو دیکھنے لگا۔ ناز کن اکھیوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''اس نے تم سے پیار کیا ہے...... بے خیالی میں کیا ہے...... مگر سچّے دل سے تمھیں چاہا ہے...... اور جو لوگ ہم سے پیار کرتے ہیں...... ہمیں اُن سے نفرت نہیں...... ان کی قدر کرنی چاہیے...... قدر کرو اس کی...... یہ بہت اکیلا ہے...... اسے اور تنہا مت کرو...... کیوں کہ میری اس بات کو ساری زندگی یاد رکھنا...... تمھارا رشتہ آپس میں کچھ بھی ہو...... دنیا چاہے تم دونوں کے رشتے کو کیا نام دے...... مگر تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہو...... ہمیشہ کے لیے......''

ابا نے ایک بہت ہی عجیب بات کہی اور میں انھیں دیکھنے لگا۔ ناز بھی حیران ہو کر ابا کو دیکھنے لگی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ابا نے میرا ہاتھ تھاما اور ناز کے ہاتھ میں دیدیا۔ ایک بجلی سی ہم دونوں کے

بدن میں دوڑ گئی، ناز اور میں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو تھاما ہوا تھا۔ یہ ایک عجیب لمحہ تھا، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہماری نظریں جھک گئیں۔ ناز اس لمحے کپکپا رہی تھی......دل میرا بھی دھڑک رہا تھا......مگر ہم دونوں اس پل خاموش رہے۔

''اَشھَدُ اَن لاَّ اِلٰہَ اِلاّ اللہُ وَحدَہ...لَا شرِیکَ لَہ
وَاَشھدُ اَنَّ مُحمّدَاعبدُہ وَرَسُولہ...''

کلمے کا ادا ہونا تھا......کہ اچانک......ابا کی گردن ڈھلک گئی......اوران کی آنکھیں بند ہوئیں۔ آکسیجن سلینڈر سے آوازیں آنے لگیں۔ مانیٹر اسکرین پر دھڑکن سیدھی ہوگئی۔ میں سکتے کے عالم میں ابا کا چہرہ تکنے لگا۔

''ابا؟''

ناز نے انھیں آواز دی مگر وہ کچھ نا بولے۔ ناز نے تڑپ کر ان کے شانے تھامے۔

''ابا!؟!......ابا!؟!......''

ناز کے پُکارنے کا اب کوئی فائدہ نا رہا، ابا خاموش رہے۔

میں اس حقیقت کو جان گیا تھا، وہ اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا چکے ہیں۔

''ابا......''

ناز بھرّ اگئی اوران کے سینے سے لپٹ کر رونے لگی۔ میں اپنی آنکھیں بھینچ کر رونے لگا۔ ابا کی روح بس میرے ہی انتظار میں تھی شاید......جو مجھے دیکھتے ہی ان کے جسم سے پرواز کرگئی۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور امی، اظہر، دادی، سائرہ اور جمشید اندر داخل ہوئے اور سکتے میں آ گئے۔ اندر کا منظر دیکھنے کی انھیں ایک فیصد بھی اُمید نہ تھی۔

''اظہر......''

ناز روتے ہوئے اپنے شوہر کو دیکھا اور دوڑ کر اظہر کے گلے لگی۔ اظہر سکتے کے عالم میں ناز کو اپی بانہوں میں لے کر ابا کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے خاموشی سے ناز کو اظہر کی بانہوں میں دیکھا اور سر جھکا کر کھڑا ہوا اور ایک طرف ہاتھ باندھ کر پیچھے ہوا۔

امی اور امّاں ابا کی طرف بڑھیں۔ ابا آنکھیں بند کیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جہاں سے جا چکے تھے۔ امّاں اپنے بیٹے سے لپٹ کر رونے لگیں، ایک بوڑھی ماں اپنے بیٹے کا ماتم کرنے

لگی۔مگر امی اس لمحے بالکل خاموش تھیں۔شاید اُن پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔شاید ابا کی بددعا کی یہ پہلی سیڑھی تھی......جس نے انھیں جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔یہ بات سائرہ اور جمشید نے محسوس کی تو ان کی طرف بڑھے۔

''امی......'' سائرہ کے منھ سے روتے ہوئے نکلا۔

''سائرہ......''

امی نے اطمینان سے اپنی بیٹی کا نام لیا اور سب نے چونک کر انھیں دیکھا۔میں بھی چونک کر انھیں دیکھنے لگا۔

''اس بدذات شخص سے کہو...... اس کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں...... یہ چلا جائے یہاں سے......''

امی کے یہ جملے سن کر سب دھک سے رہ گئے۔خود مجھے بھی ان جملوں کے سننے کی اُمید نہ تھی۔انھوں نے صاف لفظوں میں مجھے نکل جانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

''یہ میرا شوہر کھا گیا ہے......اب اور کیا چاہتا ہے......اس سے پہلے کچھ اور ہو......اسے کہو چلا جائے...... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے...... چلا جائے......''

امی نے انتہائی نفرت سے یہ جملے کہے اور سب میری طرف دیکھنے لگے۔ناز بھی اس حقیقت کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔میرا دل چر چکا تھا۔زندہ رہنے کی شاید ہی اب کوئی وجہ بچی ہو۔جس شخص سے میں نے بے پناہ محبت کی تھی......آج مجھے اسی شخص کا قاتل بنایا جارہا تھا...... میں یہ الزام ایک پل کے لیے بھی نہیں سہہ سکتا تھا۔میں خاموشی سے سر جھکا کر وہاں سے چل دیا۔سائرہ، جمشید، اظہر، ناز کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہ کی۔میں سر جھکا کر ناز اور اظہر کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔دروازہ کھول کر باہر چلتا چلا گیا۔سب مجھے جاتے ہوئے دیکھتے رہے...... میں اکیلا آنسو بہاتا چلے جارہا تھا...... چلے جارہا تھا۔

☆......☆

Chapter 8

رات کے دو بج چکے تھے، ریسٹورنٹ کی کرسیاں تک اُلٹ کر رکھ دی گئی تھیں۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چُکے تھے۔ شاید نادیہ کو بھی ایک گھنٹے پہلے قبل اپنے گھر کے لیے چلے جانا چاہیے تھا مگر وہ بُت بنی بیٹھی مجھے تکتی رہی اور میں سر جھکائے، بیئر کی بوتل ہاتھ میں پکڑے بیٹھا تھا۔ سب کچھ سن کر نادیہ حیرت کے عالم میں میرا چہرہ تکتی رہی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس لمحے وہ کیا سوال کرے، کیا کہے، بس خاموشی سے بیٹھی مجھے دیکھتی رہی۔

میں نے بوتل کو اپنے لبوں سے لگایا اور ایک بیئر کا ایک گھونٹ پی کر دوبارہ کہنا شروع کیا:

''بس...... یہ تھی میری کہانی...... اتنی سی وجہ ہے کہ میں نے زندگی سے منہ موڑ لیا...... اب گھر بسانے کی کوئی چاہ نہیں رہی...... اب محبت کرنے کے لیے...... دل راضی ہی نہیں ہوتا...... مجھے اتنی نفرتوں سے گزرنا پڑا ہے...... کہ اب محبت کا ساتھ سوچ کر بھی عجیب سا لگتا ہے...... اس لیے میں تنہا خوش ہوں...... اطمینان سے ہوں...... جو ہوا...... وہ میرا نصیب تھا...... پر میرا سوال یہ ہے...... کیا ایک بچّہ...... جو اس دُنیا میں آیا...... اس نے آنکھیں کھولیں...... صحیح سے ابھی دُنیا کو سمجھا بھی نہیں...... کہ نفرت نے اس کے در پر آ کر...... دروازہ کھٹکھٹایا...... اور اُسے اپنے نوکیلے، زہریلے ناخونوں سے دبوچ لیا...... کیا یہ اُس بچّے کے لیے انصاف تھا؟...... کیا ایک تائی...... اس قدر گر سکتی ہے...... کہ وہ اُس بیٹے کو...... جو اس کے سگے بیٹے کے ساتھ پلا بڑھا لکھا...... اس

حد تک گرا ہوا تصور کر سکتی ہے؟...... صرف اس لیے ...... کہ اس کی ماں ایک انگریز عورت تھی؟...... کیا ناز کو یہ حقیقت چھپانا ضروری تھا کہ وہ میرے بھائی سے محبت کرتی ہے؟...... اور حقیقت چھپا کر...... مجھ سے دوستی کی؟ ...... بنا یہ سوچ سمجھے؟...... کہ اگر میں دل دے بیٹھا......تو اس کا کیا انجام ہوسکتا ہے؟...... کیا یہ ظلم نہیں؟...... کیا یہ زیادتی نہیں؟...... کیا یہ غم کم نہیں؟...... کہ ابا کی موت سے آٹھ مہینے پہلے ہی...... میں انھیں چھوڑ کر چلا آیا؟...... مجھے نفرت قبول ہے...... پر نادیہ صرف اتنا بتاؤ...... کیا نفرت کے ساتھ ساتھ...... میرے ساتھ ظلم نہیں ہوا؟...... کیا یہ سب کچھ ہونا...... جائز ہے؟''

یہ سب کچھ کہتے ہوئے میرے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور نادیہ سر جھکا گئی۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

''اور تم جاننا چاہتی ہو؟...... کہ ناز میرے لیے کیا مقام رکھتی ہے؟...... کیا ہے میرے دل میں آج بھی ناز کے لیے؟......تو سُنو...... میں ناز سے اب بے انتہا نفرت کرتا ہوں...... میں اس کا نام...... اس کی یاد...... اس کا چہرہ تک یاد نہیں کرنا چاہتا...... میں ہر قیمت پر...... ناز سے اس قدر دُور چلے جانا چاہتا ہوں...... کہ اگر مجھے اپنی جان بھی دینا پڑے......تو مجھے پروا نہیں...... کیوں کہ میں اُس سے...... اُس سے بہت نفرت کرتا ہوں...... حد سے زیادہ نفرت...... اتنی نفرت...... کہ اگر اس کی ایک جھلک بھی مجھے مل جائے......تو میں اس کے سامنے سجدہ کر کے...... اپنی زندگی خیرات کر دوں...... اتنی نفرت...... کے ساری دُنیا کی خوشیاں...... ایک طرف...... اس کی قُربت ایک طرف...... میں اُس سے اتنی نفرت کرتا ہوں...... کہ وہ جب چاہے...... مجھ سے کسی بھی چیز کا تقاضا کرلے...... اور میں...... مسکرا کر...... اپنا سب کچھ اُس پر لٹا دوں.......... یہ ہے میری نفرت کا عالم...... کیوں کہ میری نفرت کے پیچھے...... محبت کا ایک ایسا طوفان بند پڑا ہے...... جو طوفان...... سنبھلنے کا نام ہی نہیں لیتا...... بس...... دن بہ دن...... بڑھتا جاتا ہے...... بڑھتا جاتا ہے...... بڑھتا جاتا ہے..........''

میں تڑپتے ہوئے دل کے ساتھ، آنکھوں میں آنسو لیے کہے جا رہا تھا اور نادیہ میرا غم دیکھنے لگی۔ وہ میری تڑپ کو سمجھ رہی تھی، محسوس کر رہی تھی مگر کہتی بھی کیا، سب کچھ جان کر میری طرح طرح وہ بھی نصیب کے آگے بے بس تھی۔

اپنے آنسوؤں کو پوچھ کر میں نے ایک بار پھر بوتل کو اپنے لبوں سے لگایا اور کچھ گھونٹ پیکر بوتل بارٹینڈر کی ٹیبل پر رکھی۔ میں اپنی کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسے دیکھ کر کہا:

''اس بات کو دو سال گزر چکے ہیں۔ ان دو سالوں میں کیا کچھ ہو چکا ہے اور کیا نہیں مجھے اب کچھ نہیں پتا۔ یہ دو سال میں نے اپنی زندگی کے تنہا ہی گزار دیے۔ اب تو تنہائی سے ہی محبت ہو گئی ہے، کیوں کہ اب اپنوں سے مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ اس لیے میں اکیلا ہی رہنا چاہتا ہوں۔''

میرے یہ کہنے پر نادیہ بس مجھے دیکھتی رہی۔

''شکریہ نادیہ...... شکریہ میرا غم سُننے کے لیے...... مگر مرا غم کوئی سُنے یا نا سُنے...... میں اپنا غم کسی سے کہوں یا نہ کہوں...... میری تنہائی کو کوئی ختم نہیں کر سکتا...... اور شاید...... یہی میرے لیے بہتر ہے...... کسی سے دل لگانا...... کسی کو چاہنا...... کسی کو حاصل کرنا...... یہ میرے نصیب میں نہیں...... اور نصیب سے لڑنے کی سکت...... اب مجھ میں نہیں رہی۔''

میری بات سن کر نادیہ نے سر جھکایا اور خاموش رہی۔

کچھ پل بیت گئے تو اُس نے سر اُٹھا کر کہنے کی کچھ کوشش کی:

''روحیل...... میں یہ نہیں کہوں گی کہ تمھارے اوپر بیتی...... وہ ظلم نہیں...... زیادتی نہیں...... تمھاری جگہ کوئی اور ہوتا...... تو شاید...... شاید اپنی جان دے چُکا ہوتا...... مگر جانتے ہو...... جب سُورج ڈوبتا ہے...... تو اس پیغام کے ساتھ...... کہ اگلی صبح وہ دوبارہ طلوع ہوگا...... ایک نئی دن کے ساتھ...... ایک نئے مقصد کے ساتھ...... ایک نئی چاہت کے ساتھ...... میں تم سے یہ نہیں کہوں گی...... کہ اپنے ماضی کو سلجھاؤ...... ہاں...... صرف اتنا کہوں گی...... کہ دُنیا بہت بڑی ہے...... اب نئے رشتے قائم کرو...... اب ایک نئی زندگی شروع کرو...... ایک ایسی زندگی جس میں...... ناز دُور دُور تک نہ ہو......''

اس کی بات سن کر میں مسکرایا اور سر جھکا گیا۔ میں نے مسکرا کر نادیہ کا چہرہ دیکھا اور مسکراہٹ کے ساتھ کہا:

''نہیں نادیہ...... اُمید اُن لوگوں کے لیے ہوتی ہے...... جن کے نصیب میں اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے...... میرے نصیب میں چڑھاؤ نام کی کوئی شے موجود نہیں...... میں اپنے ساتھ...... کسی اور کو اندھیرے میں نہیں دھکیل سکتا...... اور ویسے بھی......''

یہ کہہ کر میں نے اپنے کوٹ کی جیب سے وہ ہیرے کی انگوٹھی نکالی...... جو میں نے کبھی ناز کی انگلی میں پہنانا چاہی تھی۔ انگوٹھی دیکھ کر نادیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ حیران ہو کر انگوٹھی تکنے لگی۔

میں نے اپنی ماں کی انگوٹھی کو ایک نظر دیکھا اور کہا:

”ویسے بھی...... اس انگوٹھی پر ...... ناز کا نام لکھا جا چُکا ہے...... اب کوئی اور نام؟...... نہیں...... کبھی نہیں......“

میری بات سن کر نادیہ حیرت کے عالم میں مجھے تکنے لگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں ناز کی محبت میں ابھی تک ڈوبا ہوا ہوں...... وہ جان گئی تھی...... کہ ناز نے مجھے اپنی محبت میں قید کر کے رکھا ہوا ہے...... جہاں آزادی ملے گی...... نہ ہی سزا......

☆......☆

رات گہری ہو چکی تھی، لوگ اپنے اپنے گھروں میں کب کے سو چکے تھے۔ ایسے میں میری گاڑی نادیہ کے گھر کے پاس آ کر رکی اور میں نے اُتر کر نادیہ کے لیے دروازہ کھولا۔

نادیہ بے جان جسم کے ساتھ گاڑی سے اُتری اور اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ میں اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ دو پل اس نے قدم بڑھائے ہی ہوں گے کہ وہ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگی اور واپس چلتی ہوئی آ کر میرے گلے لگی۔ مجھ سے گلے لگتے ہی وہ رونے لگی، شاید اس کا دل بھر آیا تھا۔ میں اُداس مسکراہٹ اپنے لبوں پر چسپاں کر کے اُسے سنبھالنے لگا:

”کم آن نادیہ...... غم میرا ہے...... رو تم رہی ہو؟“

میری بات سن کر نادیہ روتے ہوئے مجھ سے الگ ہو کر میرا چہرہ دیکھنے لگی۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“ میں نے مسکرا کر اُسے دیکھ کے پوچھا۔

میرا سوال سن کر نادیہ نے نظریں جھکائیں اور میرا ہاتھ تھام کر کہا:

”روحیل...... میں جانتی ہوں...... کہ اپنے نصیب کو کوسنا...... تمھارا حق ہے...... مگر...... میں آج دل سے ایک دعا دیتی ہوں...... تمھیں تمھاری ناز ضرور ملے گی۔“

نادیہ نے ایک عجیب بات کہی اور میں الجھن کے عالم میں اس کا چہرہ تکنے لگا۔

نادیہ نے میرے ہاتھوں کو تھاما اور مجھے دیکھ کر کہنے لگی:

’’میں نہیں جانتی کیسے...... اور کس طرح...... لیکن میری دعا ہے...... کہ تمھیں ناز ضرور ملے گی......

ضرور ملے گی......ضرور ملے گی......‘‘

یہ کہ کرنادیہ اپنے گھر کی طرف چل دی اور میں اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔نادیہ کی دعا نے مجھے الجھن میں دھکیل دیا۔ناز اور میری کہانی کب کی ختم ہوچکی ہے،تو کیا؟......کہانی ابھی باقی ہے؟ کیا ابھی بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ کیا ہم ایک ہوسکتے ہیں؟ کیا قُدرت اس حد تک مہربان ہوسکتی ہے کہ سب کچھ بدل کے رہ جائے؟

اسی الجھن کے عالم میں میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ایک نظر اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنے گھر میں داخل ہوچکی تھی۔میں پلٹ کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے چل پڑا۔

بروکلین برج پر سے گاڑی چلاتے ہوئے بھی مستقل نادیہ کے جملے میرے ذہن میں گردش کرنے لگے۔دل میں حسرت لیے اس کی دعا کے بارے میں سوچنے لگا۔آخر دل ہی تو ہے......نجانے کتنی حسرتیں اپنے اندر دفن کیے رہتا ہے،ایک حسرت یہ بھی سہی۔آج سب کچھ دوہرا کر...... ناز ایک بار پھر میرے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔اس کا چہرہ...... اس کی مسکراہٹ...... اس کی آنکھیں...... اس کی زلفیں...... کسی بشر کے لیے اُسے بھلا دینا ممکن نہ تھا۔میں اُس پر فدا تھا اور شاید...... اپنی ساری زندگی اُسی پر فدا رہوں گا۔یہ سچ تھا...... میں اُسے بھول نہ سکا...... میں اُسے بھول نہ سکا۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنی گاڑی ایک طرف روکی۔گاڑی سے اُتر کر بوجھل قدموں سے بروکلن برج کے سرہانے پر آیا۔جگمگاتا ہوا نیویارک سٹی میرے سامنے موجود تھا، آسماں پر تارے چمک رہے تھے اور سرد ہوا میرے جسم کو چھونے لگی۔میں روتی ہوئی نگاہوں سے شہر کو تکنے لگا، بیتا ہوا کل آج بھی مجھے کاٹ رہا تھا، تڑپا رہا تھا۔میں بے بس ہوکر سوائے خالی نظروں سے شہر کو تکنے کے سوا کچھ نہیں بھی کر سکتا تھا۔

کچھ سوچ کر...... میں نے اپنی ماں کی انگوٹھی......کوٹ سے نکالی......اور اپنی انگلیوں میں اُس انگوٹھی کو پلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا...... ہیرے کی یہ انگوٹھی کبھی میرے والد نے میری والدہ کی انگلی میں پہنائی تھی، اور آج...... اس انگوٹھی پر اگر کسی کا حق تھا......تو وہ ناز تھی......مگر ناز......اب

اس کے بارے میں سوچنا بھی میرے لیے گناہ ہے......وہ میرے بھائی کی بیوی ہے......اور میرا اُس پر کوئی حق نہ تھا......

الجھن کے اس عالم میں......میں نے فیصلہ کیا......کہ اس کہانی کا اختتام آج ہو کر رہے...... تو سب کے لیے زیادہ بہتر ہے......یہ سوچ کر......میں نے ہاتھ بڑھایا......اور انگوٹھی کو پانی میں پھینک دینا چاہا......انگوٹھی کا پانی میں گرنا تھا......اور میں ناز کی یادوں سے......ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا......یہی اختتام تھا......اور اس اختتام کو......اسی طرح ہونا چاہیے تھا......انگوٹھی اب میری انگلیوں سے......بس پھسل ہی رہی تھی......میرا دل دھڑکنے لگا......دل میں ایک عجیب سا خوف طاری ہوا......میں اپنی ماں کی آخری نشانی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہنے والا تھا......شاید......شاید اس طرح ناز کی یاد......میرے دل سے نکل جاتی......انگوٹھی اب میری انگلیوں میں ٹکی ہوئی تھی......میں کسی بھی لمحے اُسے پانی میں پھینک سکتا تھا......اس لمحے...... میرے ہاتھ شل ہونے لگے......دل بُری طرح دھڑکنے لگا......میں انگوٹھی پھینکنے ہی والا تھا کہ مجھے......نادیہ کی دعا یاد آئی:

”میں نہیں جانتی کیسے......اور کس طرح......لیکن میری دعا ہے......کہ تمھیں ناز ضرور ملے گی......ضرور ملے گی......“

اس دعا کو یاد کرنا تھا کہ میں نے تڑپ کر......اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا......میں نے اس اختتام کو روک لیا......کہانی......کہانی شاید ابھی بھی چل رہی تھی......میں نے تڑپ کر انگوٹھی کو عقیدت سے چُوما......اور آنسوؤں کے ساتھ......اُس کو واپس اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا......اب میں پلٹ کر واپس اپنی گاڑی میں بیٹھا......ہاتھوں سے اپنے بالوں کو پیچھے کیا...... گاڑی گیئر میں ڈالی......اور رفتار بڑھاتا چلا گیا......میں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ...... بروکلن برج سے......گزرتا چلا گیا..........

☆......☆

To Be Continued

Jo Chaho Tum II

a common love story, still untold...

Love does not require anything; it only wants you to be honest and open about your feelings. You need to express why you feel the way you do or what caused your feelings to fade. In both situation you need to show your true feelings before it gets too late.This is what happened in jo chaho tum...

The best and most beautiful things in the world cannot be seen or even touched, and I am sure jo chaho tum... will touch your soul and it stays forever in your heart.

Ali

Aeina Publications